حدیث
کے
اصلاحی مضامین

جلد دہم

افادات

حضرت اقدس مولانا مفتی احمد صاحب خانپوری دامت برکاتہم

شیخ الحدیث وصدر مفتی جامعہ اسلامیہ تعلیم الدین، ڈابھیل

ناشر

مکتبۂ محمودیہ، محمودنگر، ڈابھیل

تفصیلات

کتاب کا نام: .... حدیث کے اصلاحی مضامین (جلد دہم)

افادات: .... حضرت اقدس مفتی احمد صاحب خانپوری دامت برکاتہم

بہ اہتمام: .... خدّام حضرت اقدس دامت برکاتہم

صفحات: ۴۴۰

ناشر: .... مکتبۂ محمودیہ، محمودنگر، ڈابھیل، گجرات

ملنے کے پتے

- شعبۂ فیض محمود، سورت 99988,31838
- ادارۃ الصدیق ڈابھیل، 9913319190
- مفتی سلیمان شاہوی (دارالعلوم فلاح دارین ترکیسر) 88666,21229
- مکتبۂ انور (مفتی عبدالقیوم راجکوٹی) جامعہ ڈابھیل 99246,93470
- کتب خانہ نعیمیہ دیوبند 97562,02118
- مکتبۃ الاتحاد دیوبند 9897296985
- حضرت مولانا رحمت اللہ صاحب مدظلہ (دارالعلوم رحیمیہ بانڈی پورہ کشمیر)
- مدینہ ایجنسی جھانپا بازار سورت
- قاضی، نزد مرکز مسجد رانی تالاب سورت
- اسلامی کتب خانہ چوک بازار سورت

اجمالی فہرست مضامین ...... جلد دہم

تفصیلی فہرست مضامین ...... جلد دہم

کتاب اللباس لباس کا بیان

باب إستحباب الثوب الأبیض وجواز الأحمر والأخضر والأصفر والأسود وجوازہ من قطن و کتان وشعر وصوف وغیرھا إلاّ الحریر

☑ سفید لباس مستحب ہے۔لال، ہرا، پیلا، اور کالا جائز ہے ☑ روئی، کتان، بال اور اون کا لباس جائز ہے ☑ (مردوں کے لیے) ریشم جائز نہیں

بَابُ الْقَمِيْصِ وَالْإِزَارِ

کُرتے اور پائجامے کا بیان

أبواب شتیٰ من کتاب اللباس

آداب النوم والاضطجاع

سونے اور لیٹنے کے آداب

باب فی آداب المجلس والجلیس
مجلس کے آداب

باب الرؤیا وما یتعلق بہا

خواب اور اس سے متعلقہ چیزوں کا بیان

كتاب السلام سلام کے احکام وآداب

باب فضل السلام والامر بافشائه

سلام کی فضیلت اور سلام کو عام کرنے کا حکم

باب کیفیة السلام   سلام کا طریقہ

باب آدب السلام   سلام کے کچھ آداب

باب الاستیذان وآدابہ

کسی کے یہاں جانے پر اجازت لینے کے احکام وآداب

بیان آداب التشمیت والعطاس والتثاؤب
چھینک کھانے اور جمائی لینے کے آداب

استحباب المصافحة عند اللقاء وبشاشة الوجه وتقبيل يد الرجل الصالح، وتقبيل ولده شفقة ومعانقة القادم من سفر وكراهية الانحناء

ملاقات کے وقت مصافحہ کا مستحب ہونا چہرے کو مسکراتا ہوا رکھنا۔ نیک آدمی کے ہاتھ چومنا، اور اپنی اولاد کو محبت سے بوسہ دینا۔ اگر کوئی آدمی سفر سے واپس آئے تو اس سے معانقہ کرنا اور جھکنے کا ناپسندیدہ ہونا

کتابُ عیادۃِ الْمَرِیْض

بیمار کی خبر گیری اور تیمارداری

باب ما يقال عند الميت وَمَا يقوله من مات له ميت

جب کسی کا انتقال ہو جائے اور آپ وہاں پہنچیں تو آپ کو کیا کہنا چاہیے؟ اور جس کے کسی عزیز کا انتقال ہوا ہو؛ وہ خود کیا کہے؟

الصلاۃ عَلَی المیت وتشییعہ وحضور دفنہ و کراھۃ اتباع النساء الجنائز

نماز جنازہ کا بیان، جنازہ کے ساتھ جانا، تدفین میں شریک ہونا، عورتوں کا دفن میں شریک ہونا

کتاب آداب السفر — سفر کے آداب

استحباب الخروج یوم الخمیس واستحبابہ اول النہار

جمعرات کے دن اور دن کے ابتدائی حصہ میں سفر کی شروعات کا مستحب ہونا

أبواب شتیٰ من کتاب السفر

اداریہ

آج کل ’’Manners‘‘ اورآداب کے نام پر بہت کچھ بتایااور پڑھایا جاتا ہے،لیکن جو جامعیت اور گہرائی اللہ تعالیٰ اوررسول اللہ ﷺ کے بتائے ہوئے آداب میں ہے؛وہ کہیں اورنہیں ملتی۔اور ملے بھی کیوں کر؟ کہاں انسان کا علم اور کہاں اللہ تعالیٰ کا علم! بہت سے لوگ تو’’Manners‘‘ کے نام سے اسلامی آداب ہی لکھ دیتے ہیں لیکن اسلام کا حوالہ نہیں دیتے؛ پتہ نہیں کیوں؟ انسان کی طاقت ہی نہیں ہے کہ وہ وحی کی مدد کے بغیر محض اپنی عقل استعمال کرکے یہ آداب بتاسکے، یہ باتیں تو صاحبِ وحی ہی بتاسکتے ہیں،اب اگر انسان ان کو معلوم نہ کرے، یا عمل نہ کرے؛ تو پھر اس کے لیے کیا باقی رہ جاتا ہے؟

اسلام نے جن خطرات کو سوچ کر لباس کے سلسلہ میں انسانوں کو کچھ خاص ہدایات دی تھیں، انسانیت کے دشمنوں نے جان بوجھ کر دنیا میں ان ہدایات کے خلاف لباس کو مردوں اورعورتوں میں ایک سوچی سمجھی سازش کے تحت ’’فیشن‘‘ کا نام دے کر عام کیا؛ تاکہ دینِ اسلام پورے معاشرہ وسماج میں جو پاکیز گی لانا چاہتا ہے اس سے وہ ہمیشہ محروم ہی رہے،اور جو بگاڑ ختم کرنا چاہتا ہے وہ خوب بڑھے۔

دینِ فطرت نے مردوں کو ٹخنہ چھپانے والے لباس سے منع فرمایا، اور عورتوں کو تاکید کی کہ ٹخنہ چھپانے والا لباس ہی پہنیں؛ تو اب اعدائے اسلام نے باقاعدہ محنت کرکے دونوں میں ایسی فیشن ایجاد کردی کہ مرد ٹخنے چھپانے کو اپنی عزت کی معراج سمجھنے لگے،اور عورتیں اپنے جسم کو زیادہ سے زیادہ ننگا کرنے میں فخر محسوس کرنے لگیں۔

ذرا سوچئے! اگر اسلام کی تعلیمات پر عمل کا عمومی ماحول ہوتا تو انسانوں کو کیا

فائدہ ہوتا؟ مردوں کو یہ فائدہ ہوتا کہ ان کی طبیعت ومزاج میں کبر پیدا نہ ہوتا۔ یہ کبر ہی انسان کو کسی کی ماننے سے روک دیتا ہے "الکبر بطر الحق" کبر کا مطلب ہی "حق کو ٹھکرانا" ہوتا ہے۔ آج حال یہ ہوگیا کہ بیانات کرنے والے بیانات کرتے کرتے بوڑھے ہوگئے، درسِ قرآن میں کتنوں کی زندگیاں کھپ گئیں، درسِ حدیث دینے والے علماء نے بھی کوئی کمی نہیں چھوڑی، اور یہ بات بھی نہیں کہ لوگ بیانات میں شریک نہیں ہوتے، ضرور شریک ہوتے ہیں اور بصد شوق شریک ہوتے ہیں، لیکن زندگیوں میں خوشگوار انقلاب نظر نہیں آتا۔

سب عورتیں اگر اسلامی لباس کی پابند ہوجاتیں تو کتنے بڑے بگاڑ سے دنیا بچ جاتی، جس نے بڑی بڑی حکومتوں کے سر میں درد کردیا ہے، بے حیائی، فحاشی، عریانیت کے زہر سے آج خود اس کے موجدین ہی جاں بہ لب اور دم بخود ہوچکے ہیں۔ کوئی سمجھدار انسان کسی کو بے وجہ کوئی ہدایت نہیں دیتا؛ تو پھر وہ ذات جہاں جا کر حکمت ختم ہوجاتی ہے وہ انسانوں کو بے وجہ کوئی حکم کیوں دے گی، یا کسی چیز سے کیوں روکے گی؟

اس جلد کے ابتدائی ۱۷ رصفحات درحقیقت تشریح ہے امام نوویؒ کے اسی انتخاب کی جو آپ نے آیاتِ قرآنی وروایاتِ نبوی کی شکل میں پیش فرمایا ہے، خالی الذہن سلیم الفطرت انسان ان سے بہت کچھ سیکھ سکتا ہے۔

اس کے بعد تقریباً ۲۰ رصفحات کا مضمون سونے کے آداب کا ہے، جس کے ضمن میں اور بھی بہت سی چیزیں آگئی ہیں۔ سونا انسان کے لیے ناگزیر ہے، انسان بہرحال سوتا ہے چاہے آداب ومستحبات کی رعایت کرے یا نہ کرے، آداب ومستحبات کی رعایت سے سونے والا دونوں جہاں کا فائدہ حاصل کرتا ہے اور ان کی رعایت نہ رکھنے والا اس سے محروم رہتا ہے۔

’’آدابِ مجلس‘‘ انسانی زندگی میں بڑی اہمیت رکھتے ہیں، اسی وجہ سے شریعت نے یہ بھی خاص طور سے سکھائے ہیں۔

پھر ’’سلام کے احکام وآداب‘‘ بیان ہوئے، نیز ’’اجازت لینے کے آداب و ہدایات‘‘ اور ’’ملاقات ومصافحہ کے آداب‘‘ ہیں۔

بیمار کی عیادت کی تاکیدِ اکید کے ساتھ ہی ’’آدابِ عیادت‘‘ کی رعایت بھی اتنی ہی ضروری ہے، آداب کی عدمِ رعایت مریض کے لیے دردِ سر بن جاتی ہے، اس سلسلہ میں اسلامی ہدایات کو غور سے پڑھ کر ان کی رعایت کر کے حسنِ معاشرت کا ثبوت پیش کیا جا سکتا ہے۔

میت اور اہلِ میت کے ساتھ کن آداب کو برتنا چاہیے؟ تعزیت اور پسماندگان کو دلاسہ دلانے کی اہمیت پر بڑا مؤثر مضمون بیان ہوا ہے۔ اسی ضمن میں ’’میت کے قرض کی ادائیگی اور اس کی تیاری میں جلدی کا اہتمام‘‘ نہایت ہی اہم اور عقدہ کشا مضمون ہے۔

انسانی زندگی میں سفر کے بغیر چارۂ کار نہیں، علامہ نووی رحمۃ اللہ علیہ کے انتخاب کی تشریح پڑھنے سے ’’آدابِ سفر‘‘ معلوم ہوں گے، ساتھ ہی ساتھ سفر کی اقسام کا علم ہوگا، قصر کے احکام ذہن نشین ہوں گے، دورانِ سفر کن کن باتوں کی رعایت کرنی چاہیے وہ سیکھنے ملیں گی اور سفر کی مختلف مسنون دعائیں بھی معلوم ہوں گی۔

خلاصہ یہ کہ ’’ادب‘‘ تو انسان کا طرۂ امتیاز ہے:-

ادب ہی سے انسان انسان ہے　　　ادب جو نہ سیکھے وہ حیوان ہے

گویا اس جلد کا نام ’’آدابِ زندگی‘‘ رکھا جائے تو بیجا نہ ہوگا کہ اس پوری جلد میں مختلف آداب ہی کا تذکرہ ہوا ہے۔ یکسوئی کے ساتھ ان کے مطالعہ سے قارئین کو

اس بات کا یقیناً اندازہ ہوگا کہ خالقِ کائنات نے اپنے نبیٔ اُمی علیہ الف الف تحیۃ وتسلیم کی زبانِ مبارک سے انسانوں کو کتنے اعلیٰ ترین آداب کی تعلیم دلوائی ہے!

اس مجموعہ میں کُل دوسو گیارہ (۲۱۱) روایات پیش ہوئی ہیں۔

ہم مولانا مفتی محمد رضوان صاحب احمد آبادی زید مجدہٗ (ناظم مدرسہ ولی اللہ، کالوپور، احمد آباد) اوران کے رفقاء کے نہایت ہی ممنون ومشکور ہیں کہ انہوں نے حسبِ سابق اس جلد کے مواد کی فراہمی میں ہمیں بھر پور تعاون کیا۔ فجزاہم اللہ أحسن الجزاء فی الدارین۔ اللہ تعالیٰ گلشنِ احمدی کی آبادی وشادابی کے لیے ان سب کو قبول فرمائے۔

ابوزاہر

كتاب اللّباس

لباس کا بیان

باب إستحباب الثوب الأبيض وجواز الأحمر والأخضر والأصفر والأسود وجوازه من قطن وكتان وشعر وصوف وغيرها إلاّ الحرير

☑ سفید لباس مستحب ہے۔ لال، ہرا، پیلا، اور کالا جائز ہے

☑ روئی، کتان، بال اور اون کا لباس جائز ہے

☑ (مردوں کے لیے) ریشم جائز نہیں

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ نَحْمَدُہٗ وَنَسْتَعِیْنُہٗ وَنَسْتَغْفِرُہٗ وَنُؤْمِنُ بِہٖ وَنَتَوَکَّلُ عَلَیْہِ، وَنَعُوْذُ بِاللّٰہِ مِنْ شُرُوْرِ اَنْفُسِنَا وَمِنْ سَیِّئَاتِ اَعْمَالِنَا مَنْ یَّھْدِہِ اللّٰہُ فَلَا مُضِلَّ لَہٗ وَمَنْ یُّضْلِلْہُ فَلَا ھَادِیَ لَہٗ وَنَشْھَدُ اَنْ لَّا اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ وَحْدَہٗ لَا شَرِیْکَ لَہٗ وَنَشْھَدُ اَنَّ سَیِّدَنَا وَمَوْلَانَا مُحَمَّدًا عَبْدُہٗ وَرَسُوْلُہٗ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَعَلٰی آلِہٖ وَاَصْحَابِہٖ وَبَارِکْ وَسَلِّمْ تَسْلِیْمًا کَثِیْرًا کَثِیْرًا۔ أما بعد:

قَالَ اللّٰہ تَعَالٰی: یٰبَنِیْ آدَمَ قَدْ أَنْزَلْنَا عَلَیْکُمْ لِبَاساً یُّوَارِیْ سَوْآتِکُمْ وَرِیْشاً وَلِبَاسُ التَّقْوٰی ذٰلِکَ خَیْرٌ. (الأعراف:۲۶)

وقال تَعَالٰی: وَجَعَلَ لَکُمْ سَرَابِیْلَ تَقِیْکُمُ الْحَرَّ وَسَرَابِیْلَ تَقِیْکُمْ بَأْسَکُمْ ۔ (النحل:۸۱)

یہاں سے ایک نیا عنوان ’’کتاب اللباس‘‘ شروع کر رہے ہیں، اس میں لباس سے متعلق جو آداب اور ہدایتیں ہیں ان کو بیان کرنا چاہتے ہیں۔ جیسا کہ آپ کو معلوم ہے کہ نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی تعلیمات اور ہدایات انسانی زندگی کے تمام شعبوں کو شامل ہیں، اسی میں رہن سہن اور معاشرت کا شعبہ بھی ہے، اس سے متعلق بھی نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے تفصیلی ہدایات عطا فرمائی ہیں۔ معاشرت میں ایک چیز لباس بھی ہے جس کے متعلق بھی بہت ساری ہدایتیں نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی زبانی اور بہت ساری باتیں آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے عمل سے ثابت ہوتی ہیں جن کو علماء نے کتابوں میں تفصیل سے لکھا ہے۔

شیطانی دھوکہ

بعض لوگ جو یہ کہتے ہیں کہ لباس سے متعلق شریعت کی پابندی کوئی ضروری

نہیں ہے، جیسا لباس چاہو پہن لو، بس آدمی کا باطن اچھا ہونا چاہیے، ظاہر جیسا بھی ہو؛ یہ سب محض شیطانی دھوکہ ہے۔ آدمی کے ظاہر کا بھی اس کے باطن پر اثر پڑا کرتا ہے، اور شریعت نے صرف باطن ہی نہیں، بلکہ ظاہر سے متعلق بھی ہدایتیں اور تعلیمات دی ہیں۔ قرآن میں باری تعالیٰ فرماتے ہیں: "وَذَرُوْا ظَاهِرَ الْإِثْمِ وَبَاطِنَهٗ" کچھ ظاہری گناہ ہیں اور کچھ اندر کے (چھپے ہوئے) گناہ ہیں؛ ان سب کو چھوڑ دو۔ تو دیکھئے! ظاہر سے متعلق بھی ہدایت ہے اور باطن سے متعلق بھی ہے۔ روح سے متعلق بھی ہدایت دی ہے اور جسم سے متعلق بھی ہدایت دی ہے۔ اور یہ کہنا کہ آدمی کا باطن اچھا ہونا چاہیے، ظاہر میں جس طرح کا لباس چاہو پہنو، کوئی پابندی نہیں؛ یہ بات بھی صحیح نہیں ہے اس لیے کہ باطن جیسا ہوتا ہے، ظاہر پر اس کا اثر نمایاں ہوتا ہے، اور آدمی اپنا ظاہر جس طرح کا بناتا ہے، باطن اس سے متأثر ہوتا ہے۔

......تو برقعہ بھی پہن لیجئے

حضرت مولانا ادریس صاحب کاندھلوی رحمۃ اللہ علیہ نے لکھا ہے کہ: بعض لوگ یوں کہتے ہیں کہ جب ہمارے دل میں ایمان ویقین ہے، اللہ تعالیٰ کی ذات پر اعتماد ہے اور ہم شریعت کے سارے احکام کو تسلیم کرتے ہیں، ہمارا عقیدہ درست ہے، ہمارا عمل بھی صحیح ہے، تو اب اگر ہم ظاہری طور پر جیسا بھی لباس پہن لیں، چاہے یہود جیسا، چاہے نصاریٰ اور غیر مسلموں جیسا؛ تو اس سے کیا فرق پڑتا ہے؟ تو حضرتؒ الزامی جواب کے طور پر فرماتے ہیں کہ آپ مرد ہیں، آپ کے اندر مردانگی اور قوت وشجاعت ہے، اور ہمت وہیبت اور صَولت ہے، تو پھر آپ عورتوں کا سا لباس پہن لیجئے! اپنی بیوی کی شلوار پہن لیجئے! اس کا کرتہ پہن لیجئے! دوپٹہ سر پر اوڑھ لیجئے! ہاتھوں میں چوڑیاں

پہن لیجئے! کانوں میں بالیاں لگا لیجئے! گلے کے اندر ہار پہن لیجئے! برقعہ بھی چڑھا لیجئے! اور اس طرح جا کر اپنی آفس میں ٹیبل پر بیٹھئے، کم سے کم ایک دن کے لیے ایسا کر لیجئے! اور کوئی آدمی اگر کچھ کہے تو اس سے آپ کہئے کہ میں تو مرد ہوں، مجھ میں شجاعت و بہادری ہے، مردوں والی قوت اور طاقت ہے، ساری چیزیں مردوں والی ہے، اگر میں نے صرف لباس عورتوں والا پہن لیا؛ تو اس سے کیا فرق پڑتا ہے؟ ظاہر ہے کہ آپ اس کو گوارا نہیں کریں گے۔ تو جیسے اس کو گوارا نہیں کرتے، اسی طرح دوسری چیزوں میں بھی اسی پر قیاس کرنا چاہیے۔

جب خاتون کی ڈاڑھی اُگی

دوسری بات یہ ہے کہ اِس زمانہ کے تمام ماہرین نفسیات اس پر اتفاق کرتے ہیں کہ آدمی جیسا ظاہر اختیار کرتا ہے اس کے باطن پر اس کا اثر پڑتا ہے۔ ظاہری اعتبار سے آپ اپنی شکل وصورت اگر عورتوں جیسی بنائیں گے کہ عورتوں کا سا لباس پہنیں، یا مخنثوں کا سا لباس پہنیں، ان جیسی حرکتیں کرنے لگیں، ان جیسی زبان استعمال کریں، ان جیسا لہجہ آپ استعمال کریں، جب چند روز تک آپ ایسا کریں گے؛ تو وہی اثرات آپ کے اندر ظاہر ہوں گے۔ ابوداود شریف میں روایت موجود ہے کہ نبیٔ کریم ﷺ نے عورتوں کو بال منڈانے سے منع فرمایا(۱)۔

یوروپ کا قصہ ہے، کسی زمانہ میں اخبار میں ایک عورت کے متعلق آیا تھا کہ اس نے بال منڈانے شروع کئے کہ اس میں کیا حرج ہے۔ جب ایک زمانہ تک بال منڈاتی رہی؛ تو اس کو ڈاڑھی آنا شروع ہوگئی۔

عن ابن عَبَّاسٍ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللّٰهِ ﷺ: لَيْسَ عَلَى النِّسَاءِ الْحَلْقُ. (سنن ابی داود: باب الْحَلْقِ وَالتَّقْصِيرِ)

داغ: باطن کی خرابی کا اثر

تو یہ کہنا کہ آدمی کے ظاہر کا اس کے باطن کے اوپر کوئی اثر نہیں پڑتا، صرف باطن درست ہونا چاہیے؛ یہ بات صحیح نہیں ہے۔ بعض اکابر اس کو ایک مثال سے سمجھاتے ہیں کہ دیکھو! ہر پھل کا ایک ظاہر ہوتا ہے اور ایک باطن ہوتا ہے، اگر اس کا باطن خراب ہے تو اس کا اثر ظاہر کے اوپر داغ کی شکل میں نمایاں ہوگا۔ اگر ظاہر میں داغ نظر آرہے ہیں اور کوئی آدمی یوں کہے کہ اس کا باطن اچھا ہے؛ تو یہ بات مانی نہیں جاسکتی۔ اس لئے ظاہر کے متعلق یہ دعویٰ کرنا کہ ظاہر جیسا بھی ہو، اگر باطن درست ہے تو اس کی وجہ سے کوئی فرق نہیں پڑتا، یہ محض ایک شیطانی دھوکہ ہے۔

اسلامی کٹ میں توسع ہے

لباس کے سلسلہ میں بھی اسلام نے جو ہدایات دی ہیں وہ بڑی معتدل ہیں، ویسے لباس کی کوئی خاص وضع قطع اور تراش خراش اور خاص کٹ متعین نہیں کی کہ اسی کٹ کا لباس آپ پہنئے، بلکہ لباس کے متعلق کچھ اصولی ہدایتیں شریعت کی طرف سے دی گئی ہیں ان اصولی ہدایتوں کو مدِّ نظر رکھتے ہوئے اگر آدمی اپنا لباس تیار کرائے تو وہ شرعی لباس کی حدود میں آجاتا ہے اور اس صورت میں اس قسم کا لباس استعمال کرنے میں کوئی حرج کی بات نہیں۔

لباس کے دو مقصد

چناں چہ یہاں علامہ نووی رحمۃ اللہ علیہ نے کتاب اللباس کا عنوان قائم کر کے پہلا باب قائم کیا جس سے معلوم ہوگا کہ کپڑا کس قسم کا ہونا چاہیے۔ اس سلسلہ میں سب سے

پہلے اللہ تعالیٰ کا یہ ارشاد نقل کیا ﴿یَابَنِی آدَمَ قَدْ أَنْزَلْنَا عَلَيْكُمْ لِبَاساً يُوَارِي سَوْآتِكُمْ وَرِيشاً وَلِبَاسُ التَّقْوَى ذَلِكَ خَيْرٌ﴾ اے انسانو! ہم نے تمہارے اوپر لباس اتارا جو تمہاری شرم کی چیز کو چھپاتا ہے، اور وہ تمہارے لیے زینت ہے، اور تقویٰ کا لباس بڑا اچھا اور بہتر ہے۔ ''سَوْآت''، ''سَوْءَةٌ'' کی جمع ہے، ایسی چیز جس کو ظاہر کرنے سے آدمی شرم محسوس کرتا ہے اور جس کو چھپانا آدمی کی طبیعت کا تقاضہ ہے۔

پہلا مقصد

علماء لکھتے ہیں کہ اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے دو بنیادی چیزیں بتلائی ہیں، ایک تو یہ کہ ہم نے تمہارے لیے لباس اتارا جو تمہاری پوشیدہ چیز کو چھپاتا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے انسانوں میں مردوں اور عورتوں میں جسم کے کچھ حصے کے متعلق یہ حکم دیا کہ اس کو چھپایا جائے، جس کو عربی زبان میں ''عَوْرَةٌ'' کہتے ہیں، اور اردو، فارسی میں اس کو ''ستر'' کہتے ہیں۔ ''ستر'' کا ترجمہ ہوتا ہے چھپانا یعنی یہ چھپانے کی چیز ہے۔ اور ''عَوْرَةٌ'' جو عربی لفظ ہے اس کا ترجمہ بھی چھپانا ہی ہوتا ہے۔ اسی لیے حدیثِ پاک میں آتا ہے: ''اَلْمَرْأَةُ عَوْرَةٌ'' (سنن ترمذی: باب المرأة عورة) عورت چھپانے کی چیز ہے۔ اور اردو میں عورت کو عورت اسی لیے کہتے ہیں کہ یہ چھپانے کی چیز ہے۔

مرد اور عورت کا ستر

خیر! مردوں کے لیے ناف سے لے کر گھٹنے کے نیچے تک کا حصہ چھپانا ضروری ہے، اس کو آدمی ظاہر نہیں کرسکتا۔ عورت کے چہرہ اور ہاتھ کی ہتھیلیوں کے علاوہ اس کا سارا جسم ستر میں داخل ہے اور اس کو چھپانا ضروری ہے۔ الّا یہ کہ علاج کی ضرورت ہو تو ضرورت کی مقدار جس کے سامنے ظاہر کرنا ضروری ہو؛ ظاہر کیا جاسکتا ہے۔

ستر پوشی میں تین باتوں کی رعایت ضروری

یہاں اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں ﴿قَدۡ اَنۡزَلۡنَا عَلَیۡکُمۡ لِبَاسًا یُّوَارِیۡ سَوۡاٰتِکُمۡ﴾ ہم نے تمہارے اوپر ایسا لباس اتارا جو تمہارے ستر کو چھپاتا ہے۔ تو یہ چھپانے کا جو مسئلہ ہے اس میں تین چیزوں کی رعایت ضروری ہے تب ہی ستر پوشی کا فریضہ ادا ہوگا۔ ویسے بھی آدمی پر ایمان کے بعد سب سے پہلا فریضہ اپنے ستر کو چھپانے کا عائد ہوتا ہے، یہاں تک کہ تنہائی میں بھی اللہ تعالیٰ کے حق کے طور پر آدمی کے لیے ضروری ہے کہ وہ اپنے ستر کو چھپائے رکھے۔ تو ستر چھپانے میں تین باتوں کی رعایت کی جائے گی:-

لباس ناقص نہ ہو

[۱]:- ایک تو یہ کہ لباس چھوٹا نہ ہو، یعنی ایسا نہ ہو جو ستر کے پورے حصہ کو نہ چھپائے۔ جیسے کوئی مرد پائجامہ کی جگہ نیکر اور چڈی پہنتا ہے، تو یہ ایک ایسا لباس ہے جو آدمی کے پورے ستر کو نہیں چھپاتا، بلکہ اس میں ستر کا کچھ حصہ کھلا رہتا ہے، ایسا لباس پہننا جائز نہیں ہے۔ یا عورتیں ایسا لباس استعمال کریں کہ بدن کا کچھ حصہ کھلا رہتا ہو، مثلاً بعض عورتیں سر کھلا رکھتی ہیں، حالاں کہ سر کے بال بھی ستر میں داخل ہیں، اسی لیے اگر نماز کی حالت میں کھل گئے تو نماز درست نہیں ہوگی۔ اسی طرح بعض عورتیں اونچی آستین کا لباس پہنتی ہیں۔ مردوں کی آستین اگر پوری گٹوں تک نہ ہوں، بلکہ کچھ اوپر بھی ہو تو کوئی حرج کی بات نہیں ہے (ویسے نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے کرتہ شریف کی آستین گٹوں تک ہوا کرتی تھی جیسا کہ آگے آئے گا۔) تو اگر مرد کی آستین اونچی ہے تب بھی کوئی حرج کی بات نہیں ہے اس لیے کہ اس کا ستر تو چھپا ہوا ہے، لیکن عورتوں کے لیے یہ جائز نہیں ہے، اس لیے کہ ایسے لباس میں بدن کا کچھ حصہ کھلا رہ جائے گا۔ یا جیسے کہ

بعض عورتیں آدھی آستین کا کرتہ پہنتی ہیں، اور بعض تو ایسا کرتہ پہنتی ہیں کہ بالکل آستین ہی نہیں ہوتی، پورا بازو، ہاتھ اور کہنی وغیرہ ساری چیزیں نظر آتی ہیں، یہ جائز نہیں ہے۔ تو لباس میں پہلی بات تو یہ ہے وہ ناقص یعنی ادھورا نہ ہو، بلکہ ایسا ہو جو پورے ستر کو ڈھانپ لیتا ہو۔

باریک نہ ہو

۲:- دوسرے وہ اتنا موٹا ہو کہ اس سے جسم کے اندر کا حصہ جھلکتا نہ ہو، یعنی اتنا باریک لباس نہ ہو کہ جسم کے اندر کا ستر والا حصہ نظر آتا ہو۔ اس صورت میں لباس ہونے کے باوجود چوں کہ لباس کا مقصد (ستر پوشی) پورا نہیں ہوتا، اس لیے ایسا لباس پہننا بھی شرعاً جائز نہیں ہے۔ اب جو عورتیں باریک لباس پہنتی ہیں جیسے باریک ڈوپٹہ، یا باریک کرتہ جس کی وجہ سے بال، بازو وغیرہ نظر آتے ہیں؛ تو یہ جائز نہیں ہے۔

چست نہ ہو

۳:- تیسری بات لباس میں یہ بھی ہونی چاہیے کہ وہ چست نہ ہو، بلکہ اتنا ڈھیلا ہو کہ جسم کی ساخت، بناوٹ اور بدن کا فگر (Figure) نظر نہ آتا ہو۔ اس لیے کہ ستر میں دو چیزیں ہیں، ایک تو کھال کی رنگت ہے کہ گوری ہے، یا کالی ہے۔ اور دوسرا اس کا سائز ہے؛ یہ دونوں چیزیں چھپانا ضروری ہے۔ اب اگر کسی نے باریک لباس پہنا ہے تو اس صورت میں اندر کی کھال بھی نظر آئے گی، تب تو دونوں باتیں حاصل نہیں ہوئیں۔ اگر لباس موٹا تو ہے لیکن اتنا چست ہے کہ اس کی وجہ سے اس عضو کی بناوٹ، سائز اور ابھار پورے طور پر نظر آتا ہے، جیسا کہ ایسی پتلون پہنی ہے کہ کولہے برابر نظر آتے ہیں، شرمگاہ پورے پوری نظر آتی ہے؛ تو ایسا لباس بھی جائز نہیں ہے،

کیوں کہ اس کی وجہ سے چاہے رنگت نظر نہیں آتی ،لیکن سائز تو نظر آ تا ہے،اور شریعت نے اس عضو کو چھپانے کا جو حکم دیا اس میں دونوں چیزوں کا لحاظ کیا گیا ہے کہ سائز اور ساخت بھی سامنے والے کو نظر نہ آنی چاہیے،اور رنگت بھی نظر نہ آنی چاہیے۔اس لیے اگر لباس چست ہے تو اس صورت میں بھی اس کا ایک مقصد حاصل نہیں ہوتا تو ایسا لباس بھی جائز نہیں۔تو مردوں کے لیے بھی ایسی پتلون پہننا کہ موٹی تو ہو لیکن بالکل چست ہو؛ جائز نہیں ہے۔یا عورتوں کے لیے پورے جسم میں کوئی بھی ایسا لباس استعمال کرنا جس سے جسم کی ساخت نظر آتی ہو؛ جائز نہیں ہے۔

خلاصہ یہ کہ اگر یہ تین شرطیں پائی جائیں گی تب ہی ستر والا مقصد حاصل ہوگا، اگر ان تین میں سے کوئی ایک بات بھی نہیں ہے تو ایسا لباس پہننا جائز نہیں ہوگا۔

لباس والی ننگی عورتیں

نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ایسی عورتوں کے اوپر لعنت فرمائی جو لباس پہنی ہوئی ہونے کے باوجود ننگی ہیں۔علماء نے لکھا ہے کہ ننگی کا مطلب یہ ہے کہ یا تو ان کا لباس ایسا ہے جو پورے ستر کو ڈھانپتا نہیں ہے، جیسے بازو اور ہاتھ کھلے رہتے ہیں اور اسکرٹ (Scurt) ہوتا ہے تو پنڈلیاں کھلی ہوتی ہیں، تو ایسا لباس پہننے والیاں عاریات یعنی ننگی کے اندر داخل ہیں۔ظاہر کے اعتبار سے اگر چہ اپنے جسم پر لباس ڈالے ہوئے ہیں لیکن حقیقت میں وہ ننگی ہیں کہ ان کا ستر کھلا ہوا ہے۔یا مرد اگر نیکر اور چڈی پہنے ہوئے ہیں تو اس میں گھٹنے اور ران کا کچھ حصہ کھلا رہتا ہے؛ تو یہ بھی جائز نہیں ہے۔

اور دوسری شکل یہ ہے کہ لباس پورے جسم پر پڑا ہوا تو ہے لیکن اتنا باریک ہے کہ اندر سے جسم جھلکتا ہے، تو اس صورت میں بھی یوں کہا جائے گا کہ کپڑا پہنے ہوئے

ہونے کے باوجود ننگی ہیں۔

اور تیسری شکل یہ ہے کہ وہ پورے جسم کے اوپر ہے، موٹا بھی ہے، لیکن اتنا چست ہے کہ اس کی وجہ سے اعضاء کی ساخت نظر آتی ہے، تو وہ بھی اس وعید میں داخل ہوگا۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ان عورتوں کے متعلق وعید ارشاد فرمائی ہے کہ جو لباس پہنے ہوئے ہونے کے باوجود بھی ننگی ہوتی ہیں (۱) مسلم شریف کی روایت ہے: ''كَاسِيَاتٌ عَارِيَاتٌ مُمِيلاَتٌ مَائِلاَتٌ رُءُوسُهُنَّ كَأَسْنِمَةِ الْبُخْتِ الْمَائِلَةِ'' وہ (اپنی زیب وزینت، اپنے بناؤ سنگھار، اپنی چال ڈھال کی وجہ سے) دوسروں کو اپنی طرف مائل کرنے اور کھینچنے والی ہیں (یعنی ایسا انداز اختیار کرتی ہیں کہ دوسرے لوگ ان کی طرف متوجہ ہوں) اور وہ خود بھی اپنے ناز وانداز سے دوسروں کی طرف مائل ہونے والی ہیں۔ اور ان کے سر بُختی اونٹ کے کوہان کی طرح ہوتے ہیں۔

پہلے دور کے شرّاح کے زمانہ میں یہ فیشن رائج نہیں ہوا تھا، اس لیے وہ تو بے چارے اس جملہ کی تشریح کرتے ہی رہ گئے کہ اس کا کیا مطلب ہے؟ لیکن ایسا معلوم ہوتا ہے کہ ہمارے زمانہ کی عورتوں کو دیکھ کر نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے یہ ارشاد فرمایا ہے۔ اور آپ کا ارشاد ایسا عجیب وغریب ہے کہ اِس زمانہ کی عورتیں جس نے نہ دیکھی ہوں وہ تو اس کا تصور بھی نہیں کرسکتا کہ ان کے سر بُختی اونٹ کے کوہان کی طرح کیسے ہوں گے۔ سروں کے اوپر بالوں کو ایسا بنایا جاتا ہے جیسے بُختی اونٹ کی کوہان ہو۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے

---

(۱) عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللهِ -ﷺ-: صِنْفَانِ مِنْ أَهْلِ النَّارِ لَمْ أَرَهُمَا قَوْمٌ مَعَهُمْ سِيَاطٌ كَأَذْنَابِ الْبَقَرِ يَضْرِبُونَ بِهَا النَّاسَ وَنِسَاءٌ كَاسِيَاتٌ عَارِيَاتٌ مُمِيلاَتٌ مَائِلاَتٌ رُءُوسُهُنَّ كَأَسْنِمَةِ الْبُخْتِ الْمَائِلَةِ لاَ يَدْخُلْنَ الْجَنَّةَ وَلاَ يَجِدْنَ رِيحَهَا وَإِنَّ رِيحَهَا لَيُوجَدُ مِنْ مَسِيرَةِ كَذَا وَكَذَا۔ (صحيح مسلم: باب النِّسَاءِ الْكَاسِيَاتِ الْعَارِيَاتِ الْمَائِلاَتِ الْمُمِيلاَتِ.)

اس پر بڑی وعید فرمائی ہے۔اور یہ ساری فتنے کی چیزیں ہیں،اس لیے فتنوں کے دروازوں کو بند کرنے کی ضرورت ہے۔

ان دروازوں کو بند کرو؛ ورنہ......

آج کل لباس کے معاملہ میں خاص کر عورتوں پر ان کے گھر کے مردوں کو جیسی نگرانی رکھنی چاہیے اور جو تنبیہ کرنی چاہیے اس باب میں بڑی غفلت ہو رہی ہے۔ ہمارے یہاں شادی بیاہ کے موقع پر عورتیں جس قسم کا لباس پہن کر باہر آتی ہیں، بہت سوں کے سر کھلے ہوئے ہوتے ہیں،لباس بھی باریک ہوتا ہے جس کی وجہ سے اندر کا جسم جھلکتا ہے، یا ایسی ساڑیاں پہنے ہوئے ہوتی ہیں جس کی وجہ سے پیٹ، پیٹھ اور دوسری چیزیں نظر آتی ہیں۔ایسے ناتمام لباس پہننا حرام ہے اور اس پر بڑا سخت گناہ ہے اور اس سے بچانے کی ضرورت ہے۔ان فتنوں کو اگر روکا نہیں گیا اور ان دروازوں کو اگر بند نہیں کیا گیا،تو پھر ہمارے لیے دوسرے مسائل کا دروازہ کھل جائے گا﴿وَمَا أَصَابَكُم مِّن مُّصِيبَةٍ فَبِمَا كَسَبَتْ أَيْدِيكُمْ وَيَعْفُو عَن كَثِيرٍ (الشوریٰ ۳۰)﴾ جو بھی مصیبتیں تم پر آتی ہیں وہ سب تمہارے کرتوتوں کی وجہ سے آتی ہیں اور اللہ تعالیٰ بہت سے گناہوں کو تو معاف کر دیتا ہے۔آج کل عام طور پر جانی اور مالی اعتبار سے جو بے چینی اور بدامنی ہوا کرتی ہے،ان کے اور اسباب میں سے ایک سبب یہ بھی ہے کہ لباس کے معاملہ میں عورتوں کی طرف سے جو بے احتیاطیاں ہونے لگیں، ان کے اوپر قدغن لگائی نہیں جاتی، اس پر جو روک تھام ہونی چاہیے وہ نہیں ہوئی۔

فیشن کیا ہے؟

عجیب ہے اِس زمانہ کا فیشن کہ عورتوں کو ننگا کیا جا رہا ہے اور مردوں کا لباس

ساتر ہوتا ہے۔ ابھی امریکہ جانا ہوا، تو وہاں میں یہی کہتا تھا کہ دیکھو! شریعت نے مردوں کا ستر تو ناف سے گھٹنے تک مختصر رکھا، اس کے باوجود آپ جہاں بھی دیکھیں گے مرد جو لباس پہنتے ہیں وہ پورے جسم کو چھپانے والا ہوتا ہے، اور عورتیں جو لباس پہنتی ہیں اس میں جسم کا اکثر حصہ نظر آتا ہے۔ یہ سوائے اس کے کچھ نہیں کہ شیطان نے ان کو دھوکہ میں ڈال رکھا ہے، یہ خواہشات کی پیروی ہے، اور لوگوں کی اندرونی ہوس کو بھڑکانے کا کام ہے۔

فیشن کیا ہے؟ فیشن دراصل لوگوں کو شیطانی چکر میں ڈالنے کا ایک طریقہ ہے کہ آدمی صحیح لباس کے بجائے اس لباس کو اختیار کرتا ہے۔ اس لیے شریعت کی طرف سے لباس کے معاملہ میں یہ ہدایت ہے کہ وہ ستر کو چھپانے والا ہو۔ اور چھپانے والا اسی وقت ہوگا جب کہ اس میں یہ تین باتیں ہوں گی۔

دوسرا مقصد

﴿وَرِيْشًا﴾ اور یہ لباس جو اللہ تعالیٰ کی طرف سے اتارا گیا ہے تمہارے لیے زینت کا بھی سبب ہے۔ اس سے یہ بھی معلوم ہوا کہ لباس سے زینت کا کام بھی لیا جاتا ہے۔ اسی لیے آرائش اور آسائش کی اجازت ہے۔ آسائش یعنی لباس کے اندر کوئی ایسی شکل اختیار کرنا کہ راحت حاصل ہو جائے، مثلاً اللہ تعالیٰ نے حیثیت دی ہے اس لیے پندرہ روپیہ فی میٹر کے بدلہ پچیس روپیہ فی میٹر والا کپڑا خریدتا ہے تا کہ جسم کو راحت ہو؛ تو اس میں کوئی حرج کی بات نہیں ہے۔ اسی طریقہ سے آرائش یعنی شریعت کی حدود میں رہتے ہوئے بقدرِ ضرورت زینت اختیار کرنے کی بھی اجازت ہے، اس لیے کہ اللہ تعالیٰ نے لباس کو زینت کا سبب بنایا ہے۔ البتہ زینت کے باب میں بھی کچھ

حدود ہیں۔ مردوں کے لیے ایسی زینت اختیار کرنا جو عورتوں کے خاص امتیازات میں سے ہو، اور عورتوں کے لیے ایسی زینت اختیار کرنا جو مردوں کے مشابہ بنانے والی ہو؛ اس کی اجازت نہیں۔

زنانے مرد اور مردانی عورتیں

اسی لیے حدیثِ پاک میں آتا ہے کہ ایسے مردوں کے اوپر لعنت کی گئی جو عورتوں کی مشابہت کرنے والے ہوں، اور ایسی عورتوں کے اوپر لعنت کی گئی جو مردوں کی مشابہت اختیار کرنے والی ہیں۔ عن ابن عباس رضی اللہ عنہما قَالَ: لَعَنَ رَسُولُ اللّٰهِ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم الْمُتَشَبِّهِينَ مِنَ الرِّجَالِ بِالنِّسَاءِ وَالْمُتَشَبِّهَاتِ مِنَ النِّسَاءِ بِالرِّجَالِ (بخاری، کتاب اللباس ۵۸۸۵) میں اس کا ترجمہ کیا کرتا ہوں: "زنانے مرد اور مردانی عورتوں پر نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے لعنت فرمائی ہے" یعنی وہ مرد جو مرد ہونے کے باوجود زنانے بنتے ہیں اور ان کی مشابہت اختیار کرتے ہیں، اور وہ عورتیں جو عورت ہونے کے باوجود مردوں کی مشابہت اختیار کرتی ہیں۔ یہ طریقہ شریعت کی نگاہوں میں پسندیدہ نہیں ہے۔

دو باتوں کا خیال رہے

دوسری چیز یہ ہے کہ وہ لباس تکبر میں ڈالنے والا نہ ہو۔ ایسا لباس جو آدمی کو فخر اور غرور میں ڈالنے والا ہو، اور اس سے بڑائی اور تکبر مقصود ہو کہ لوگ مجھے دیکھیں اور بڑا سمجھیں، اس کی بھی شریعت اجازت نہیں دیتی۔ امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے بخاری شریف میں کتاب اللباس میں حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما کا یہ جملہ نقل کیا ہے: كُلْ مَا شِئْتَ وَالْبَسْ مَاشِئْتَ، مَا أَخْطَأَتْكَ اثْنَتَانِ: سَرَفٌ، وَمَخِيلَةٌ." جو چاہو کھاؤ، اور جو چاہو پہنو بس دو باتوں کا خیال رکھنا، ایک تو اسراف یعنی فضول خرچی، اور دوسرا

غرور وتکبر؛ ان دونوں سے اپنے آپ کو بچانا۔ اپنی حیثیت سے زیادہ کا لباس خرید کر پہننا فضول خرچی ہے، اپنی حیثیت کا خیال ضروری ہے، ایک آدمی کو اللہ تعالیٰ نے مال و دولت دی ہے، اور اس کے مناسب وہ لباس اختیار کرتا ہے، تو اس کو پسندیدہ قرار دیا ہے۔ بلکہ ایسا آدمی اگر گھٹیا لباس پہنے تو اس کو شریعت پسند نہیں کرتی۔

پھر فقیروں کا سا بھیس کیوں؟

ایک مرتبہ نبیٔ کریم ﷺ نے ایک صحابی کو دیکھا کہ وہ پھٹا پرانا لباس پہنے ہوئے ہیں تو حضور اکرم ﷺ نے ان سے پوچھا کہ تمہارے پاس مال ہے؟ انہوں نے کہا: ہاں ہے۔ پوچھا: کونسا مال ہے؟ کہا: اونٹ، بکریاں، گھوڑے، غلام سب ہیں۔ تو حضور اکرم ﷺ نے فرمایا: اللہ تعالیٰ کی اس نعمت کا اثر تمہارے جسم پر نظر آنا چاہیے۔

(سنن ترمذی، باب ما جاء فی الاحسان والعفو، حدیث نمبر: ۲۱۴۳/ المعجم الکبیر للطبرانی: ۱۵۹۵۴)

جب اللہ تعالیٰ نے تمہیں مال دیا ہے تو فقیروں کا سا بھیس بنا کر کیوں پھرتے ہو؟ اس سے یہ بھی معلوم ہوا کہ اپنی مالی حیثیت کے مطابق، اس کے مناسب قیمت کا لباس آدمی کو پہننا چاہیے، تاکہ اللہ تعالیٰ کی نعمت کا اثر جسم پر ظاہر ہو۔ ہاں! اگر اپنی حیثیت سے زیادہ کا لباس پہنے گا تو وہ فضول خرچی میں شمار ہوگا، اس کی شریعت اجازت نہیں دیتی۔ یعنی حیثیت تو ہے پندرہ روپے فی میٹر والا کپڑا خریدنے کی، اور استعمال کر رہا ہے پچاس روپے فی میٹر والا؛ تو یہ جائز نہیں ہے۔ ہاں! پچاس روپے فی میٹر والی حیثیت ہے تو پچاس روپے والا بھی پہن سکتا ہے، اس کی اجازت ہے، بلکہ پہننا چاہیے، تاکہ لوگ اس کے متعلق کسی غلط فہمی میں مبتلا نہ ہوں، بہ شرطیکہ آدمی اس لباس کی وجہ سے تکبر میں نہ پڑے۔

صحابہ اور ہمارے قلب کا حال

روایتوں میں آتا ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ تعالٰی عنہ ایک مرتبہ شاندار جبہ پہن کر خطبہ دینے کے لیے کھڑے ہوئے، جب نماز سے فارغ ہوکر گھر آئے تو وہ جبہ اتار دیا اور قسم کھائی کہ آئندہ اس کو نہیں پہنوں گا۔ پوچھا گیا: کیوں؟ یہ پہننا جائز تو ہے؟ تو اس کی وجہ بتلائی کہ یہ قیمتی جبہ تھا، اس کو پہن کر میرے دل میں ذرا سا غرور پیدا ہوا، مجھے ایسا محسوس ہوا کہ میں اپنے آپ کو بڑا سمجھا رہا ہوں، اس جبہ کی وجہ سے میرے دل میں بڑائی آئی، اس لیے آئندہ اس لباس کو استعمال نہیں کروں گا۔ حضرت عمر رضی اللہ تعالٰی عنہ صاف وشفاف قلب والے تھے اس لیے فوری طور پر انہوں نے اس کا اثر محسوس کرلیا۔ جیسے کوئی کپڑا بالکل سفید برّاق اور صاف وشفاف ہو، تو اس پر معمولی سا داغ بھی فوراً محسوس کرلیا جاتا ہے۔ ان حضرات کا حال ایسا ہی تھا۔ ہمارے قلوب کا حال تو ایسا ہے جیسے کسی کپڑے پر بے شمار داغ لگے ہوئے ہوں اور اس پر اگر ایک آدھ داغ اور لگ جائے تو اس کا پتہ نہیں چلتا۔ غرور اور کبر کے متعلق فیصلہ آدمی اپنے ہاتھ میں نہ رکھے، بلکہ کسی کو اپنے اوپر سرپرست بنائے، اور اپنا حال اس کے سامنے پیش کر کے اس سلسلہ میں اس سے مشورہ لے کہ یہ غرور اور کبر میں داخل ہے یا نہیں۔ بہت سی مرتبہ ایک آدمی غرور وتکبر میں مبتلا ہوتا ہے اور اپنے متعلق یوں سمجھتا ہے کہ میں تکبر میں مبتلا نہیں ہوں، لیکن اگر کسی ماہر کے سامنے اس کا حال رکھا جائے تو وہ فیصلہ کرتا ہے کہ یہ تو تکبر ہے۔

خلاصہ یہ کہ وہ لباس غرور اور تکبر پیدا کرنے والا نہ ہو۔ اور اس لباس میں مرد عورتوں کی مشابہت اختیار نہ کرے، اور عورت مردوں کی مشابہت اختیار نہ کرے۔

تشبہ اور مشابہت کا فرق

ایک چیز ہے تشبّہ یعنی غیروں کی مشابہت اختیار کرنا، اس سے بھی بچنے کی ضرورت ہے۔ اور ایک ہے مشابہت۔ ایک ہے بالارادہ کسی جیسا بننا؛ یہ تشبہ ہے، اور ایک یہ ہے کہ اس نے کسی کے جیسا بننے کا ارادہ تو نہیں کیا تھا لیکن اس جیسا نظر آرہا ہے؛ یہ مشابہت ہے۔ ان دونوں میں فرق ہے۔ تشبہ کے بارے میں ابوداود شریف میں روایت ہے: مَنۡ تَشَبَّہَ بِقَوۡمٍ فَھُوَ مِنۡھُمۡ (سنن ابی داود: بَابٌ فِي لُبۡسِ الشُّهۡرَةِ) جو آدمی کسی قوم کے ساتھ تشبہ اختیار کرتا ہے وہ ان میں سے ہے۔ اسی لیے ایسا لباس اختیار کرنا جو غیروں کا شعار اور امتیاز سمجھا جاتا ہو، ان کی مخصوص چیز سمجھی جاتی ہو، شریعت اس کی اجازت نہیں دیتی۔

تشبہ کے درجات

ویسے تشبہ کے کئی درجے ہیں۔ ایک ہے عقائد اور عبادات میں غیروں کے ساتھ مشابہت اختیار کرنا، ان جیسا عقیدہ رکھنا، یا جیسے وہ بتوں کے سامنے سجدہ کرتے ہیں یہ بھی غیر اللہ کے سامنے سجدہ کرنے لگے، وہ جس چیز کی پوجا کرتے ہیں، یہ بھی پوجا کرنے لگے؛ یہ تو کفر ہے۔

اور اگر ان کا شعار اختیار کرتا ہے؛ تو حرام ہے، مثلاً مجوسیوں کی مخصوص ٹوپی پہن لی۔ یا ہندو اور مشرک لوگ زُنّار اور جنوئی (જનોઈ) باندھتے ہیں، اس نے بھی اپنے جسم پر جنوئی (જનોઈ) لٹکالی۔ یا وہ اپنے قومی لباس کے طور پر دھوتی پہنتے ہیں، تو مسلمان کے لیے دھوتی پہننا حرام ہے۔ (دھوتی کا تعلق مذہبی لباس سے نہیں ہے، قومی لباس سے ہے۔)

قومی اور مذہبی شعار میں فرق

دیکھو! دو چیزیں ہوتی ہیں، ایک مذہبی شعار ہوتا ہے اور ایک قومی شعار ہوتا ہے، زُنّار اور جنوئی مذہبی شعار ہے، دھوتی مذہبی شعار نہیں، بلکہ قومی شعار ہے، یعنی یہ عام طور پر غیر قوم کا لباس سمجھا گیا ہے۔ مذہبی شعار بھی حرام ہے اور قومی شعار بھی حرام ہے، لیکن مذہبی شعار میں حرمت زیادہ ہے۔ لہٰذا قومی شعار میں کافروں، فاسقوں اور فاجروں کی مشابہت اختیار کرنا حرام ہے جیسے عام طور پر آج کل نوجوان فلموں میں کام کرنے والے ایکٹروں جیسا لباس بناتے ہیں، انہی جیسے بالوں کی تراش وخراش بنواتے ہیں، جوتے بھی انہی کی طرح کے پہنتے ہیں، چہرہ مہرہ بھی ویسا ہی بنواتے ہیں، اور نیت یہی ہوتی ہے کہ ہم بھی ویسے ہی نظر آویں۔ یا لڑکیاں فلموں میں کام کرنے والی ایکٹریس (Actress) کی طرح لباس پہنیں اور یوں چاہیں کہ ہم بھی ویسی ہی نظر آویں؛ تو یہ تشبہ ہوا یعنی پہنتے وقت ہی خود کو اس جیسا بنانے کا ارادہ ہے، اس پر یہ وعید آئی ہے ''مَنْ تَشَبَّهَ بِقَوْمٍ فَهُوَ مِنْهُمْ'' جو آدمی کسی قوم کے ساتھ مشابہت اختیار کرے وہ ان میں سے ہے۔

عام عادات میں تشبہ

خلاصہ یہ ہوا کہ عقائد وعبادات میں تشبہ سے تو آدمی کافر ہو جاتا ہے۔ اور اگر قومی یا مذہبی شعار میں تشبہ اختیار کیا ہے، تو یہ حرام ہے۔ اور حرمت کی شدت ایک میں زیادہ ہے اور ایک میں کم ہے۔ اور عام عادات میں اگر آدمی انہی جیسا بننے کی نیت سے مشابہت اختیار کرتا ہے، تو یہ بھی تشبہ ہے؛ اور یہ مکروہِ تحریمی ہے، یعنی یہ بھی حرام کے قریب گناہ ہے۔ اور اگر ان جیسا بننے کی نیت اور ارادہ نہیں ہے، لیکن ان کے جیسا

لباس پہن لیا، تو یہ مکروہ اور ناپسندیدہ ہے، لیکن تحریمی نہیں۔ یہ تشبہ نہیں، بلکہ مشابہت کہلاتی ہے۔

تو میں یہ عرض کررہا تھا کہ تشبہ سے شریعت نے منع کیا ہے اور نبیٔ کریم ﷺ نے خاص طور پر اس سے بچنے کی تاکید فرمائی۔ علامہ ابن تیمیہ رحمۃ اللہ علیہ کی مستقل ایک کتاب ہے: "اقتضاء الصراط المستقیم ومخالفۃ اصحاب الجحیم" جس میں غیروں کے ساتھ مشابہت کے سلسلہ میں جو باتیں ہیں وہ بڑی تفصیل سے بتلائی ہیں۔ اور اردو میں حضرت حکیم الاسلام قاری محمد طیب صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی ایک کتاب دوحصوں میں "التشبّہ فی الاسلام" ہے۔ اہلِ علم کے لیے بڑی مفید ہے، اس میں تفصیل سے اس مسئلہ کا جائزہ لیا ہے۔

لا! میں تجھے رنگ دوں

تشبہ بڑی خطرناک چیز ہے، یہی آدمی کو کفر تک لے جانے والی ہے، اس لیے کہ حضور اکرم ﷺ نے جو فرمایا ہے کہ جس نے کسی قوم کی مشابہت اختیار کی وہ ان میں سے ہے، گویا اسی میں اس کا شمار کیا جائے گا۔

چناں چہ حضرت شیخ نوراللہ مرقدہٗ نے آپ بیتی میں ایک واقعہ لکھا ہے کہ ایک بزرگ صفت نیک آدمی تھے، ایک مرتبہ ہولی کے دن جارہے تھے، پان کھایا ہوا تھا، ایک مریل قسم کے گدھے کو دیکھا تو مزاحیہ یہ کہتے ہوئے پان کی پیک اس پر ڈالی کہ آج تجھے کسی نے نہیں رنگا، لا! میں تجھے رنگ دوں۔ انتقال کے بعد کسی نے ان کو خواب میں دیکھا کہ بہت اچھی حالت میں ہیں، لیکن ان کے ہونٹوں کے اوپر ایک چھوٹا سا سانپ رینگ رہا ہے۔ دیکھنے والے نے پوچھا: ہونٹ کے اوپر یہ سانپ کیسا؟ تو

انہوں نے کہا کہ ایسا ایسا ہوا تھا اور میں نے یہ جملہ کہتے ہوئے اس گدھے پر پان کی پیک ڈالی تھی، اس کی وجہ سے مجھے یہ عذاب دیا جا رہا ہے۔

باوجود توجہ کے وہ ظلمت دور نہیں ہوئی

حضرت شیخ رحمۃ اللہ علیہ نے آپ بیتی ہی میں ایک اور قصہ لکھا ہے، حضرت مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ نے ایک آدمی کے متعلق فرمایا کہ اس کا اٹھنا بیٹھنا کافروں کے ساتھ تھا، اور اس کے دل میں ان کی محبت تھی تو انتقال کے وقت اس کی زبان کے اوپر کلمہ نہیں آ رہا تھا۔ حضرت مجدد صاحب رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ میں نے بڑی توجہ اور کوشش کی کہ اس کے دل پر جو اندھیرا ہے وہ دور ہو، لیکن باوجود توجہ اور کوشش کے وہ ظلمت دور نہیں ہوئی، اور بغیر کلمہ کے وہ آدمی دنیا سے گیا۔

ایک عبرت ناک واقعہ

حضرت گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ کی سوانح تذکرۃ الرشید میں حضرت کے ملفوظات میں لکھا ہے کہ ایک مولوی صاحب تھے، انتقال کے بعد ان کو دفن کیا گیا، پھر کسی وجہ سے ان کی قبر کھولنے کی ضرورت پیش آئی۔ جب قبر کھودی گئی، تو اس میں وہ نہیں تھے بلکہ ایک لیڈی یعنی انگریز عورت تھی۔ لوگوں کو تعجب ہوا کہ یہ کیسی بات ہے۔ تحقیق سے پتہ چلا کہ وہ عورت خفیہ طور پر اسلام لے آئی تھی اور اس کے انتقال پر اس کے مذہب والوں نے تو اس کو عیسائیوں کے قبرستان میں دفن کیا تھا، لیکن یہ مولوی صاحب کبھی کبھار بولا کرتے تھے کہ عیسائیوں میں یہ بہت اچھا ہے کہ ان کے یہاں غسلِ جنابت نہیں ہے۔ اس جملہ کا یہ اثر ہوا کہ ان کی جگہ پر اس لیڈی کی لاش تھی اور جب اس لیڈی کی قبر کو کھولا گیا تو اس کی جگہ پر ان مولوی صاحب کی لاش تھی۔

توتشبہ بڑی خطرناک چیز ہے، اس لیے آدمی کو لباس کے معاملہ میں بھی احتیاط کی ضرورت ہے، اور غیروں کے ساتھ کسی بھی معاملہ میں تشبہ سے بچنے کی نبیٔ کریم ﷺ نے بڑی تاکید فرمائی ہے۔ لہٰذا اگر ارادہ کر کے کوئی آدمی یہ کام کر رہا ہے تو یہ تو بہت خطرناک ہے، اور اگر ارادہ کے بغیر ہے تب بھی پسندیدہ نہیں ہے، اس سے اپنے آپ کو بچانے کی ضرورت ہے۔

کوٹ پتلون کا مسئلہ

اب رہا کوٹ پتلون کا مسئلہ! تو کسی زمانہ میں کوٹ پتلون انگریزوں کا مخصوص لباس سمجھا جاتا تھا، لیکن اب وہ بات نہیں رہی، اس لیے اس کو مکروہِ تحریمی تو نہیں کہیں گے۔ اس پر بعض لوگ یہ کہتے ہیں کہ مولوی لوگ بھی مسئلے بدلتے رہتے ہیں۔ تو ایک بات یاد رہے کہ ایسی بات نہیں ہے، بلکہ مسئلہ کی حقیقت یہ ہے کہ کسی زمانہ میں کوٹ پتلون انگریزوں کا مخصوص قومی لباس، قومی نشان وشعار تھا، مذہبی نہیں۔ تو قومی نشان ہونے کی وجہ سے اس جیسا لباس پہننے کو مکروہِ تحریمی قرار دیا گیا تھا، لیکن پھر اس کی اتنی کثرت ہوئی کہ یہ ان کا قومی نشان وشعار اور قومی لباس نہیں رہا، بلکہ سب لوگ پہننے لگے اور انگریزوں کی خصوصیت نہیں رہی، اس لیے اس کو مکروہ بھی نہیں کہیں گے۔

لیکن ایک بات یاد رہے کہ شرط یہ ہے کہ وہ پتلون تنگ نہ ہو، اگر اتنی تنگ ہے کہ اعضاء کی ساخت نظر آتی ہے، تو وہ ممنوع ہوگی جیسا کہ میں نے شروع میں اصول بتلا دیا۔ دوسرا یہ کہ وہ پتلون ٹخنوں سے اونچی ہو، اگر ٹخنوں سے نیچی ہے، تو ناجائز ہے۔ کیوں کہ مردوں کے لباس کے لئے شریعت نے ایک اصول یہ بھی بتلایا ہے کہ وہ ٹخنوں سے اونچا ہونا چاہیے۔ یہ اصول عورتوں کے واسطے نہیں ہے، مردوں کے لئے ضروری

ہے کہ ان کا لباس ٹخنوں کو ڈھانپنے والا نہ ہو، اگر ٹخنوں کے نیچے لٹکتا ہے تو اس پر ممانعت آئی ہے۔ لہٰذا اگر پتلون میں یہ دو باتیں نہیں ہیں، تو اس کو مکروہ بھی نہیں کہیں گے، اور اس کو پہننے کی اجازت ہے، اگر چہ اس کو پسندیدہ نہیں سمجھا گیا ہے، اس لیے کہ صلحاء اور نیک لوگوں کا لباس نہیں ہے، اور ہر زمانہ میں نیک لوگ جو لباس پہنا کرتے ہیں اس کو اختیار کرنا پسند کیا گیا ہے۔

لباس کے اصول

بہر حال! لباس کے سلسلہ میں چند اصول میں نے بتلائے:-

۱:- ساتر ہو۔ یعنی ستر کو چھپانے والا ہونا چاہیے، اور ساتر اسی وقت ہوگا جب اس میں وہ تین باتیں پائی جائیں جو اوپر تفصیل سے بیان ہوئیں۔

۲:- اس لباس کو پہن کر آدمی فخر ومباہات، غرور اور دکھلاوے میں مبتلا نہ ہو۔ اگر دکھلاوے کے لئے پہنا ہے، یا اس سے تکبر پیدا ہوتا ہے؛ تو یہ ناجائز اور ممنوع ہے، اور اس کو گناہ قرار دیا گیا ہے۔

یا اسراف اور فضول خرچی ہوتی ہے، اپنی حیثیت سے زیادہ کا پہنتا ہے تب بھی اس کی اجازت نہیں، گناہ ہے۔

۳:- تیسرا یہ کہ مرد کے لیے ایسا لباس پہننا جس میں عورت کی مشابہت رنگ اور تراش خراش (کٹنگ) کے اعتبار سے لازم آتی ہو؛ تو اس کی اجازت نہیں ہوگی۔

ریشم اور آرٹ سلک کا حکم

ریشمی لباس مرد کے لئے جائز نہیں، البتہ عورتوں کے لئے اجازت ہے۔ آج کل جو بناوٹی ریشم ہوتا ہے، جس کو آرٹ سلک کہا جاتا ہے، اس کی تو مرد کے لئے بھی

اجازت ہے حقیقی ریشم مرد کے لئے ممنوع ہے، بناوٹی ریشم حقیقی ریشم کے حکم میں نہیں ہے، پھر بھی وہ صلحاء کے لئے پسندیدہ نہیں ہے، اس لئے آدمی کو اپنے مناسبِ حال لباس اختیار کرنا چاہیے۔

سرخ رنگ کا لباس مردوں کے واسطے مکروہ قرار دیا گیا ہے۔ ویسے نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا حال آگے روایت میں آئے گا کہ آپ نے سرخ جوڑا پہنا تھا۔ تو اس کے متعلق علماء نے لکھا ہے کہ وہ خالص سرخ رنگ نہیں تھا، خالص سرخ رنگ ہو تو وہ مکروہ ہے، اگر سرخ رنگ میں دوسرے رنگ کی ملاوٹ ہے، جیسے سرخ رنگ کی دھاری کی اجازت ہے۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے بھی جو لباس پہنا تھا وہ سرخ دھاری والا تھا۔ البتہ خالص سرخ ہو تو اس کو احناف کے یہاں مکروہ قرار دیا گیا ہے۔

اور اس میں غیروں کی مشابہت لازم آتی ہو تو اس کی بھی اجازت نہیں ہے۔

کیا اونچا پائجامہ عیب ہے؟

بعض لوگ سمجھتے ہیں کہ اونچا پائجامہ اچھا نہیں لگتا۔ حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا صلحِ حدیبیہ کے موقعہ کا قصہ پہلے بھی کہیں گزر چکا ہے کہ نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم عمرہ کے ارادہ سے صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم کو لے کر جب نکلے تو مشرکینِ مکہ نے یہ طے کر لیا کہ ان کو عمرہ کے لئے جانے نہیں دیں گے، پھر صلح کی گفتگو ہوئی، اس موقعہ پر نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنا پیغام لے کر حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو مکہ والوں کے پاس بھیجا تھا کہ ہم لڑنے کے واسطے نہیں آئے ہیں، ہم تو بیت اللہ کی زیارت کے لئے آئے ہیں، ہم کو زیارت کر لینے دو، پھر ہم واپس چلے جائیں گے۔ یہ پیغام پہنچانے کے لئے پہلے تو حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے کہا، تو انہوں نے عرض کیا: اے اللہ کے رسول! آپ جانتے ہیں کہ ان مشرکین کو

میرے ساتھ کیسی دشمنی ہے، اس کے لئے حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ زیادہ مناسب ہیں۔

بہرحال! حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو مکہ بھیجا، جب وہ روانہ ہوئے تو مکہ میں پتہ چل گیا کہ حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ آرہے ہیں، تو ان کے خاندان کے لوگ ان کا استقبال کرنے کے لئے باقاعدہ شہر سے باہر آئے اور اپنے ساتھ لے گئے اور کہا کہ آپ کو کوئی انگلی بھی نہیں لگا سکتا، ہم آپ کی حفاظت کریں گے، آپ جس مقصد کے لئے آئے ہیں وہ پورا کیجئے۔ حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا پیغام جو مشرکین کے نام تھا وہ پہنچایا، اس موقعہ پر حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی لنگی ٹخنوں سے اونچی تھی اور مکہ والے ٹخنوں سے نیچا لباس پہنتے تھے، بلکہ ایسا لباس جو زمین سے گھسٹتا ہو، اور اس سے زمین پر نشان بنتا چلا جائے، اس کو اپنے لئے فخر سمجھتے تھے۔ تو ان کے خاندان کے کسی آدمی نے ان سے یوں کہا کہ آپ اپنا ٹخنہ ڈھانپ لیجئے، اور اپنی لنگی ذرا نیچی کر لیجئے، یہاں کے لوگ اس کو عیب سمجھتے ہیں۔ یہ سن کر حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا: ''هٰكَذَا إِزْرَةُ صَاحِبِنَا'' (مصنف ابن أبي شيبة.غَزْوَةُ الْحُدَيْبِيَةِ.) میرے حبیب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی لنگی اسی طرح اونچی رہتی ہے، میں اپنی لنگی نیچی نہیں کروں گا۔ ہر مسلمان کی سوچ یہی ہونی چاہیے کہ یہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا طریقہ ہے۔

بعض لوگ کہتے ہیں کہ ہمیں سوسائٹی اور معاشرہ کے اندر رہنا ہے، ہم اگر ایسا لباس پہنیں گے تو لوگ طعنہ دیں گے۔ تو بھائی! ان طعنوں کو کب تک دیکھتے رہو گے؟

ہنسے جانے سے جب تک تم ڈرو گے ❁ زمانہ تم پہ ہنستا ہی رہے گا

دوسروں کے طعنوں کی وجہ سے ہم اپنا حال کیوں بدل لیں۔ تو لباس کے سلسلہ میں جو اصولی باتیں تھیں وہ عرض کر دیں، ان کا آدمی کو خیال رکھنا چاہیے۔

لباس اللہ تعالیٰ کی نعمت ہے

ایک اور آیت پیش کی ہے: ﴿وَجَعَلَ لَكُمْ سَرَابِيلَ تَقِيكُمُ الْحَرَّ وَسَرَابِيلَ تَقِيكُمْ بَأْسَكُمْ﴾ (النحل:۸۱) اس آیت میں باری تعالیٰ نے لباس کو اپنے احسان کے طور پر ذکر کیا، کہ اللہ تعالیٰ نے تمہارے لئے قمیص بنائے جو تم کو گرمی سے بچاتے ہیں (چوں کہ وہاں عام طور پر موسم گرم رہتا تھا اس لئے اس کا ذکر کیا، ورنہ لباس جس طرح آدمی کو گرمی اور دھوپ سے بچاتا ہے، اسی طرح سردی سے بھی بچاتا ہے۔) اور ایسے قمیص بھی بنائے جو تم کو آپس کی گرفت اور ایک دوسرے کی تکلیف سے بچاتے ہیں (جنگ کے موقعہ پر آدمی زرہ پہنتا ہے جو لوہے کی بنی ہوئی قمیص ہوا کرتی ہے) تو ان دونوں قمیصوں یعنی کپڑے کی بنی ہوئی اور لوہے کی بنی ہوئی کو اللہ تعالیٰ نے بنایا ہے اور ان لباسوں کو اپنے احسان کے طور پر ذکر کیا۔ معلوم ہوا کہ لباس اللہ تعالیٰ کی ایک نعمت ہے، اور اس سلسلہ میں نبئ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے جو ہدایت دی اس کا ہمیں خیال کرنا چاہیے۔

انگریز کے کہنے سے گھٹنے بھی کھول دیے......

حضرت مولانا احتشام الحق تھانوی رحمۃ اللہ علیہ کا ایک مقولہ یاد آیا، وہ فرمایا کرتے تھے کہ اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے کہنے سے ایک مسلمان اپنے ٹخنے بھی کھولنے کے لئے تیار نہیں، اور انگریز کے کہنے سے گھٹنے بھی کھول دئے، نیکریں پہن لیں۔ انگریز کی اتباع میں لوگوں نے نیکر پہن کر گھٹنے تک کھول دئے اور اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی اتباع میں ٹخنے کھولنے کو تیار نہیں ہوتے۔

کیا میری ذات میں نمونہ موجود نہیں؟

نبئ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ایک صحابی کو دیکھا کہ ان کی لنگی ٹخنے سے نیچی ہے تو ان سے

کہا: اِرْفَعْ إِزَارَكَ ، فَإِنَّهُ أَتْقَى وَأَبْقَى ، اپنی لنگی اونچی کرو کہ یہ زیادہ پاکیزہ طریقہ ہے اور کپڑے کو دیر تک باقی رکھنے والا ہے۔ انہوں نے عرض کیا: اے اللہ کے رسول! معمولی سی دو پیسے کی تو لنگی ہے، اس کے ٹخنے سے نیچی ہونے سے کیا ہوگا؟ تو نبیٔ کریم ﷺ نے فرمایا: کیا میری ذات میں تمہارے لئے نمونہ موجود نہیں ہے؟ وہ صحابی فرماتے ہیں کہ میں نے دیکھا تو نبیٔ کریم ﷺ کی لنگی آدھی پنڈلی تک تھی۔ (شمائل ترمذی/باب ما جاء فی صفۃ إزار رسول اللہ ﷺ) اس لئے آدھی پنڈلی تک ہو تو اچھا اور سنت ہے۔

سنت طریقہ اور اس کی قسمیں

دیکھو! سنت کا مطلب ہے کہ وہ طریقہ جو دین کے اندر پسندیدہ اور رائج ہو، چاہے وہ فرض اور واجب نہ ہو، لیکن نبیٔ کریم ﷺ نے اور آپ کے بعد خلفاء راشدین نے اس کے اوپر مواظبت کی ہو۔ سنت کی دو قسمیں ہیں: سننِ ہدیٰ اور سننِ زوائد۔

سننِ ہدیٰ: وہ طریقے ہیں جو نبی کریم ﷺ نے کر کے بتلائے، تاکہ امت اس کا اتباع کرے۔ جیسے جماعت کے ساتھ نماز پڑھنا، اذان، اقامت، نیز وہ طریقے جن کی آپ ﷺ نے تاکید فرمائی ہے؛ ان کو سننِ مؤکدہ بھی کہتے ہیں۔ جو ان کو چھوڑے گا وہ قابلِ ملامت ہے اور اس کا چھوڑنا برا ہے۔

سننِ زوائد جن کو سننِ عادیہ بھی کہتے ہیں۔ یعنی جو کام نبیٔ کریم ﷺ نے عادت کے طور پر کئے۔ جیسے آپ ﷺ نے عمامہ استعمال فرمایا، مخصوص کرتہ استعمال فرمایا، مخصوص لنگی استعمال فرمائی، یا آپ کی گریبان سینہ کے اوپر تھی۔ کوئی آدمی اگر ان طریقوں کی اتباع حضور ﷺ کی سنت کی پیروی ہی کی نیت سے کرتا ہے تو وہ باعثِ ثواب ہے۔ اگر اتباع کی نیت نہیں ہوگی تو اس صورت میں ثواب نہیں ملے گا۔ یہ چونکہ

سننِ عادیہ کے قبیل سے ہیں، اس لئے اگر کوئی آدمی ان طریقوں کو اختیار نہ بھی کرے تو وہ قابلِ ملامت نہیں۔

مسنون لباس کا اصول

خلاصہ یہ ہوا کہ شریعت کے بتلائے ہوئے اصول کو مدِ نظر رکھتے ہوئے شرعی حدود میں جو لباس پہنا جائے وہ مسنون لباس کہلائے گا۔ حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ سنت لباس وہ ہے جو نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے خود استعمال فرمایا، یا جس کی حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اجازت دی، جو طرز و طریقہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے بتلایا ہے۔

باب کا عنوان

لباس کے سلسلہ میں علامہ نووی رحمۃ اللہ علیہ نے عنوان قائم کیا تھا سفید کپڑے کا مستحب اور پسندیدہ ہونا۔ ویسے تو ہر رنگ کا کپڑا پہن سکتے ہیں اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے بھی مختلف رنگ کے کپڑے بوقتِ ضرورت یا موقع بموقع استعمال فرمائے ہیں، لیکن سفید کو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے پسند فرمایا اور اکثر و بیشتر آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا لباس سفید ہی ہوا کرتا تھا۔ اس لئے فرمایا ''احمر'' یعنی ایسا سرخ لباس جو دوسرے رنگ کی ملاوٹ والا ہو، سبز، پیلا، کالا؛ یہ سب رنگ کے لباس پہننا بھی جائز ہے۔ اسی طرح ''قطن'' یعنی سوتی لباس، کتان، بال اور اون کا لباس پہننا بھی جائز ہے۔ خلاصہ یہ ہے کہ مختلف طریقے کے لباس (جیسے آج کل کی نئی ایجادات کی وجہ سے جو کپڑے بنائے جاتے ہیں جیسے نائلون ، ٹیف لون اور مختلف معدنیات سے جو چیزیں بنتی ہیں) استعمال کرنا جائز ہے، سوائے ریشم کے۔ اور ریشم کے متعلق بھی جیسا کہ اوپر میں نے بتایا کہ اصلی ریشم حرام ہے، لیکن بناوٹی ریشم جس کو آرٹ سلک کہا جاتا ہے وہ جائز ہے، لیکن اس سے بھی بچنا اچھا ہے۔

پسندیدہ رنگ کون سا؟

۷۷۹:-وعن ابن عباس رضی اللہ عنہما أنَّ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم قَالَ: اِلْبَسُوا مِنْ ثِيَابِكُمُ الْبَيَاضَ، فَإِنَّهَا مِنْ خَيْرِ ثِيَابِكُمْ، وَكَفِّنُوا فِيهَا مَوْتَاكُمْ.

(رواہ أبو داود والترمذی، وقال: حدیث حسن صحیح)

ترجمہ:- حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا: اپنے کپڑوں میں سفید لباس پہنو، اس لئے کہ یہ اچھا لباس ہے۔ اور سفید کپڑوں میں ہی اپنے مردوں کو بھی کفن دو۔

۷۸۰:-وعن سمرة رضی اللہ تعالیٰ عنہ قَالَ: قَالَ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم: اِلْبَسُوا الْبَيَاضَ، فَإِنَّهَا أَطْهَرُ وَأَطْيَبُ، وَكَفِّنُوا فِيهَا مَوْتَاكُمْ.

(رواہ النسائی والحاکم، وقال: (حدیث صحیح)

ترجمہ:- حضرت سمرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا: سفید لباس پہنو، اس لئے کہ وہ زیادہ پاکیزہ اور عمدہ ہے اور اس میں اپنے مردوں کو کفن دیا کرو۔

لیکن تو چیزے دیگری

۷۸۱:-وعن البراء رضی اللہ تعالیٰ عنہ قَالَ: كَانَ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم مَرْبُوعاً، وَلَقَدْ رَأَيْتُهُ فِي حُلَّةٍ حَمْرَاءَ مَا رَأَيْتُ شَيْئاً قَطُّ أَحْسَنَ مِنْهُ. (متفقٌ عليه)

ترجمہ:- حضرت براء رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم میانہ قد تھے (نہ لانبے تھے اور نہ پستہ قد تھے، لیکن درمیانی قد کے ہونے کے باوجود آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ایک خصوصیت یہ تھی کہ جب آپ مجمع میں چلتے تھے تو آپ اونچے نظر آتے تھے، یہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا معجزہ تھا) اور ایک مرتبہ میں نے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو سرخ جوڑے میں دیکھا تو آپ سے زیادہ حسین کسی اور کو نہیں پایا۔

آفاقہا گردیدہ ام، مہر بتاں ورزیدہ ام ❁ بسیار خوباں دیدہ ام، لیکن تو چیزے دیگری

افادات:- گویا نبی کریم ﷺ سفید لباس کی تاکید فرما رہے ہیں، اس لئے یہ رنگ مستحب، اچھا اور پسندیدہ ہے، اس کو عام حالات میں آدمی اختیار کرے، اور سفر یا کسی دوسری ضرورت کی وجہ سے رنگین لباس استعمال کرتا ہے تو نبی کریم ﷺ سے یہ بھی ثابت ہے۔ یا بلا ضرورت بھی رنگین لباس استعمال کرتا ہے تو جائز ہے، ممنوع نہیں ہے۔ اور کفن بھی سفید ہو تو اچھا ہے، ویسے رنگین کفن بھی دیا جا سکتا ہے۔ البتہ وہ رنگ جو عورتوں کے ساتھ مخصوص سمجھے جاتے ہیں ان کو استعمال کرنے کی اجازت نہیں ہے، جیسے آج کل پرنٹنگ ہوتی ہے تو بعض پرنٹ ایسی ہوتی ہے جو عورتوں ہی کے لئے مخصوص ہوتی ہیں، تو ایسی مخصوص پرنٹ کا لباس بھی اگر مرد استعمال کرے تو اس کی اجازت نہیں ہوگی۔

اور تیسری روایت میں سرخ سے مراد علماء اور شرّاح نے لکھا ہے کہ خالص سرخ نہیں تھا، بلکہ اس زمانہ میں یمن سے جو چادریں آتی تھیں اس کے اوپر سرخ رنگ کی دھاریاں ہوا کرتی تھیں۔

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

علامہ نووی رحمۃ اللہ علیہ نے پچھلی مجلس میں ایک نیا عنوان ''کتاب اللباس'' شروع کیا تھا، اس سلسلہ میں جو اصولی اور بنیادی ہدایات تھیں وہ آپ کے سامنے پیش کی جا چکی ہیں، اسی کے متعلق روایات کو پیش کیا جا رہا ہے۔

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا سرخ جوڑا پہننا

۷۸۲:-وعن أَبِي جُحَيفَةَ وَهْب بن عبد الله رضی اللہ تعالیٰ عنہ قَالَ: رَأَيتُ النبيَّ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم بِمَكَّةَ وَهُوَ بالأَبْطَحِ فِي قُبَّةٍ لَهُ حَمْرَاءَ مِنْ أَدمٍ، فَخَرَجَ بِلاَلٌ بِوَضُوئِهِ، فَمِنْ نَاضِحٍ وَنَائِلٍ، فَخَرَجَ النبيُّ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم وعليه حُلَّةٌ حَمْرَاءُ، كَأَنِّي أَنْظُرُ إِلَى بَيَاضِ سَاقَيْهِ، فَتَوَضَّأَ وَأَذَّنَ بِلاَلٌ، فَجَعَلْتُ أَتَتَبَّعُ فَاهُ هاهُنَا وَهَاهُنَا، يقولُ يَمِيناً وشِمالاً: حَيَّ عَلَى الصَّلاَةِ، حَيَّ عَلَى الفَلاَحِ، ثُمَّ رُكِزَتْ لَهُ عَنَزَةٌ، فَتَقَدَّمَ فَصَلَّى يَمُرُّ بَيْنَ يَدَيْهِ الْكَلْبُ وَالْحِمَارُ لاَ يُمْنَعُ. (متفقٌ عَلَيْهِ)

((العنَزة)) بفتح النون: نحو العُكازة.

ترجمہ مع تشریح:- حضرت ابو جحیفہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ میں نے نبئ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو مکہ مکرمہ، بطحاء میں دیکھا کہ آپ چمڑے کے بنے ہوئے سرخ خیمے میں قیام پذیر تھے (یہ حجۃ الوداع کا واقعہ ہے۔ جب نماز کا وقت ہوا) تو حضرت بلال رضی اللہ عنہ وضو کا پانی لے کر آئے، آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے وضو فرمایا، کچھ لوگ جن کو وہ پانی ہاتھ لگ گیا، انہوں نے اس کو اپنے بدن پر مَل لیا، اور جن کو ہاتھ نہیں لگا انہوں نے ان کے بدن کو ہاتھ لگا کر اپنے بدن پر ملا۔ (اس لیے کہ نبئ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم وضو فرماتے تھے تو صحابہ کرام رضی اللہ عنہ اس پانی کو لے کر بطورِ برکت اپنے جسم پر مل لیا کرتے تھے۔) پھر (جب نماز کا وقت آیا تو) نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اپنے خیمے سے باہر تشریف لائے اور آپ کے جسم پر

سرخ جوڑا تھا (اور آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی لنگی اتنی اونچی تھی کہ) میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی پنڈلی کی سفیدی کو دیکھ رہا تھا (اس سے لباس کے دوسرے ادب کی طرف بھی اشارہ کرنا مقصود ہے جیسا کہ آگے صراحتاً آئے گا کہ لنگی وغیرہ میں نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی عادتِ شریفہ یہ تھی کہ آپ آدھی پنڈلی تک پہنا کرتے تھے، اور آپ نے اس کی تاکید بھی فرمائی) پھر نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے وضو فرمایا، حضرت بلال رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اذان دی، اور میں حضرت بلال کے منھ کو اِدھر اُدھر گھومتا ہوا دیکھ رہا تھا، یعنی حی علیٰ الصلوۃ کہتے وقت دائیں طرف چہرہ پھیر رہے تھے، اور حی علیٰ الفلاح کہتے وقت بائیں طرف پھیر رہے تھے، اس کے بعد ایک چھوٹا سا نیزہ (جو آدمی کی کمر تک آجائے) نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے سامنے سترہ کے لئے گاڑا گیا (یہ بھی نماز کے آداب میں سے ہے کہ کوئی آدمی کھلی جگہ نماز ادا کر رہا ہو اور سامنے سے لوگوں کے گزرنے کا امکان ہو تو اس صورت میں اپنے سامنے کوئی لکڑی یا اور کوئی چیز گاڑ دے جو سترہ کا کام دے) چناں چہ نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم آگے بڑھے اور لوگوں کو نماز پڑھائی، اور آپ کے سامنے (سُتْرہ کے آگے) سے کتا اور گدھا گزر رہا تھا لیکن ان کو گزرنے سے روکا نہیں جا رہا تھا۔

افادات:- چناں چہ حدیبیہ والے قصہ میں بھی مذکور ہے کہ حضرت ابومسعود ثقفیؓ جو اس وقت تک اسلام نہیں لائے تھے، وہ جب نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پاس مشرکین کی طرف سے گفتگو کرنے کے لئے آئے، پھر واپس جا کر انہوں نے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کا نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ محبت والا جو تعلق دیکھا تھا اس کا تذکرہ کیا، اس میں یہ بھی بیان کیا کہ میں نے دیکھا کہ جب حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم وضو کرتے ہیں تو آپ کے اعضاءِ مبارکہ سے گرنے والے پانی کو لینے کے لیے صحابہ آپس میں لڑتے ہیں، جن کے ہاتھ لگ گیا وہ اپنے بدن پر ملتا ہے، اور جن کے ہاتھ نہیں لگا وہ اس سے لینے کی کوشش کرتا ہے۔ اس روایت میں بھی اسی بات کو بتلایا گیا ہے۔

بس! یہاں تو یہ روایت اسی چیز کو بتلانے کے لئے لائے ہیں کہ عنوان میں یہ بھی تھا کہ مختلف رنگ کا لباس آدمی استعمال کرسکتا ہے۔ اور پچھلی مجلس میں بھی حضرت سمرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ والی روایت کے تحت بتلادیا تھا کہ جو سرخ جوڑے کا تذکرہ ہے تو وہ خالص سرخ رنگ کا نہیں تھا بلکہ اس زمانہ میں یمن سے ایسی چادریں بن کر آیا کرتی تھیں جن میں سرخ رنگ کی دھاریاں ہوا کرتی تھیں، باقی سفید کپڑا ہوتا تھا، اسی ملے جلے رنگ کے کپڑے سے آپ کے لئے جوڑا تیار کیا گیا تھا۔ جیسے آج کل بھی رومال آتے ہیں جن میں سفید اور سرخ رنگ ملا جلا ہوتا ہے لیکن اس کو سرخ رومال ہی کہا جاتا ہے۔ مسئلہ بتلا چکا ہوں کہ احناف کے نزدیک مردوں کے لئے خالص سرخ رنگ کا لباس مکروہ ہے۔ ہاں! اگر دوسرے رنگ کی ملاوٹ ہے جیسا نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا جوڑا تھا تو اس میں کراہت نہیں۔

”اور آپ کے سامنے (سُتْرہ کے آگے) سے کتا اور گدھا گزر رہا تھا لیکن ان کو گزرنے سے روکا نہیں جا رہا تھا۔“ اس سے یہ بھی معلوم ہوا کہ آدمی اگر سترہ لگا کر نماز ادا کر رہا ہو اور سترہ کے آگے سے گزرنے والے گزریں تو کوئی حرج کی بات نہیں، اس کی وجہ سے نہ تو نماز پر کوئی زد پڑتی ہے اور نہ گزرنے والے گنہ گار قرار دئے جاتے ہیں۔ سترہ لگانے کا مقصد ہی یہ ہے۔

یہاں تو اس روایت کو لانے سے علامہ نووی رحمۃ اللہ علیہ کا مقصد نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے لباس کے رنگ کو بتلانا ہے کہ آپ نے سرخ رنگ کی دھاری والا لباس زیب تن فرمایا ہے۔

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا سبز جوڑا پہننا

۷۸۳:- وعن أَبِي رِمْثَةَ رِفَاعَةَ التَّيْمِيِّ رضی اللہ تعالیٰ عنہ قَالَ: رأيتُ رسولَ الله صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم

وعلیه ثوبانِ أخضَرَان.(رواه أبو داود والترمذی بإسناد صحیح)

ترجمہ:- حضرت ابو رِمثہ رفاعہ تیمی رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ میں نے نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو ایسی حالت میں دیکھا کہ آپ کے جسم پر سبز رنگ کے دو کپڑے تھے۔

افادات:- اس سے یہ بتلانا چاہتے ہیں کہ نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے سبز رنگ کا لباس بھی زیب تن فرمایا ہے۔ اور پہلے بتلا چکا ہوں کہ سفید کے علاوہ دوسرے رنگ کا لباس- بشرطیکہ وہ رنگ عورتوں کے ساتھ مخصوص نہ ہو- بھی پہن سکتے ہیں۔

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے عمامہ کا رنگ

۷۸۴:- وعن جابر رضی اللہ تعالیٰ عنہ: أنَّ رسول الله صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم دَخَلَ یَوْمَ فَتْحِ مَکَّةَ وَعَلَیْهِ عِمَامَةٌ سَوْدَاء.(رواه مسلم)

۷۸۵:- وعن أبی سعید عمرو بن حُرَیْثٍ رضی اللہ تعالیٰ عنہ قَالَ: کَأَنِّی أَنْظُرُ إِلَی رسول الله صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم وعلیه عِمَامَةٌ سَوْدَاءُ، قَدْ أَرْخَی طَرَفَیْهَا بَیْنَ کَتِفَیْهِ.(رواه مسلم)

وفی روایةٍ لَهُ: أنَّ رسول الله صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم خَطَبَ النَّاسَ، وَعَلَیْهِ عِمَامَةٌ سَوْدَاءُ.

ترجمہ:- حضرت جابر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم فتح مکہ کے دن مکہ مکرمہ میں ایسی حالت میں داخل ہوئے کہ آپ کے سر مبارک پر سیاہ عمامہ تھا۔

دوسری روایت حضرت ابوسعید رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی لائے ہیں جس میں یہ ہے کہ وہ منظر اس وقت بھی میری آنکھوں کے سامنے ہے، گویا میں اس وقت حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو دیکھ رہا ہوں کہ آپ کے سر مبارک پر سیاہ رنگ کا عمامہ ہے اور اس کے دونوں کناروں کو نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنے کندھوں کے درمیان ڈال رکھا ہے۔

افادات:-عمامہ جب باندھا جاتا ہے تو ایک کونہ شملہ والا ہوتا ہے اور دوسرا اوپر سے نکالا جاتا ہے۔ان دونوں روایتوں سے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے عمامہ کے رنگ کا سیاہ ہونا معلوم ہوا۔ویسے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے سفید، سیاہ اور سبز رنگ کا عمامہ ثابت ہے۔

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا کفن اور اس کا رنگ

۷۸۶:-وعن عائشة رضی اللہ عنہا قالت: كُفِّنَ رسول الله صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم في ثلاثة أثْوَاب بيضٍ سَحُولِيَّةٍ مِنْ كُرْسُفٍ،لَيْسَ فِيهَا قَمِيصٌ وَلاَ عِمَامَةٌ . (متفقٌ عَلَيْهِ)

((السَّحُولِيَّة)) بفتح السين وضمها وضم الحاء المهملتين: ثيابٌ تُنْسَبُ إِلَى سَحُول: قَرْيَة باليَمنِ ((وَالكُرْسُف)): القُطْنُ.

ترجمہ:-حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو تین سفید کپڑوں میں کفن دیا گیا جو مقام سحول کے سوتی کپڑے تھے،جن میں نہ قمیص تھا اور نہ عمامہ تھا۔

افادات:-"سَحُوْل" کی وضاحت علامہ نووی رحمۃ اللہ علیہ نے خود فرمائی ہے کہ یمن میں ایک آبادی کا نام ہے جہاں کا سوتی کپڑا اس زمانہ میں لوگوں میں مشہور تھا اور لوگ اس کو استعمال کیا کرتے تھے۔اور سفید کپڑوں ہی میں کفن دینا سنت ہے،اس روایت سے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے کفن کا سفید ہونا بتلانا مقصود ہے۔

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا (Printed) منقش چادر استعمال کرنا

۷۸۷:-وعنها ،قالت: خرج رسول الله صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ذات غَدَاةٍ،وَعَلَيْهِ مِرْطٌ مرَحَّلٌ مِنْ شَعرٍ أسْوَد. رواہ مسلم۔

((المِرْط)) بكسر الميم: وَهُوَ كساءٌ وَ((المُرَحَّل)) بالحاء المهملة: هُوَ الَّذِي فِيهِ صورةُ رحال الإبل، وهِيَ الأكْوَارُ.

ترجمہ:- حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ایک روز صبح کے وقت باہر تشریف لائے ایسی حالت میں کہ آپ کے جسم مبارک کے اوپر کالے بالوں سے بنی ہوئی ایسی چادر تھی جس کے اوپر اونٹ کے کجاوے کے نقش بنے ہوئے تھے۔

افادات:- معلوم ہوا کہ کپڑوں کے اوپر کسی غیر ذی روح یعنی غیر جاندار کی تصویر بنی ہوئی ہو، جیسے چاند، تارے وغیرہ؛ تو کوئی حرج کی بات نہیں ہے۔

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا اونی لباس

۷۸۸:- وعن المغيرة بن شُعْبَةَ رضی اللہ تعالیٰ عنہ قَالَ: كُنْتُ مَعَ رسول الله صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ذاتَ لَيْلَةٍ في مسير، فَقَالَ لي: ((أَمَعَكَ مَاءٌ؟)) قلتُ: نَعَمْ، فَنَزَلَ عَنْ رَاحِلَتِهِ فَمَشَى حَتَّى تَوَارَى فِي سَوَادِ اللَّيْلِ، ثُمَّ جَاءَ فَأَفْرَغْتُ عَلَيْهِ مِنَ الإِدَاوَةِ، فَغَسَلَ وَجْهَهُ وَعَلَيْهِ جُبَّةٌ مِنْ صُوفٍ، فَلَمْ يَسْتَطِعْ أَنْ يُخْرِجَ ذِرَاعَيْهِ مِنْهَا حَتَّى أَخْرَجَهُمَا مِنْ أَسْفَلِ الْجُبَّةِ، فَغَسَلَ ذِرَاعَيْهِ وَمَسَحَ بِرَأْسِهِ، ثُمَّ أَهْوَيْتُ لأَنْزَعَ خُفَّيْهِ، فَقَالَ: ((دَعْهُمَا فَإِنِّي أَدْخَلْتُهُمَا طَاهِرَتَيْنِ)) وَمَسَحَ عَلَيْهِمَا. (متفقٌ عَلَيْهِ.)

وفي رواية: وَعَلَيْهِ جُبَّةٌ شَامِيَّةٌ ضَيِّقَةُ الْكُمَّيْنِ.

وفي رواية: أَنَّ هٰذِهِ الْقَضِيَّةَ كَانَتْ فِي غَزْوَةِ تَبُوكَ.

ترجمہ:- حضرت مغیرہ بن شعبہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں: ایک مرتبہ ایک سفر میں رات کے وقت میں نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ تھا (علامہ نووی رحمۃ اللہ علیہ نے آگے دوسری روایت کا حوالہ دیا کہ یہ واقعہ غزوۂ تبوک کا ہے) نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے مجھ سے پوچھا: کیا تمہارے پاس پانی ہے؟ میں نے کہا: جی ہاں!۔ چناں چہ نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اپنی سواری سے اترے اور چل کر اتنی دور پہنچے کہ رات کی اندھیری میں نگاہوں سے اوجھل ہو گئے (اس سے معلوم ہوا کہ آدمی قضائے

حاجت کے لئے ایسی جگہ جائے کہ لوگوں کی نظروں میں نہ آئے) جب واپس تشریف لائے تو مَیں نے (آپ کو وضو کرانے کے لئے) برتن میں سے پانی ڈالنا شروع کیا، آپ نے اپنا چہرۂ مبارک دھویا (اور ہاتھ دھونے کا وقت آیا تو چوں کہ) آپ ﷺ اون کا جبہ پہنے ہوئے تھے (جس کی آستین تنگ ہونے کی وجہ سے اوپر چڑھ نہ سکیں اور) آپ ﷺ اپنی دونوں کلائیاں کھول نہ سکے تو آپ ﷺ نے دونوں ہاتھ اپنے جبہ کے نیچے سے نکال کر دھوئے، پھر سر کا مسح فرمایا (جب پاؤں دھونے کا وقت آیا تو) مَیں نے ہاتھ بڑھائے تاکہ آپ ﷺ کے پیر سے چمڑے کے موزے نکالوں (اور آپ ﷺ پیر دھوسکیں) تو حضور ﷺ نے فرمایا: ان کو چھوڑ دو (موزے نہ نکالو) اس لئے کہ مَیں نے یہ دونوں پاؤں پاک ہونے کی حالت میں موزوں کے اندر ڈالے تھے (اس سے معلوم ہوا کہ موزے باوضو ہونے کی حالت میں پہنے ہوں تب ہی ان پر مسح کیا جاسکتا ہے، ورنہ نہیں) اور پھر آپ ﷺ نے ان موزوں پر ہی مسح فرمالیا۔

ایک روایت میں ہے کہ آپ ﷺ تنگ آستین والا شامی جبہ زیب تن فرمائے ہوئے تھے۔

افادات:- اس روایت کو لاکر دو چیزیں بتلانا چاہتے ہیں، ایک تو یہ کہ آپ ﷺ کا جبہ اون کا بنا ہوا تھا۔ باب کے عنوان میں تھا کہ لباس سوتی ہو، یا اونی، یا بالوں کا بنا ہوا؛ سب پہن سکتے ہیں۔ تو یہ جبہ اون کا بنا ہوا تھا۔ اور دوسری بات یہ کہ سفر کی ضرورت کی وجہ سے آپ ﷺ نے تنگ آستین والا جبہ زیب تن فرمایا تھا۔ اس سے یہ بھی معلوم ہوا کہ سفر کی ضرورتوں کے پیشِ نظر اپنی سہولت کے لیے اس کے مناسب رنگ یا بناوٹ کا کوئی لباس آدمی پہنے؛ تو اس کی اجازت ہے۔

چمڑے کے موزوں پر مسح کا مسئلہ

اگر کوئی آدمی چمڑے کے موزے پہنے ہوئے ہو اور موزوں پر مسح کرنے

کے لئے جو شرطیں ضروری ہیں ان کی رعایت کی گئی ہو، یعنی وہ موزے اُس نوع کے ہوں، اور پورا وضو کر کے پاکی کی حالت میں پہنے ہوں اور اس کے بعد وضو ٹوٹا ہو، تو جب دوبارہ وضو کرنے لگے، اس وقت پاؤں دھونے کے بجائے چمڑے کے موزوں پر صرف مسح کر لینا کافی ہے۔

خلاصۂ باب

پورے باب میں علامہ نووی رحمۃ اللہ علیہ دو چیزیں بتلانا چاہتے تھے۔ایک تو لباس کا رنگ کیسا ہو؟ تو بتلایا کہ ہر رنگ کا لباس آدمی استعمال کر سکتا ہے، ہاں! سفید لباس مستحب اور پسندیدہ ہے، اور اس سلسلہ میں شروع میں روایتیں بھی پیش کیں۔

دوسرا یہ کہ ریشم کو چھوڑ کر باقی ہر لباس؛ چاہے سوتی ہو، اونی ہو، ٹاٹ کا بنا ہوا ہو بال کا بنا ہوا ہو، یا آج کل کے مصنوعی لباس ہوں؛ سب ہی استعمال کئے جا سکتے ہیں۔

بَاب إِسْتِحْبَابِ الْقَمِيْص

کُرتے کا استعمال پسندیدہ ہے

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

جسم ڈھانپنے کی دو شکلیں

جسم کو ڈھانپنے کی دو شکلیں ہیں اور اُس زمانہ میں دونوں طریقے رائج تھے، بعض لوگ کھلا جوڑا پہنتے تھے یعنی جسم کا نچلا حصہ چھپانے کے لئے ایک چادر لنگی کے طور پر استعمال کی جاتی تھی جو سلی ہوئی نہیں ہوتی تھی، جیسی احرام کی چادر ہوتی ہے۔ اور اوپر والا حصہ ڈھانپنے کے لئے بھی ایسی ہی ایک چادر الگ سے ہوتی تھی جس سے جسم کا اوپر والا حصہ ڈھانپا جاتا تھا۔ اوپر والے حصے کو ڈھانپنے کے لئے جو کپڑا استعمال کیا جاتا تھا؛ اس کو عربی میں ''ردآء'' کہتے ہیں، اور نچلا حصہ ڈھانپنے کے لئے جو کپڑا استعمال کیا جاتا تھا؛ اس کو ''ازار'' کہتے ہیں۔ ان دونوں کی بناوٹ اور ساخت میں کوئی فرق نہیں ہوتا تھا استعمال کے فرق کی وجہ سے نام میں فرق ہوگیا ہے۔ تو لباس کے استعمال کا ایک طریقہ کھلے ہوئے لباس کا تھا، جیسے: احرام میں ہوا کرتا ہے، اور حضور اکرم ﷺ بھی اس طرح کا لباس استعمال فرماتے تھے۔ دوسرا طریقہ یہ بھی تھا کہ اوپر والا حصہ ڈھانپنے کے لئے سلا ہوا لباس استعمال کرتے تھے، جیسے: کرتہ۔ اور نچلا حصہ ڈھانپنے کے لئے بھی سلا ہوا لباس استعمال کرتے تھے؛ جس کو ہم ''پائجامہ'' کہتے ہیں۔ حضورِ اکرم ﷺ نے جسمِ اطہر کے اوپر والے حصہ کو ڈھانپنے کے لئے تو سلا ہوا لباس یعنی کرتہ استعمال کیا ہے، جس کو عربی میں ''قمیص'' کہتے ہیں، اور یہ روایتوں سے ثابت ہے۔

قمیص سے کیا مراد ہے؟

اردو یا گجراتی زبان میں لفظ ''قمیص'' بولتے ہیں اس سے مراد ایک مخصوص طرز کا بنا ہوا لباس ہوتا ہے جو آدھی کمر تک سلا ہوا ہوتا ہے (جس کو شرٹ کہا جاتا ہے) عربی

کے لفظ ''قمیص'' سے وہ مراد نہیں ہے، حضرت علامہ انور شاہ صاحب کشمیری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: اصطلاحات اور زبان کے بدلنے کی وجہ سے الفاظ کے معانی میں فرق پڑ جاتا ہے ایک لفظ ''قمیص'' عربی میں بولا جاتا ہے، اس سے ایک مخصوص لباس مراد ہوتا ہے جو آدھی پنڈلیوں تک ہوتا ہے، اور پورے جسم کو ڈھانپ لیتا ہے، جیسے: عربی کرتہ ہوتا ہے۔ اور ایک لفظ ''قمیص'' ہمارے یہاں اردو میں بولتے ہیں، وہ ایک مخصوص طرز کا لباس ہے جو ہمارے یہاں بنتا اور استعمال ہوتا ہے (جس کو شرٹ کہا جاتا ہے)۔

جیسے: لفظ ''جیب'' ہے۔ عربی زبان میں بھی لفظ ''جیب'' بولا جاتا ہے، جس کا معنیٰ گریبان ہوتا ہے، یعنی سلے ہوئے لباس میں سر ڈالنے کے لئے سینے کے پاس جو کھلا ہوا اور کٹا ہوا حصہ رکھا جاتا ہے، اس کو عربی میں ''جیب'' کہتے ہیں، اور ہماری اردو میں جیب (کیسہ) ''پاکٹ'' کو کہتے ہیں۔ یا جیسے علامہ انور شاہ صاحب کشمیری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ لفظ ''خُفّ'' موزہ ہے۔ اُس زمانہ میں جب ''خُفّ'' بولا جاتا تھا تو اس وقت نائلون کے موزے تو تھے بھی نہیں، اور نہ اس کا تصور تھا تو ''خُفّ'' بول کر چمڑے کا بنا ہوا موزہ مراد لیا جاتا تھا۔ اور اب ''خُفّ'' بول کر ''جُرّاب'' مراد لیا جاتا ہے۔ تو یہاں بھی ''قمیص'' سے کرتہ مراد ہے، اور اس کا مستحب ہونا بتلاتے ہیں۔

کرتہ زیادہ پسندیدہ ہے

دراصل بتلانا یہ چاہتے ہیں کہ جسم کا اوپر والا حصہ ڈھانپنے کے لئے دو طریقے ہیں، ایک تو یہ کہ آپ کھلی ہوئی چادر استعمال کرتے ہوئے اوپر والے حصے کو ڈھانپ لیں اور نبئ کریم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم سے یہ ثابت ہے۔ دوسری شکل یہ ہے اس مقصد کے لئے مخصوص طرز سے بنا ہوا کپڑا استعمال کریں؛ جس کو کرتہ کہا جاتا ہے۔ اس باب میں یہ بتلانا

چاہتے ہیں کہ کھلی ہوئی چادر کے مقابلہ میں کرتہ استعمال کرنا زیادہ پسندیدہ ہے۔ اور اس کی وجہ یہ ہے کہ اس میں آدمی آزاد رہتا ہے، یعنی اوپر والے حصہ کو چھپانے کے لئے اگر چادر جسم پر ڈالیں گے تو اس کو سنبھالنے کی آپ کو فکر کرتے رہنا پڑے گی، جبکہ سلا ہوا کپڑا ایک مرتبہ پہننے کے بعد آپ کو سنبھالنے کی ضرورت نہیں، بلکہ اس کی طرف سے آپ بے فکر ہوجایئے، یعنی آدمی ''Free'' اور آزاد ہوجاتا ہے۔ ایک بڑا فائدہ یہ ہے۔ اور دوسرا یہ ہے کہ اس میں چادر کے مقابلہ میں زینت بھی زیادہ ہے، اور ستر کے کھلنے کا بھی اندیشہ نہیں رہتا۔ اس لئے ان وجوہات کے پیشِ نظر نبیٔ کریم ﷺ کرتہ کو چادر کے مقابلہ میں زیادہ پسند فرماتے تھے۔ چناں چہ روایت پیش کرتے ہیں۔

کیا آپ ﷺ سے پائجامہ پہننا ثابت ہے؟

۷۸۹:- عن أُمِّ سَلَمَةَ رضی اللہ عنہا قالت: كَانَ أَحَبُّ الثِّيَابِ إِلَى رسول الله ﷺ الْقَمِيصَ. (رواه أبو داود والترمذي، وقال: حديث حسن)

ترجمہ:- حضرت اُم سلمہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ نبیٔ کریم ﷺ کو کپڑوں میں زیادہ پسندیدہ کرتہ تھا (انہی وجوہات کی بناء پر جو اوپر بتلائیں)۔

افادات:- اب رہا پائجامہ کا مسئلہ! تو روایتوں سے اتنی بات تو ثابت ہے کہ نبیٔ کریم ﷺ بازار تشریف لے گئے، پائجامہ پسند فرمایا اور خریدا، لیکن نبیٔ کریم ﷺ نے پہنا بھی ہے یا نہیں؟ تو یہ چیز اہلِ سیر (سوانح نگاران) کے درمیان مختلف فیہ ہے۔ بعض حضرات فرماتے ہیں کہ خریدا اسی لئے تھا کہ پہنیں تو پہنا بھی ہے۔ بعض حضرات فرماتے ہیں کہ پہننے کی الگ سے کوئی روایت ثابت نہیں ہے۔ بہر حال! یہ دونوں باتیں کہی گئی ہیں، لیکن پسند فرمانا محقق ہے۔

بَابُ صِفَةِ طُوْلِ الْقَمِيْصِ وَالْكُمِّ وَالْإِزَارِ وَطَرْفِ الْعِمَامَةِ وَتَحْرِيْمِ إِسْبَالِ شَيْءٍ مِنْ ذٰلِكَ عَلٰى سَبِيْلِ الْخُيَلَآءِ، وَكَرَاهَتِهِ مِنْ غَيْرِ خُيَلَآءٍ

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

لباس کی لمبائی کتنی ہو؟

اس باب میں یہ بتلانا چاہتے ہیں کہ:-

[۱]:-کرتہ، آستین، لنگی اور ازار کی لمبائی کتنی ہونی چاہیے؟

[۲]:-عمامہ کا کنارہ کہاں تک لٹکا سکتے ہیں؟ کیا اتنا لمبا بھی رکھ سکتے ہیں کہ پیچھے سے زمین پر گھسٹتا رہے؟ جس کو ''شملہ بقدرِ علم'' کہا جاتا ہے۔ پہلے کسی زمانہ میں یہ بھی ایک فیشن چلا تھا کہ شملہ اتنا لمبا رکھتے تھے کہ وہ زمین پر گھسٹتا تھا، حالاں کہ یہ مکروہ ہے۔

[۳]:-اوران میں سے کسی بھی چیز کو بطورِ تکبر اتنا لٹکانا کہ ٹخنوں سے نیچے یا ٹخنوں تک پہنچ جائے؛ تو یہ حرام ہے۔

[۴]:-اور اگر بغیر تکبر کے ہو تو مکروہ ہے۔

لباس کے اصول میں ایک اصول یہ ہے کہ ایسا لباس جو ٹخنوں کو ڈھانپنے والا یا ٹخنوں سے نیچے جانے والا ہو؛ اس کا استعمال مردوں کے لئے جائز نہیں ہے، عورتوں کو تو ستر ڈھانپنے کی وجہ سے پہننا ہی ہے۔

ٹخنے ڈھپ جانے والا مسئلہ صرف پائجامہ اور لنگی سے متعلق نہیں ہے، اس باب کے عنوان میں علامہ نووی رحمۃ اللہ علیہ نے بتلا دیا کہ اس لمبائی میں سب چیزیں آجاتی ہیں صرف پائجامہ لنگی اور پتلون ہی نہیں، کرتہ بھی اگر اتنا لمبا ہے جس سے آپ کے ٹخنے ڈھپ جاتے ہیں، اور ٹخنوں سے نیچے تک چلا جاتا ہے، تو یہ جائز نہیں ہے، یہ بھی حرام والے حکم میں داخل ہے۔

عربی کرتہ کے شوقین متوجہ ہوں

ہمارے معاشرے میں بہت سے لوگ شوق میں عربی کرتہ استعمال کرتے ہیں جو اتنا لمبا ہوتا ہے کہ ٹخنے ڈھپ جاتے ہیں، اوران کا خیال یہ ہوتا کہ ٹخنے ڈھپنے والا حکم صرف پائجامہ، لنگی اور پتلون کے بارے میں ہے؛ یہ خیال درست نہیں ہے۔ کرتہ بھی اگر اتنا لمبا ہو جس سے ٹخنے ڈھپ جائیں؛ تو یہ درست نہیں ہے۔ اگر کسی نے عرب میں ایسا دیکھا ہو تو یہ غلط رواج ہے، وہ لوگ اس کو فیشن کے طور پر لمبا رکھ کر ہاتھ میں لے کر چلتے ہیں۔ پچھلی مجلس میں بتلا چکا ہوں کہ زمانۂ جاہلیت میں اتنی لمبی چادر رکھتے تھے کہ چلتے وقت گھسٹتی تھی، اور زمین پر اس کے نشان پڑتے تھے۔ دیوان حماسہ میں قیس کے شعر کا ایک مصرع ہے: ؎

إِذَا مَا اصْطَبَحْتُ أَرْبَعاً خَطَّ مِئْزَرِي

میں نے آج صبح کے وقت چار گلاس شراب کے چڑھائے اور پھر اس شان سے باہر نکلا کہ میرے پائجامہ کے زمین کے اوپر نشان پڑ رہے تھے۔ مطلب یہ ہے کہ وہ لوگ اس کو فخر کی چیز سمجھتے تھے۔ آج کل بعض عرب بھی ایسا کرتے ہیں، یہ جائز نہیں ہے۔ یہاں تک کہ عمامہ کا شملہ بھی کسی نے اتنا لمبا رکھا ہو کہ وہ ٹخنوں تک پہنچ جائے تو یہ بھی ممنوع ہے۔

اگر ٹخنے ڈھانکنا تکبر سے نہ ہوتو؟

علامہ نووی رحمۃ اللہ علیہ نے ایک بات یہ کہی ہے: ''وتحريم إسبال شيء من ذلك على سبيل الخيلاء، وكراهته من غير خيلاء'' ٹخنوں کو ڈھانپنے کے سلسلہ میں جو روایتیں آرہی ہیں ان میں سے بہت ساری روایتیں وہ ہیں جن میں یہ لفظ آتا ہے کہ جو

آدمی اپنی لنگی یا پائجامہ کو ڈھیلا چھوڑ دے، جس کی وجہ سے ''بطورِ تکبر'' ٹخنے ڈھپ جائیں تو اس کے لئے یہ وعید ہے کہ اس کا وہ حصہ جہنم میں ڈالا جائے گا اور اللہ تعالیٰ اس کی طرف نظرِ رحمت سے نہیں دیکھیں گے۔ اس قید کی وجہ سے بہت سارے علماء اس طرف گئے ہیں کہ اگر تکبر کے طور پر کوئی بھی لباس ایسا رکھتا ہے جو ٹخنے کے نیچے تک چلا جائے جس کی وجہ ٹخنے ڈھپ جائیں؛ تو یہ حرام ہے۔ اور تکبر کی وجہ سے نہ ہو تو مکروہِ تنزیہی ہے۔

لیکن محققین اس طرف گئے ہیں کہ چاہے تکبر ہو یا نہ ہو، دونوں صورتوں میں مکروہِ تحریمی ہے۔ حافظ ابن حجر عسقلانی رحمۃ اللہ علیہ کی تحقیق یہی ہے، اور ہمارے اکابر بھی اسی کے قائل ہیں۔ حضرت شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ بھی یہی فرماتے ہیں کہ یہ ساری روایتیں محدثین لباس کے باب میں لاتے ہیں۔

اور تکبر خود اپنی جگہ پر بہت بڑا گناہ اور حرام ہے،، چاہے پائجامہ ڈھیلا اور نیچا رکھے یا نہ رکھے۔ اگر کوئی آدمی پائجامہ اونچا رکھتا ہے اور تکبر کرتا ہے تب بھی گناہ ہے۔ معلوم ہوا کہ پائجامہ کا نیچا رکھنا مستقل ایک گناہ ہے اس لئے محققین کہتے ہیں کہ پائجامہ نیچا رکھنا دونوں صورتوں میں حرام ہے، البتہ اتنی بات ہے کہ تکبر کی وجہ سے ایسا کیا ہے تو اس کی شدت اور حرمت کا پاور بڑھ جائے گا، اور اگر تکبر نہیں ہے تو اس کی شدت کم ہوگی۔ ہاں! اگر بلا ارادہ، بے خبری میں آدمی کا پائجامہ ڈھیلا ہو کر ٹخنوں تک پہنچ جائے؛ تو اس کو حرام نہیں کہیں گے۔

حضرت مولانا بدر عالم صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے ''فیض الباری'' کے حاشیہ میں، اور حضرت مولانا مفتی محمد تقی صاحب عثمانی دامت برکاتہم نے ''تکملہ فتح الملہم'' میں لکھا ہے کہ: یہاں صاحبِ شریعت نے لباس کو ٹخنوں کے نیچے لے جانے ہی کو تکبر کی علامت قرار دیا ہے، جیسے شریعت نے سفر کے اندر قصر کی اجازت دی ہے، یا رمضان میں سفر

کرے تو روزہ نہ رکھنے کی اجازت دی ہے کہ بعد میں اس کی قضاء کرلے؛ تو وہاں خود سفر ہی کو مشقت کی علامت قرار دے دیا گیا۔ آدمی کا سفر میں نکلنا یہ خود ایک مشقت کی چیز ہے، چاہے ایرکنڈیشنڈ گاڑی (راجدھانی اور شتابدی) میں سفر کرے، یا ہوائی جہاز میں سفر کرے۔ اس لئے کہ جو لوگ سفر کرتے ہیں وہ جانتے ہیں کہ راجدھانی میں سفر کریں یا ہوائی جہاز میں، وہ مشقت سے خالی نہیں ہوتا، جو لوگ سفر نہیں کرتے ان کو اس کا اندازہ نہیں۔ تو سفر خود مشقت کی علامت ہے، اسی طرح آدمی کا اپنے لباس کو اس طرح پہننا کہ ٹخنے ڈھپ جائیں، یہی کبر کی علامت سمجھی جائے گی؛ اس لئے یہ ممنوع ہے۔ ہاں اگر غیر اختیاری طور پر کسی سے ایسا ہو گیا تو اس کو معذور سمجھا جائے گا۔

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی آستین کی لمبائی

۷۹۰:- عن أسماء بنتِ يزيد الأنصارِيَّةِ رضی اللہ عنہا قالت: كَانَ كُمُّ قَمِيص رسولِ الله صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم إِلَى الرُّسْغِ. (رواه أبو داود والترمذي، وقال: ((حديث حسن))

ترجمہ:- حضرت اسماء بنت یزید انصاریہ ؓ فرماتی ہیں کہ: نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے کرتہ کی آستین گٹّوں تک ہوتی تھی۔

افادات:- کرتہ کی آستین گٹّوں تک رکھنی چاہئے، اگر اس سے چھوٹی ہوگی تو مرد کے لئے تو جائز ہے، لیکن عورتیں اس سے چھوٹی نہیں رکھ سکتیں، اس لئے کہ ان کا ستر کھل جائے گا، جیسا کہ پہلے بتلا چکا ہوں۔

نظرِ رحمت سے محروم

۷۹۱:- وعن ابن عمر رضی اللہ عنہما أنَّ النبيَّ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم قالَ: مَنْ جَرَّ ثَوْبَهُ خُيَلاءَ لَمْ يَنْظُرِ اللهُ إِلَيْهِ يَوْمَ الْقِيَامَةِ. فَقَالَ أَبُو بكر: يَا رسول الله، إِنَّ إِزارِي يَسْتَرْخِي

إِلاَّ أَنْ أَتَعَاهَدَهُ. فَقَالَ لَهُ رسول الله صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم: إِنَّكَ لَسْتَ مِمَّنْ يَفْعَلُهُ خُيَلاءَ.

(رواه البخاری وروی مسلم بعضه)

ترجمہ:- حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا: جس آدمی نے اپنا لباس تکبر کی وجہ سے ڈھیلا رکھا (جس سے ٹخنے ڈھپ گئے) تو قیامت کے روز اللہ تعالیٰ اس کی طرف نظرِ رحمت سے نہیں دیکھیں گے۔ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے عرض کیا: اللہ کے رسول! میری لنگی بہت ڈھیلی رہتی ہے مگر یہ کہ میں اس کا بہت دھیان رکھوں (حضرت ابوبکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے جسم کی ساخت ایسی تھی کہ اگر دھیان نہ رکھا جائے تو لنگی ڈھیلی ہوکر نیچے اتر جایا کرتی تھی اور اس کی وجہ سے کبھی ٹخنہ ڈھپ جاتا تھا، حضرت ابوبکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اپنی یہ معذوری بیان کی) تو حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا: تم ان لوگوں میں نہیں ہو جو یہ کام تکبر کی وجہ سے کرتے ہیں۔

۷۹۲:- وعن أبي هريرة رضی اللہ تعالیٰ عنہ أَنَّ رسول الله صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم قَالَ: لاَيَنْظُرُ اللهُ يَوْمَ القِيَامَةِ إِلَى مَنْ جَرَّ إِزَارَهُ بَطَراً. (متفقٌ عَلَيْهِ)

ترجمہ:- حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا: قیامت کے روز اللہ تعالیٰ اس آدمی کی طرف نظرِ رحمت سے نہیں دیکھیں گے جس نے تکبر کی وجہ سے اپنی لنگی کو ڈھیلا چھوڑا (یعنی اتنا کہ ٹخنے ڈھپ گئے)۔

افادات:- انہیں روایتوں کی وجہ سے بہت سے علماء اس طرف گئے ہیں کہ تکبر کی وجہ سے نہ ہو، تو مکروہِ تنزیہی ہے۔ لیکن محققین کہتے ہیں کہ اس کی وجہ یہ ہے کہ حضرت ابوبکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی لنگی بے خبری میں بلا قصد نیچے اتر جاتی تھی، وہ اپنے ارادہ سے اس کو ڈھیلا نہیں چھوڑتے تھے۔ اور میں بتلا چکا ہوں کہ بے خبری میں اگر ایسا ہوگیا ہو، تو عدمِ جواز کا کوئی سوال ہی پیدا نہیں ہوتا، اور وہاں تکبر کی بھی بات نہیں پائی جاسکتی،

تکبر کا سوال تو وہیں پیدا ہوگا جہاں آدمی جان بوجھ کر ٹخنے چھپائے۔

......وہ جہنم میں ہے

۷۹۳:-وعنہ عن النبیﷺ قَالَ: مَا أَسْفَلَ مِنَ الْكَعْبَيْنِ مِنَ الْإِزَارِ فَفِي النَّارِ. (رواه البخاری)

ترجمہ:- حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی روایت ہے، نبیٔ کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا: لنگی، پائجامہ یا لباس کا جو حصہ ٹخنوں سے نیچے ہو؛ وہ جہنم میں ہے۔

افادات:- مطلب یہ ہے کہ وہ عضو جہنم میں جائے گا، اور ایسا تو ہوگا نہیں کہ اتنا عضو کاٹ کر صرف اسی کو جہنم میں بھیجا جائے، بلکہ اس کی وجہ سے صاحبِ عضو بھی جہنم میں جائے گا اور عذاب بھگتے گا۔

بعضوں نے کہا: مقصود یہ ہے کہ وہ لباس بھی ساتھ جہنم میں بھیجا جائے گا کہ تمہارا یہ لباس جسے تم تکبر سے ٹخنوں کے نیچے لٹکا کر استعمال کرتے تھے، اور اس کو اپنے لئے خوبی کی چیز سمجھتے تھے؛ لو! آج یہی لباس تم کو جہنم میں لے گیا اور خود بھی جہنم میں پہنچا اس طرح گویا مزید اس کو رسوا کرنا مقصود ہوگا۔ جیسے کوئی ایسی چیز جس کی وجہ سے اس کی ہلاکت ہوئی ہو، ساتھ میں اس چیز کو رکھا جاتا ہے، مثلاً کفار جن بتوں کی پوجا کرتے ہیں قیامت کے روز ان کفار سے کہا جائے گا: ﴿إِنَّكُمْ وَمَا تَعْبُدُونَ مِن دُونِ اللهِ حَصَبُ جَهَنَّمَ﴾ تم اور اللہ کے سوا جو تمہارے معبود تھے وہ سب جہنم کا ایندھن ہیں۔ یعنی ان بتوں کو بھی جہنم میں ڈالا جائے گا، حالاں کہ بت تو پتھر یا لکڑی کے ہیں اور بظاہر ان کا کوئی قصور نہیں ہے لیکن ان کو اس لئے جہنم میں ڈالا جائے گا تا کہ ان کفار کو مزید حسرت ہو کہ؛ جن کی ہم عبادت کرتے تھے وہ خود ہی اپنے آپ کو جہنم میں جانے

سے نہیں بچا سکے، تو ہمیں کیا بچائیں گے؟

ناکام ونامراد لوگ

۷۹۴:- وعن أبي ذر رضی اللہ تعالیٰ عنہ عن النبيِّ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم قَالَ: ثلاثةٌ لايُكَلِّمُهُمُ اللهُ يَوْمَ القِيَامَةِ، وَلاَيَنْظُرُ إِلَيْهِمْ، وَلاَيُزَكِّيهِمْ، وَلَهُمْ عَذَابٌ أَلِيمٌ. قَالَ: فقرأها رسول الله صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ثلاثَ مِرارٍ، قَالَ أَبُو ذرٍّ: خَابُوا وَخَسِرُوا! مَنْ هُمْ يَارسول الله؟ قَالَ: الْمُسْبِلُ، وَالْمَنَّانُ، وَالْمُنَفِّقُ سِلْعَتَهُ بِالحَلِفِ الكَاذِبِ. (رواه مسلم)

وفي روايةٍ لَهُ: الْمُسْبِلُ إِزَارَهُ.

ترجمہ:- حضرت ابوذر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے منقول ہے، نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا: تین آدمی ایسے ہیں کہ قیامت کے روز اللہ تعالیٰ ان سے بات نہیں کریں گے، ان کی طرف نظرِ رحمت سے نہیں دیکھیں گے، اوران کو گناہوں سے پاک نہیں کریں گے (یعنی معاف نہیں کریں گے) اوران کے لئے دردناک عذاب ہے۔ نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے یہ جملہ تین مرتبہ ارشاد فرمایا۔ مَیں نے عرض کیا: اے اللہ کے رسول! یہ لوگ تو بڑے خسارے اورگھاٹے میں ہیں؛ کون ہیں یہ؟ نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا: لباس کو ٹخنوں سے نیچے رکھنے والا۔ احسان کرکے جتلانے والا۔ اورتیسرا وہ آدمی جو اپنے سامان کو جھوٹی قسم کے ذریعہ چلائے اوربیچے۔

۷۹۵:- وعن ابن عمر رضی اللہ عنہما عن النبيِّ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم قَالَ: الإِسْبَالُ في الإزار، وَالقَمِيصِ، وَالعِمَامَةِ، مَنْ جَرَّ شَيْئاً خُيَلاءَ لَمْ يَنْظُرِ اللهُ إِلَيْهِ يَوْمَ القِيَامَةِ.

(رواه أبو داود والنسائي بإسناد صحيح)

ترجمہ:- حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے، نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا: جوآدمی لنگی، پائجامہ، کرتہ اورعمامہ کو تکبر سے لٹکائے گا؛ اللہ تعالیٰ قیامت کے روز اس کی

طرف نظرِ رحمت سے نہیں دیکھیں گے۔

طعن وتشنیع سے نہ ڈریں

افادات:- غور کرو کہ پہلا گناہ کتنا بڑا ہے! بہت سے لوگ محض فیشن کے نام پر ٹخنوں سے نیچا لباس پہنتے ہیں، ان کو اگر سمجھایا جاتا ہے تو کہتے ہیں کہ مولوی صاحب! کیا کریں؛ ہمیں اسی سوسائٹی میں رہنا ہے، اگر اونچا پہنتے ہیں تو لوگ ہمیں شرمندگی میں ڈالتے ہیں، طعن وتشنیع کرتے ہیں، عار دلاتے ہیں۔ ارے بھائی! اگر آپ شریعت پر عمل کریں گے تو طعن وتشنیع تو ہوگی ہی۔ حضراتِ انبیاءِ کرام پر بھی طعن و تشنیع کی گئی، اور ان کے جو حقیقی متبعین اور پیرو کار تھے ان پر بھی طعن وتشنیع کی گئی۔ اگر آپ شریعت پر عمل کریں گے تو آپ پر بھی طعن وتشنیع کرنے والے کریں گے، آپ کب تک ایسی باتوں کا خیال کرتے رہیں گے؟ اسی سوسائٹی اور تہذیب کے نام سے اگر فیشن کو اختیار کریں گے تو کل قیامت میں جب عذاب ہوگا تو سوسائٹی کے وہ لوگ بچانے کے لیے آنے والے نہیں ہیں؛ اس لیے ایسوں کی باتوں پر دھیان وتوجہ دینے کی کوئی ضرورت نہیں ہے۔

اور لوگوں کا یہ بھی عجیب مزاج بنتا جارہا ہے کہ اگر کوئی آدمی شریعت پر چلنے کا اہتمام اور شریعت کے احکام کی پابندی کرتا ہے، تو لوگ اس کو کوئی ایسا لقب دیتے ہیں کہ جس سے اس کے حوصلے ٹوٹ جاتے ہیں، جیسے: کوئی آدمی ملازمت میں نہ رشوت لیتا ہے، نہ غلط کاموں میں حصہ لیتا ہے، تو اس کی وجہ سے لوگ کہتے ہیں کہ: دیکھو! پاگل معلوم ہوتا ہے، اس بیسویں صدی میں اس طرح تو کہیں زندہ رہا جاتا ہے؟ میں تو کہا کرتا ہوں کہ جب لوگ اس طرح پاگل کہیں تو اس پر خوش ہونا چاہیے کہ یہ تو ہمارے

اس امتحان میں کامیاب ہونے کی علامت ہے؛ نہ کہ برا ماننے کی چیز ہے۔

فیشن؛ ذہنیت کو مرعوب کرنے کا طریقہ

اور فیشن کا بھی عجیب جنون ہے کہ دیکھ کر حیرت ہوتی ہے، پھٹا ہوا پائجامہ ہوتا ہے، اس میں الگ الگ رنگ کے پیوند لگے ہوئے ہیں، اور ڈورے لٹک رہے ہیں، ایسا معلوم ہوتا کہ پاگل ہوں۔ جمعہ کے دن صبح کی نماز میں ایک طالب علم کو دیکھا کہ ایسا ہی پائجامہ پہن کر آیا تھا، تو میں نے اس کو بلایا اور کہا: بیٹا! یہ کیا پہن رکھا ہے؟ جاؤ! بدل کر آؤ۔ فیشن کے نام پر ان سے جو چاہو کام کروالو؛ وہ خوشی خوشی کرلیں گے۔ اور فیشن کیا ہے؟ فلموں میں کام کرنے والے اور کھیلوں کے اندر آگے رہنے والے اور اس قسم کے جو لوگ ہوتے ہیں ان کو پیسے دے کر لوگوں کی ذہنیت کو مرعوب کیا جاتا ہے، اور دنیا کے بڑے بڑے سرمایہ دار مختلف طریقوں سے لوگوں کے پیسوں کو حاصل کرنا چاہتے ہیں وہ اس طرح کی ساری شکلیں اختیار کرتے ہیں کہ دیکھو! فلاں نے بھی اپنے لئے اس چیز کو تجویز کیا ہے، پھر لوگ بھی انہیں کے پیچھے چل پڑتے ہیں۔

ہر وقت گناہ جاری رہتا ہے

حضرت شیخ نوراللہ مرقدہٗ کا ایک رسالہ ہے ''ڈاڑھی کا وجوب'' اس میں ایک بات ارشاد فرمائی ہے کہ بعض گناہ تو ایسے ہوتے ہیں کہ جس وقت آدمی وہ گناہ کررہا ہوتا ہے اسی وقت اس میں مبتلا ہوتا ہے، جیسے آدمی زنا کرتا ہے تو جب تک زنا کررہا ہے وہاں تک اس میں مبتلا ہے، اب اس زنا کا گناہ اس کے نامۂ اعمال میں رہے گا، لیکن زنا کے ختم ہوجانے کے بعد وہ زنا میں مبتلا نہیں ہے۔ اسی طرح شراب پینے والا ہے، جب تک اس کے ہاتھ میں شراب کا گلاس ہے اور شراب منھ میں ڈال رہا ہے، وہاں تک گناہ

میں مبتلا ہے، اب اس کا گناہ اس کے نامۂ اعمال میں ہے، لیکن پی چکنے کے بعد وہ اس گناہ میں مبتلا نہیں ہے۔ اور بعض گناہ ایسے ہیں کہ جو چوبیس گھنٹے برابر جاری رہتے ہیں، جیسے: ڈاڑھی کا مونڈنا۔ اگر ڈاڑھی مونڈی ہے، تو ڈاڑھی کا مونڈا ہوا ہونا؛ یہ مستقل الگ گناہ ہے، اگر وہ سو رہا ہے تب بھی گناہ میں ہے، نماز میں ہے تب بھی گناہ میں ہے۔ تو یہ گناہ ایسا ہے جو ہر وقت برابر چل رہا ہے۔ ٹخنوں سے نیچے جو لباس ہوتا ہے اس کا بھی یہی حال ہے کہ اس کا گناہ بھی ہر وقت چل رہا ہے۔ اگر وہ ٹخنوں سے نیچے ہونے کی حالت میں نماز پڑھ رہا ہے؛ تب بھی ایک حرام کام میں مبتلا ہے۔

لینے کے دینے

''وَالْمَنَّان'' دوسرا آدمی جس کے ساتھ اللہ تعالیٰ قیامت کے روز بات نہیں کریں گے اور جس کی طرف نظرِ رحمت سے نہیں دیکھیں گے اور جس کے گناہ معاف کر کے پاک صاف نہیں کریں گے؛ وہ احسان کر کے جتلانے والا ہے۔ آج کل اس کا عام رواج ہو گیا ہے۔ صلہ رحمی کا بیان آیا تھا وہاں بھی بتلایا تھا کہ رشتہ داروں کے ساتھ کچھ سلوک کرتے ہیں اور ان کی طرف سے ذرا سی کوئی بات پیش آئی تو جو احسان کیا ہوگا وہ زبان سے فوراً نکال دیتے ہیں ﴿لَا تُبْطِلُوْا صَدَقَاتِكُمْ بِالْمَنِّ وَالْأَذٰى﴾ جو آدمی احسان کر کے جتلا دیتا ہے اس کا ثواب بھی گیا اور اوپر سے مصیبت سر پڑی۔

تیسرا آدمی

''وَالْمُنَفِّقُ سِلْعَتَهُ بِالْحَلِفِ الْكَاذِبِ'' جو اپنے سامان کو جھوٹی قسم کے ذریعہ چلا رہا ہو اور بیچ رہا ہو مثلاً: یہ سامان تو ایسا عمدہ ہے اور فلاں جگہ کا بنا ہوا ہے، اور ایک آدمی اس کو پانچ سو میں مانگ رہا تھا وغیرہ وغیرہ؛ اس کے لیے بھی اوپر والی

وعید ہے۔ تو یہ تین بڑے خطرناک گناہ ہیں۔

توحید تو یہ ہے......

بعض روایتوں میں آیا ہے کہ اللہ تعالیٰ شب براءت میں جن لوگوں کو معاف نہیں کرتے ان میں ٹخنوں سے نیچے لباس لٹکانے والا بھی ہے (شعب الایمان) اس لئے دیکھنے میں یہ معمولی چیز معلوم ہوتی ہے لیکن کتنا بڑا گناہ ہوا کہ اللہ تعالیٰ اتنا سخت ناراض ہوتے ہیں، اگر ذرا سا لباس اوپر پہن لیں گے تو اس سے آپ کے ایٹی کیٹ کے اوپر کوئی فرق پڑنے والا نہیں ہے اور آپ کی تہذیب پر بھی کوئی آنچ نہیں آئے گی، بلکہ اللہ تعالیٰ راضی ہو جائیں گے، اور ایسا آدمی اللہ تعالیٰ کی ناراضگی سے اپنے آپ کو بچا لے جائے گا۔ بس یہی بہت بڑی بات ہے:

توحید تو یہ ہے کہ خدا حشر میں کہہ دے ❁ یہ بندہ دو عالَم سے خفا میرے لئے ہے

لوگ چاہے کچھ بھی کہتے رہیں، لیکن اللہ تعالیٰ کی خاطر آدمی اپنی ہیئت درست بنالے تو اللہ تعالیٰ راضی ہو جائیں گے۔ اور اصل خوشی اللہ تعالیٰ ہی کی ہے۔ دنیا میں لوگ خوش بھی ہو جائیں تو اس سے کیا فرق پڑتا ہے؟

اللہ تعالیٰ ہم سب کو توفیق عطا فرمائے۔

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

بتلایا تھا کہ پائجامہ لنگی وغیرہ جس سے ٹخنے ڈھپ جائیں اس کو پہننے کی اجازت نہیں ہے۔ آدھی پنڈلی تک رکھنا مستحب اور پسندیدہ ہے۔

معاشرت کی اہم نصیحتیں

۷۹۶:- وعن أَبِي جُرَيٍّ جابر بن سُلَيم رضی اللہ تعالیٰ عنہ قَالَ: رَأَيْتُ رَجُلاً يَصْدُرُ النَّاسُ عَنْ رَأْيِهِ، لا يَقُولُ شَيْئاً إلاَّ صَدَرُوا عَنْهُ، قُلْتُ: مَنْ هَذَا؟ قالوا: رسول الله صلی اللہ علیہ وسلم. قُلْتُ: عَلَيْكَ السَّلاَمُ يا رسول الله - مرّتين - قَالَ: (لاَ تَقُلْ: عَلَيْكَ السَّلاَمُ، عَلَيْكَ السَّلاَمُ تَحِيَّةُ المَوْتَى، قُلْ: السَّلاَمُ عَلَيْكَ) قَالَ: قُلْتُ: أَنْتَ رسول اللهِ؟ قَالَ: (أنَا رسول الله الَّذِي إِذَا أَصَابَكَ ضُرٌّ فَدَعَوْتَهُ كَشَفَهُ عَنْكَ، وَإِذَا أَصَابَكَ عَامُ سَنَةٍ، فَدَعَوْتَهُ أَنْبَتَهَا لَكَ، وَإِذَا كُنْتَ بِأَرْضٍ قَفْرٍ أَوْ فَلاَةٍ فَضَلَّتْ رَاحِلَتُكَ، فَدَعَوْتَهُ رَدَّهَا عَلَيْكَ) قَالَ: قُلْتُ: اعْهَدْ إِلَيَّ. قَالَ: (لاَ تَسُبَّنَّ أَحَداً) قَالَ: فَمَا سَبَبْتُ بَعْدَهُ حُرّاً، وَلاَ عَبْداً، وَلاَ بَعِيراً، وَلاَ شَاةً. (ولاَ تَحْقِرَنَّ مِنَ المَعْرُوفِ شَيْئاً، وأَنْ تُكَلِّمَ أخَاكَ وَأَنْتَ مُنْبَسِطٌ إلَيْهِ وَجْهُكَ، إنَّ ذَلِكَ مِنَ المَعْرُوفِ، وَارْفَعْ إزَارَكَ إِلَى نِصْفِ السَّاقِ، فَإِنْ أَبَيْتَ فَإِلَى الكَعْبَيْنِ، وَإِيَّاكَ وَإِسْبَالَ الإزَارِ فَإنَّهَا مِنَ المَخِيلَةِ. وَإنَّ اللهَ لاَ يُحِبُّ المَخِيلَةَ؛ وَإِنِ امْرُؤٌ شَتَمَكَ وعَيَّرَكَ بِمَا يَعْلَمُ فِيكَ فَلاَ تُعَيِّرْهُ بِمَا تَعْلَمُ فِيهِ، فَإِنَّمَا وَبَالُ ذَلِكَ عَلَيْهِ.

(رواه أبو داود والترمذي بإسناد صحيح، وقال الترمذي: حديث حسن صحيح)

ترجمہ:- حضرت جابر بن سُلَیم رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ میں نے ایک شخص کو دیکھا کہ لوگ ان کی باتوں کو قبول کرتے ہیں، وہ جو کہتے ہیں لوگ اس کو عملی جامہ پہناتے ہیں، وہ جو کہہ

دیتے ہیں لوگ اس کو اختیار کر لیتے ہیں۔ مَیں نے لوگوں سے پوچھا: یہ کون ہیں؟ لوگوں نے بتلایا: یہ اللہ کے رسول ﷺ ہیں۔ مَیں نے ملاقات کی اور دو مرتبہ کہا: ''علیک السلام یا رسول اللہ'' حضور اکرم ﷺ نے فرمایا: ''علیک السلام'' مت کہو، یہ مُردوں کا سلام ہے (اس زمانہ میں شعراء اپنے اشعار اور قصیدوں میں جب مردوں کے لیے سلام کا صیغہ استعمال کرتے تھے تو اسی طرح کہا کرتے تھے کہ ''علیک'' کو مقدم کرتے تھے، اس لیے حضور اکرم ﷺ نے فرمایا کہ) ''السلام علیک'' کہو۔ خیر! اس کے بعد انہوں نے کہا: کیا آپ اللہ کے رسول ہیں؟ نبیٔ کریم ﷺ نے فرمایا: میں اس اللہ کا رسول ہوں کہ جب تم کو کوئی تکلیف پہنچے اور تم اس کو پکارو تو اللہ تعالیٰ تمہاری اس تکلیف کو دور کر دے۔ اگر تم کو قحط سالی پیش آئے اور تم اللہ تعالیٰ سے دعا کرو تو وہ تمہارے لیے کھیتی اور غلہ اُگائے۔ اور جب تم کسی صحراء اور (بیابان) میں ہو، اور تمہاری سواری کا جانور گم ہو جائے اور تم اللہ تعالیٰ سے مانگو تو اللہ تعالیٰ اس کو لوٹا دے۔ مَیں نے نبیٔ کریم ﷺ سے کہا: آپ مجھے کوئی نصیحت فرمائیے۔ تو نبیٔ کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا: ۱ کسی کو گالی مت دینا، برا بھلا مت کہنا، کسی کو برے الفاظ سے مخاطب مت کرنا۔ فرماتے ہیں کہ نبیٔ کریم ﷺ کے اس نصیحت فرمانے کے بعد میں نے کبھی کسی کو برا بھلا نہیں کہا، نہ کسی آزاد کو، نہ کسی غلام کو، نہ اونٹ کو، نہ بکری کو۔ (پھر آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا) ۲ نیکی کے کسی بھی کام کو معمولی مت سمجھنا، ۳ اپنے مسلمان بھائی کے ساتھ ایسی حالت میں بات کرو کہ تمہارا چہرہ کھلا ہوا ہو، مسکراتے اور ہنستے چہرہ سے بات کرنا؛ یہ بھی نیکی کا کام ہے (اس سے سامنے والے کا جی خوش ہو جاتا ہے اور ہمارا کچھ خرچ نہیں ہوتا) ۴ اپنی لنگی کو آدھی پنڈلی تک اونچا رکھو۔ اگر آدھی پنڈلی تک رکھنا نہیں چاہتے تو ٹخنوں سے اوپر اوپر تک رکھ سکتے ہو۔ اور لنگی یا پائجامہ کو ٹخنوں سے نیچے لیجانے سے بچو، **اس لیے کہ یہ تکبر کی بات ہے،** اور اللہ تعالیٰ تکبر کو پسند نہیں کرتے۔ ۵ اگر کوئی آدمی تمہیں گالی دے، یا عار دلائے کسی ایسی بات پر جو تمہارے اندر موجود ہے، تو اب آپ کسی ایسے عیب کی وجہ سے جو اُس میں ہے؛ اُسے شرم مت

دلاؤ، اس لیے کہ اس نے جو حرکت کی ہے اس کا گناہ اور وبال اُس پر ہے۔

تو گفتار؛ وہ کردار

افادات:- یہ حضرات صحابہ رضی اللہ عنہم کی امتیازی صفت تھی کہ اگر وہ نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے درخواست کرتے کہ آپ ہمیں کوئی نصیحت فرمائیے، یا نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم از خود کسی بات پر ان کو تنبیہ فرماتے، تو بس! نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ایک مرتبہ ارشاد فرما دینا ان کی زندگی بھر کے لیے کافی ہو جاتا تھا۔ یہاں دیکھو! انہوں نے نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے نصیحت کی درخواست کی اور نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے جواب میں فرمایا: کسی کو گالی مت دینا تو اس کو انہوں نے ایسا پلّے باندھ لیا کہ انسان تو انسان؛ جانور تک کو کبھی گالی نہیں دی۔ بقول اقبال:

تجھے آباء سے اپنے کوئی نسبت ہو نہیں سکتی		کہ تو گفتار؛ وہ کردار، تو ثابت؛ وہ سیّارا

نیکی کے کسی بھی کام کو معمولی مت سمجھنا

’’**نیکی کے کسی بھی کام کو معمولی مت سمجھنا۔**‘‘ عام طور پر آدمی سوچتا ہے کہ یہ تو چھوٹا سا کام ہے، اور اس کو عملی جامہ نہیں پہناتا۔ گویا اس کام کو معمولی سمجھ کر چھوڑ دیتا ہے تو نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ہمیں تعلیم دی کہ نیکی کا کام تو کرنا ہی ہے، چاہے وہ چھوٹا ہو، یا بڑا؛ اس لیے کہ پتہ نہیں کونسی نیکی اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں قبول ہو کر ہمارے لیے نجات کا ذریعہ بن جائے۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کا مقولہ ہے: نیکی کے کام کو چھوٹا سمجھ کر چھوڑو مت، اور گناہ کے کام کو چھوٹا سمجھ کر کرو مت؛ پتہ نہیں کونسی نیکی ہمارے لیے نجات کا ذریعہ بن جائے اور پتہ نہیں کونسا گناہ ہلاکت کا سبب بن جائے۔

پائجامہ ٹخنوں سے نیچے لٹکانا ہی تکبر کی علامت ہے

یہاں تو یہ روایت اسی مقصد کے لیے لائے ہیں کہ نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ان صحابی

کو جو نصیحتیں فرمائیں ان میں یہ بھی تاکید فرمائی کہ لنگی آدھی پنڈلی تک رکھو۔ اور اگر آدھی پنڈلی تک رکھنا نہیں چاہتے تو ٹخنوں سے اوپر اوپر تک رکھ سکتے ہو، ٹخنے ڈھکنے نہیں چاہئیں لیکن پسندیدہ بات یہ ہے کہ آدھی پنڈلی تک ہو، نبیٔ کریم ﷺ کا طریقہ یہی تھا۔

''اور لنگی یا پائجامہ ٹخنوں سے نیچے تک لے جانے سے بچو، اس لیے کہ یہ تکبر کی بات ہے، اور اللہ تعالیٰ تکبر کو پسند نہیں کرتے'' دیکھو! اس روایت میں پائجامہ کو ٹخنوں سے نیچے لے جانے ہی کو تکبر کی علامت قرار دیا گیا ہے۔ اور گزشتہ درس میں مَیں نے بتلایا تھا کہ علماءِ محققین کا رجحان اسی طرف ہے کہ: کوئی آدمی لنگی، پائجامہ وغیرہ ٹخنوں سے نیچے پہنتا ہے، تو یہ ہر حال میں مکروہِ تحریمی ہے، چاہے تکبر سے ہو یا تکبر کے بغیر ہو؛ اس لیے کہ ٹخنوں سے نیچے پہننے ہی کو علامتِ کبر قرار دیا گیا ہے۔

تم ایسا مت کرو

نبیٔ کریم ﷺ نے ایک اور نصیحت فرمائی کہ اگر کوئی آدمی تمہیں گالی دے، یا کسی ایسی بات پر عار دلائے جو تمہارے اندر موجود ہے یعنی تمہارا کوئی عیب لوگوں کے سامنے ظاہر کر کے تمہیں شرم دلائی، تو اب آپ اس کے کسی ایسے عیب کی وجہ سے جو جانتے ہیں کہ اُس میں ہے؛ اُس کو شرم مت دلائیے۔ ہماری عادت تو یہ ہوتی ہے کہ اگر کوئی ہماری کسی کمزوری کو لوگوں کے سامنے ظاہر کر کے ہمیں شرمندہ کرنا چاہے تو ہم فوراً اس کی کسی بات کو ظاہر کر کے کہتے ہیں کہ تو بھی تو ایسا ہے۔ نبیٔ کریم ﷺ نے نصیحت فرمائی کہ اگر کوئی تمہارے ساتھ ایسا کرے تو اگر تم اس کے کسی عیب سے واقف ہو، تو اس کو عار مت دلاؤ؛ اس لیے کہ اس نے یہ جو حرکت کی ہے اس کا گناہ اس پر ہے۔

ٹخنوں سے نیچے کپڑا الٹکانے والے کی نماز اللہ تعالیٰ قبول نہیں فرماتے

۷۹۷:-وعن أبي هريرة رضی اللہ تعالیٰ عنہ قَالَ: بينما رَجُلٌ يُصَلِّي مسبلٌ إزَارَهُ، قَالَ لَهُ رسول الله صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم: ((اذْهَبْ فَتَوَضَّأْ)) فَذَهَبَ فَتَوَضَّأَ، ثُمَّ جَاءَ، فَقَالَ: ((اذْهَبْ فَتَوَضَّأْ)) فَقَالَ لَهُ رَجُلٌ: يَارسولَ اللهِ! مَالَكَ أَمَرْتَهُ أَنْ يَتَوَضَّأَ ثُمَّ سَكَتَّ عَنْهُ؟ قَالَ: إنَّهُ كَانَ يُصَلِّي وَهُوَ مُسْبِلٌ إزَارَهُ، وَإنَّ اللهَ لاَ يَقْبَلُ صَلاَةَ رَجُلٍ مُسْبِلٍ. (رواه أبو داود بإسناد صحيح عَلَى شرط مسلم)

ترجمہ:- حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں: ایک آدمی ایسی حالت میں نماز پڑھ رہا تھا کہ اس کی لنگی، یا پائجامہ ٹخنوں سے نیچے لٹک رہا تھا، نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس سے فرمایا: جاؤ! وضو کر کے آؤ۔ وہ گیا، وضو کر کے آیا، تو نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے دوبارہ فرمایا: جاؤ! وضو کر کے آؤ۔ اس پر ایک آدمی نے عرض کیا: اے اللہ کے رسول! کیا بات ہے کہ آپ نے اس کو وضو لوٹانے کی تاکید فرمائی، پھر خاموش ہو گئے؟ (یعنی وضو لوٹانے کے بعد نماز لوٹانے کا حکم نہیں دیا) تو نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا: یہ آدمی ٹخنوں سے نیچے لنگی رکھ کر نماز پڑھ رہا تھا اور ایسے آدمی کی نماز اللہ تعالیٰ قبول نہیں فرماتے۔

افادات:- نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے وضو لوٹانے کی تاکید اس لیے فرمائی تھی تاکہ اس کو اپنی غلطی کا احساس ہو جائے۔

کوئی ایسی بات کہتے جائیے!

۷۹۸:-وعن قيس بن بشر التَّغْلِبِيِّ، قَالَ: أَخْبَرَنِي أَبِي-وكان جَلِيساً

لأَبِي الدرداء-قَالَ: كَانَ بِدِمَشْق رَجُلٌ مِنْ أَصْحَابِ النَّبِيِّ ﷺ يقال لَهُ سهل بن الْحَنْظَلِيَّةِ وَكَانَ رَجُلاً مُتوَحِّداً قَلَّمَا يُجَالِسُ النَّاسَ، إِنَّمَا هُوَ صَلاَةٌ، فإذا فَرَغَ فَإِنَّمَا هُوَ تَسْبِيحٌ وَتَكْبِيرٌ حَتَّى يَأْتِي أَهْلَهُ.

فَمَرَّ بنا وَنَحْنُ عِنْدَ أَبِي الدَّرداء، فَقَالَ لَهُ أَبُو الدرداءِ: كَلِمَةً تَنْفَعُنَا وَلاَ تَضُرُّكَ. قَالَ: بَعَثَ رسول الله ﷺ سَرِيَّةً فَقَدِمَتْ، فَجَاءَ رَجُلٌ مِنْهُمْ فَجَلَسَ فِي الْمَجْلِسِ الَّذِي يَجْلِسُ فِيهِ رَسُولُ الله ﷺ، فَقَالَ لِرَجُلٍ إِلَى جَنْبِهِ: لَوْ رَأَيْتَنَا حِينَ الْتَقَيْنَا نَحْنُ وَالعَدُوُّ، فَحَمَلَ فُلانٌ وَطَعَنَ، فَقَالَ: خُذْهَا مِنِّي، وَأَنَا الغُلاَمُ الغِفَارِيُّ، كَيْفَ تَرَى فِي قَوْلِهِ؟ قَالَ: مَا أَرَاهُ إِلاَّ قَدْ بَطَلَ أَجْرُهُ. فَسَمِعَ بِذلِكَ آخَرُ، فَقَالَ: مَا أَرَى بِذلِكَ بَأْساً، فَتَنَازَعَا حَتَّى سَمِعَ رسول الله ﷺ، فَقَالَ: ((سُبْحَانَ الله؟ لاَ بَأْسَ أَنْ يُؤجَرَ وَيُحْمَدَ)) فَرَأَيْتُ أَبَا الدَّرْدَاء سُرَّ بِذلِكَ، وَجَعَلَ يَرْفَعُ رَأْسَهُ إِلَيْهِ، وَيَقُولُ: أأَنْتَ سَمِعْتَ ذَلِكَ مِنْ رَسُول الله ﷺ ؟ فيقول: نَعَمْ، فما زال يُعِيدُ عَلَيْهِ حَتَّى إِنِّي لأَقُولُ لَيَبْرُكَنَّ عَلَى رُكْبَتَيْهِ.

قَالَ: فَمَرَّ بِنَا يَوماً آخَرَ، فَقَالَ لَهُ أَبُو الدَّرْداء: كَلِمَةً تَنْفَعُنَا وَلاَ تَضُرُّكَ، قَالَ قَالَ لنا رسول الله ﷺ: الْمُنْفِقُ عَلَى الخَيْلِ، كَالبَاسِطِ يَدَهُ بالصَّدَقَةِ لاَ يَقْبضُهَا.

ثُمَّ مَرَّ بِنَا يوماً آخَرَ، فَقَالَ لَهُ أَبُو الدَّرْداء: كَلِمَةً تنفعنا وَلاَ تَضُرُّكَ، قَالَ: قَالَ رسول الله ﷺ: نِعْمَ الرَّجُلُ خُرَيمٌ الأَسَدِيُّ! لولا طُولُ جُمَّتِهِ وَإِسْبَالُ إِزَارِهِ! فَبَلَغَ ذَلِكَ خُرَيماً فَعَجَّلَ، فَأَخَذَ شَفْرَةً فَقَطَعَ بِهَا جُمَّتَهُ إِلَى أُذُنَيْهِ، وَرَفَعَ إِزارَهُ إِلَى أَنْصَافِ سَاقَيْهِ.

ثُمَّ مَرَّ بِنَا يَوماً آخَرَ فَقَالَ لَهُ أَبُو الدَّرْداء: كَلِمَةً تَنْفَعُنَا وَلاَ تَضُرُّكَ، قَالَ: سَمِعْتُ رسول الله ﷺ يقول: إِنَّكُمْ قَادِمُونَ عَلَى إِخْوانِكُمْ، فَأَصْلِحُوا

رِحَالَكُمْ، وَأَصْلِحُوا لِبَاسَكُمْ حَتَّى تَكُونُوا كَأَنَّكُمْ شَامَةٌ فِي النَّاسِ؛ فَإِنَّ اللهَ لَا يُحِبُّ الْفُحْشَ وَلَا التَّفَحُّشَ.

(رواہ أبو داود بإسنادٍ حسنٍ، إلاَّ قیس بن بشر فاختلفوا فی توثِیقِهِ وَتَضْعِیفِهِ . وَقَدْ روی لَهُ مسلم)

ترجمہ مع تشریح:- حضرت قیس بن بشر تغلبی کہتے ہیں کہ ان کے والد حضرت ابوالدرداء رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے پاس بیٹھا کرتے تھے۔ وہ فرماتے ہیں کہ دمشق میں نبئ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ایک صحابی حضرت سہل بن حنظلیہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ رہا کرتے تھے جو تنہائی پسند آدمی تھے، ان کو لوگوں سے ملنا جلنا زیادہ پسند نہیں تھا (نماز پڑھنے کے لیے مسجد آتے تھے) جب نماز سے فارغ ہوجاتے تو تسبیح وتکبیر میں مشغول ہوجاتے، یہاں تک کہ فارغ ہوکر گھر چلے جاتے۔ لوگوں کے ساتھ اُٹھتے بیٹھتے نہیں تھے۔

ایک روز ہم حضرت ابوالدرداء رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے پاس بیٹھے ہوئے تھے تو حضرت سہل رضی اللہ تعالیٰ عنہ وہاں سے گزرے، حضرت ابوالدرداء رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ان سے کہا: کوئی ایسی بات کہتے جایئے جس میں ہمارا فائدہ ہو، اور آپ کا نقصان نہ ہو (جب حضرت ابوالدرداء جیسے صحابی نے یہ درخواست کی) تو فوراً انہوں نے فرمایا: ایک مرتبہ نبئ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے لشکر کی ایک ٹکڑی بھیجی، جب وہ لوگ اپنی اس مہم کو سر کر کے واپس آئے تو اس لشکر کا ایک آدمی اس مجلس میں آکر بیٹھا جس میں نبئ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم بھی تشریف فرما تھے، اور اپنے پاس بیٹھنے والے ایک آدمی سے اس نے کہا: جب ہمارا مقابلہ دشمن کے ساتھ ہوا اس وقت اگر تم ہمیں دیکھتے تو ہمارے لشکر کی ٹکڑی میں سے فلاں آدمی نے دشمن پر حملہ کرتے ہوئے اور نیزہ چلاتے ہوئے یوں کہا کہ لو! میری طرف سے یہ وار قبول کرو، مَیں قبیلۂ غِفَار کا بہادر نوجوان ہوں۔

(مطلب یہ ہے کہ دشمن سے مقابلہ کے وقت اپنی بہادری کے اظہار کے لیے اس نے یہ جملہ کہا۔ ویسے تو کوئی ایسی بات اپنی زبان سے کہنا جس میں اپنی بڑائی ظاہر

ہوتی ہو، شریعت اس کی اجازت نہیں دیتی، لیکن بعض مواقع میں کسی مصلحت کے پیشِ نظر اگر ضرورت ہو تو اس کی گنجائش دی گئی ہے، مثلاً دشمن کے مقابلہ میں دشمن کو زیر کرنے کے لیے اور ان کے اوپر اپنا رعب ڈالنے کے لیے ایسا کہنا کہ: آجاؤ! میرے مقابلہ میں، کون ہے جو میرا مقابلہ کرے گا؟ تو ایسا کہنے کی اجازت ہے۔

جنگِ اُحد کے موقعہ پر نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: یہ تلوار اس کا حق ادا کرنے کی شرط پر میرے پاس سے کون لے گا؟ ایک صحابی حضرت ابودُجانہ سماک بن خَرَشَہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے مانگی اور وہاں سے بڑے اِتراتے ہوئے اپنی بہادری کا تذکرہ کرتے ہوئے نکلے، جب نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ان کو اس طرح اکڑ کر چلتے ہوئے دیکھا تو فرمایا: ویسے تو یہ چال اللہ تعالیٰ کو بہت ناپسند ہے، مگر لڑائی کے میدان میں دشمن پر اپنا رعب ڈالنے کے واسطے اللہ تعالیٰ کو پسند ہے۔ (سیرۃ المصطفیٰ، کتب خانہ مظہری، جلد ۲، ص: ۱۹۳۔ بحوالہ البدایہ والنہایۃ)

اس کا یہ جملہ نقل کرنے کے بعد وہ پوچھتا ہے کہ: اس کا یہ جملہ تمہارے نزدیک کیا حیثیت رکھتا ہے؟ اس کو ایسا کہنا چاہیے تھا؟ یہ اچھی بات ہوئی یا بری بات ہوئی؟ اس نے کہا: مَیں تو یوں سمجھتا ہوں کہ اس کا ثواب اور اجر ضائع ہوگیا (یعنی اس نے اپنے کارنامہ کے لیے اپنی بڑائی کے الفاظ استعمال کیے، گویا اس نے یہ کام دکھلاوے کے واسطے کیا، اس لیے اس کا ثواب ختم ہوگیا۔ اس آدمی نے اپنا تبصرہ اور ''Review'' پیش کیا) ایک اور آدمی بھی وہاں بیٹھا ہوا تھا، اس نے جب یہ بات سنی تو کہا: میرے نزدیک تو ایسا کہنے میں کوئی حرج کی بات نہیں ہے۔ دشمن کے مقابلہ میں ایسا کہنے کی اجازت ہے۔ ان دونوں میں بحث شروع ہوگئی، یہاں تک کہ ان دونوں کی آواز نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے گوش مبارک میں پڑی، تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: سبحان اللہ؟ (یہ جملہ تعجب کے موقع پر کہا جاتا ہے، یعنی یہ بھی کوئی آپس میں لڑنے جھگڑنے کی چیز ہے؟) اس میں کیا حرج کی بات ہے کہ اپنی بہادری کی تعریف بھی کی جائے اور اس پر اللہ

تعالیٰ کی طرف سے اجر بھی ملے (مطلب یہ ہے کہ جب دشمن کے مقابلہ میں اس نے یہ جملہ کہا تو اس میں کوئی حرج کی بات نہیں تھی۔)

(بشر تغلبی کہتے ہیں کہ جب حضرت سہل بن حنظلیہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی یہ بات نقل فرمائی) تو حضرت ابوالدرداء رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو میں نے دیکھا کہ یہ سن کر وہ بہت خوش ہوئے اور اپنا سر اونچا کرتے ہوئے کہا: کیا تم نے خود حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو یہ فرماتے ہوئے سنا ہے؟ حضرت سہل رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے کہا: جی ہاں! حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو یہ فرماتے ہوئے میں نے خود سنا ہے۔ اور حضرت سہل رضی اللہ تعالیٰ عنہ بار بار یہ کہتے ہوئے کہ ''جی ہاں! میں نے خود سنا ہے'' حضرت ابوالدرداء رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے اتنے قریب آ گئے کہ مجھے یہ خیال ہوا کہ کہیں حضرت سہل رضی اللہ تعالیٰ عنہ حضرت ابوالدرداء رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے گھٹنوں پر بیٹھ نہ جائیں۔

بشر تغلبی کہتے ہیں کہ پھر کسی اور دن حضرت سہل رضی اللہ تعالیٰ عنہ ہمارے پاس سے گزرے تو حضرت ابوالدرداء رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ان سے کہا: کوئی بات کہتے جائیے جس سے ہمارا کچھ فائدہ ہو اور آپ کا کوئی نقصان نہ ہو۔ اس پر حضرت سہل رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے کہا: ہم سے نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا: آدمی اپنے (اس) گھوڑے پر (جس کو جہاد میں شریک ہونے کے لیے پال رکھا ہے) جو کچھ خرچ کرتا ہے، وہ ایسا ہے جیسے کسی نے صدقہ کرنے کے لیے اپنے ہاتھ کھول دیئے ہوں اور مسلسل صدقہ کئے جا رہا ہو (اُس کو جیسا ثواب ملتا ہے اِس کو بھی ایسا ہی ثواب ملتا ہے۔)

خُرَیم اَسدی اچھے آدمی ہیں اگر......

(بشر تغلبی کہتے ہیں کہ) پھر کسی اور دن حضرت سہل رضی اللہ تعالیٰ عنہ حضرت ابوالدرداء رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی مجلس کے پاس سے گزر رہے تھے تو حضرت ابوالدرداء رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ان سے کہا: کوئی بات کہتے جائیے جس سے ہمیں فائدہ پہنچے اور آپ کا کوئی نقصان نہ ہو۔ اس پر حضرت سہل رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے کہا:

ایک روز نبیٔ کریم ﷺ نے اپنی مجلس میں فرمایا: حضرت خریم بن فاتک اسدی رضی اللہ تعالیٰ عنہ بڑے اچھے آدمی ہیں اگر ان کے بال زیادہ لمبے نہ ہوتے اور ان کی لنگی ٹخنوں سے نیچی نہ ہوتی۔ نبیٔ کریم ﷺ کا یہ جملہ حضرت خریم رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو پہنچا اور نبیٔ کریم ﷺ کی منشاء معلوم ہوئی تو فوراً اس پر عمل کرلیا کہ چاقو لیا اور اپنے بالوں کو کاٹ دیا یہاں تک کہ کانوں کی لَو تک کرلیے، اور اپنی لنگی آدھی پنڈلی تک اونچی کرلی۔ (یہاں اس روایت کو اسی بات کو بتلانے کے لیے پیش کیا ہے)۔

اللہ تعالیٰ برائی کو پسند نہیں کرتے

(بشر تغلبی کہتے ہیں کہ) پھر کسی اور دن حضرت سہل رضی اللہ تعالیٰ عنہ ہمارے پاس سے گزر رہے تھے تو حضرت ابوالدرداء رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے پھر ان سے کہا: کوئی بات کہتے جائیے جس سے ہمیں فائدہ پہنچے اور آپ کا کوئی نقصان نہ ہو۔ انہوں نے کہا: میں نے نبیٔ کریم ﷺ کو فرماتے ہوئے سنا کہ جب تم اپنے بھائیوں کے پاس پہنچنے والے ہو تو اپنے کجاووں اور سواریوں کو ٹھیک کرلو اور اپنے لباس بھی درست کرلو، یہاں تک کہ تمہارا حال ایسا ہوجائے جیسے جسم میں تِل کا ہوا کرتا ہے (کسی حسین چہرے پر تِل ہو تو اس تِل کی وجہ سے چہرے کی خوبصورتی میں کمی نہیں آتی بلکہ اضافہ ہوجاتا ہے) اس لیے کہ اللہ تعالیٰ برائی کو پسند نہیں کرتے۔

پائجامہ آدھی پنڈلی تک ہونا چاہیے

۷۹۹:- وعن أَبي سعيد الخدريِّ رضی اللہ تعالیٰ عنہ قَالَ: قَالَ رسولُ الله ﷺ: إِزْرَةُ الْمُسْلِمِ إِلَى نِصْفِ السَّاقِ، وَلَا حَرَجَ - أَوْ لَا جُنَاحَ - فِيمَا بَيْنَهُ وَبَيْنَ الْكَعْبَيْنِ، فَمَا كَانَ أَسْفَلَ مِنَ الْكَعْبَيْنِ فَهُوَ فِي النَّارِ، وَمَنْ جَرَّ إِزَارَهُ بَطَرًا لَمْ يَنْظُرِ اللهُ إِلَيْهِ. (رواه أَبو داود بإسنادٍ صحيحٍ)

ترجمہ:- حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ نبیٔ کریم ﷺ نے ارشاد

فرمایا: مؤمن کی لنگی (یا پائجامہ) آدھی پنڈلی تک ہونا چاہیے (یہ پسندیدہ صورت ہے) اور اگر اس سے نیچے ٹخنوں سے اوپر ہو تو اس میں بھی کوئی حرج کی بات نہیں ہے۔ اور جو کپڑا ٹخنوں سے نیچے ہوگا وہ جہنم میں جائے گا، اور جس نے اپنی لنگی کو تکبر کی وجہ سے ٹخنوں سے نیچے لٹکایا تو اللہ تعالیٰ قیامت کے روز اس کی طرف نظرِ رحمت سے نہیں دیکھیں گے۔

عبداللہ! اپنی لنگی اونچی کرو

۸۰۰:- وعن ابن عمر رضی اللہ عنہما قَالَ: مررتُ عَلَى رسولِ الله صلی اللہ علیہ وسلم وفی إِزَارِی استرخاءٌ، فَقَالَ: يَا عَبدَ اللهِ، ارْفَعْ إِزَارَكَ. فَرَفَعْتُهُ ثُمَّ قَالَ: زِدْ. فَزِدْتُ، فَمَا زِلْتُ أَتَحَرَّاهَا بَعْدُ. فَقَالَ بَعْضُ الْقَوْمِ: إِلَى أَينَ؟ فَقَالَ: إِلَى أَنْصَافِ السَّاقَيْنِ. (رواہ مسلم)

ترجمہ:- حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ ایک مرتبہ میرا گزر نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس سے ہوا اور میری لنگی نیچی تھی، تو نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اے عبداللہ! اپنی لنگی اونچی کرو۔ مَیں نے ذرا اونچی کرلی۔ پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اور اونچی کرو۔ تو مَیں نے اور اونچی کرلی۔ وہ فرماتے ہیں کہ اس کے بعد میں برابر اس کا خیال رکھتا ہوں۔ کسی نے پوچھا: لنگی کہاں تک ہونی چاہیے؟ تو حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما نے فرمایا: آدھی پنڈلی تک۔ (یہی مستحب اور پسندیدہ ہے۔)

عورتیں کیا کریں؟

۸۰۱:- وعنه، قَالَ: قَالَ رسولُ الله صلی اللہ علیہ وسلم: مَنْ جَرَّ ثَوْبَهُ خُيَلَاءَ لَمْ يَنْظُرِ اللهُ إِلَيْهِ يَوْمَ الْقِيَامَةِ. فَقَالَتْ أُمُّ سَلَمَةَ: فَكَيْفَ تَصْنَعُ النِّسَاءُ بِذُيُولِهِنَّ؟ قَالَ: يُرْخِينَ شِبْراً. قالت: إِذاً تَنْكَشِفُ أَقْدَامُهُنَّ. قَالَ: فَيُرْخِينَهُ ذِرَاعاً لَا يَزِدْنَ. (رواه أبو داود والترمذی، وقال: حدیث حسن صحیح)

ترجمہ:- حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما کی روایت ہے کہ نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا: جو آدمی اپنا لباس (لنگی، پائجامہ، پتلون، کرتہ) تکبر کی وجہ سے ٹخنوں سے نیچا رکھے گا، تو قیامت کے روز اللہ تعالیٰ اس کی طرف نظرِ رحمت سے نہیں دیکھیں گے۔ حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا نے عرض کیا: اے اللہ کے رسول! عورتیں کیا کریں؟ (کیا وہ بھی اونچا رکھیں؟) تو نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا: عورتیں (آدھی پنڈلی سے) ایک بالشت نیچا رکھیں۔ انہوں نے عرض کیا: آدھی پنڈلی سے ایک بالشت نیچا رکھنے میں تو پاؤں کھل جائیں گے۔ تو نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا: تو پھر ایک ہاتھ نیچا رکھیں، اس سے زیادہ نہیں۔

افادات:- یعنی اتنا نیچا نہیں کہ زمین کے ساتھ گھسٹنے لگے کہ اس صورت میں کپڑے ناپاک ہونے کا اندیشہ رہتا ہے۔ ہاں! پورا پاؤں ڈھپ جائے؛ یہ عورتوں کے لیے ضروری ہے۔

إستحباب ترك الترفع

فی اللباس تواضعاً

تواضع وانکساری کے پیشِ نظر

اونچے اور عمدہ لباس کا چھوڑ دینا

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

تواضع اور انکساری کے پیشِ نظر کسی آدمی کا اونچے اور عمدہ لباس کو چھوڑ دینا، تا کہ طبیعت کے اندر بڑائی کا مادّہ پیدا نہ ہو۔

پہلے بتلا دیا تھا کہ آدمی کو اپنی مالی حیثیت کے مطابق لباس استعمال کرنے کی اجازت ہے، بلکہ استعمال کرنا چاہیے۔ لیکن اعلیٰ لباس پہننے کی صورت میں اگر یہ اندیشہ ہو کہ طبیعت کے اندر تکبر اور بڑائی پیدا ہو جائے گی، اس سے بچنے اور اپنی طبیعت میں تواضع و انکساری پیدا کرنے کے لیے اگر معمولی لباس پہنتا ہے؛ تو یہ پسندیدہ ہے۔

قیامت کے روز ایمان کا جوڑا ملے گا

۸۰۲:- وعن معاذ بن أنسٍ رضی اللہ تعالی عنہ أنَّ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم قال: مَنْ تَرَكَ اللِّبَاسَ تَوَاضُعاً لِلّٰهِ، وَهُوَ يَقْدِرُ عَلَيْهِ، دَعَاهُ اللهُ يَوْمَ الْقِيَامَةِ عَلَى رُؤُوسِ الْخَلَائِقِ حَتّٰى يُخَيِّرَهُ مِنْ أَيِّ حُلَلِ الْإِيْمَانِ شَاءَ يَلْبَسُهَا. (رواہ الترمذی، وقال: حدیث حسن)

ترجمہ:- حضرت معاذ بن اَنس رضی اللہ تعالی عنہ سے منقول ہے کہ نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا: جو آدمی عمدہ لباس پہن سکتا تھا (لیکن) اللہ کے واسطے تواضع وانکساری اختیار کرتے ہوئے اس کو چھوڑ دیا (اور معمولی لباس اختیار کیا) تو قیامت کے روز اللہ تعالیٰ اس کو تمام لوگوں کے سامنے بلائیں گے، یہاں تک کہ اس کو اختیار دیں گے کہ ایمان کے جوڑوں میں سے جونسا پسند ہو پہن لو۔

افادات:- کیوں کہ اس نے اپنی حیثیت اونچی ہونے کے باوجود محض اللہ کے واسطے تواضع کے پیشِ نظر معمولی لباس اختیار کیا تھا۔ ایک تو شکل یہ ہے کہ حیثیت ہے اور معمولی لباس بخل کی وجہ سے پہنتا ہے؛ اس کی تو اجازت نہیں ہے۔ پہلے بھی بتلا چکا ہوں کہ ایک آدمی کے جسم پر معمولی لباس دیکھ کر نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے پوچھا کہ

تمہارے پاس مال ہے؟ کہا: ہے۔ پوچھا: کون سا ہے؟ کہا: ہر طرح کا مال ہے۔ تو فرمایا: پھر تو اس کا اثر تمہارے جسم پر نظر آنا چاہیے۔ وہاں نبیٔ کریم ﷺ نے یہ محسوس کیا تھا کہ اس آدمی نے عمدہ لباس پہننے کی قدرت ہونے کے باوجود معمولی لباس پر اکتفاء بخل کی وجہ سے کیا ہے، تو اس پر کیا ثواب ملے گا؟ ہاں! اگر اللہ کے واسطے تواضع و انکساری کے پیشِ نظر ایسا کرتا ہے، تو یہ اللہ تعالیٰ کے لیے قربانی دینا ہے، تو پھر اس کے ساتھ انعام والا معاملہ کیا جائے گا۔

إستحباب التوسّط فی اللّبَاس

وَلاَ یقْتصر عَلیٰ مَا یزْری بِهِ

لِغَیْر حاجةٍ وَلاَ مقْصودٍ شرْعی

لباس کے معاملہ میں میانہ روی اختیار کرنا

اور

بغیر کسی حاجت اور بغیر کسی شرعی مقصد کے

ایسا لباس نہیں پہننا چاہیے جو عیب کا ذریعہ ہو

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

لباس کے معاملہ میں میانہ روی اختیار کرنا، نہ بہت اعلیٰ ہو، اور نہ بہت گھٹیا ہو؛ بلکہ اپنی حیثیت کے مطابق پہنے۔ اور بغیر کسی حاجت اور بغیر کسی شرعی مقصد کے ایسا لباس نہیں پہننا چاہیے جو عیب کا ذریعہ ہو کہ لوگ اس کی وجہ سے اس پر تنقید کریں۔

پہلے بھی بتلا دیا تھا کہ اگر اللہ تعالیٰ نے وسعت دی ہو تو آدمی عمدہ لباس استعمال کرے۔ نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم لباس کے معاملہ میں کوئی خاص اہتمام نہیں فرماتے تھے، جو میسر آ گیا وہ پہن لیا کرتے تھے۔ عمدہ لباس بھی پہنا ہے، ایک مرتبہ ایک جوڑا دو ہزار دینار کی قیمت کا زیب تن فرمایا ہے( ) دینار سونے کا سکہ ہوتا ہے، گویا آج کل کے حساب سے نوے کیلو سونے کی قیمت ہوتی ہے، اتنا قیمتی لباس پہننا بھی ثابت ہے۔

نعمت کا اثر بندہ پر دِکھنا چاہیے

۸۰۳:- عن عمرو بن شعیب عن أبیہِ عن جَدِّہٖ رضی اللہ تعالیٰ عنہ قَالَ قَالَ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم: إِنَّ اللہَ یُحِبُّ أَنْ یُرَی أَثَرُ نِعْمَتِہٖ عَلَی عَبْدِہٖ. (رواہ الترمذی، وقال: حدیث حسن)

ترجمہ:- عمرو بن شعیب اپنے والد سے وہ اپنے دادا حضرت عبد اللہ بن عمرو بن عاص رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے نقل کرتے ہیں کہ نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا: اللہ تعالیٰ اس بات کو پسند کرتے ہیں کہ اس کی نعمت کا اثر اس کے بندے کے اوپر نظر آئے۔

افادات:- عمدہ لباس تکبر کی وجہ سے نہ پہنے، بلکہ اس نیت سے پہنے کہ اے اللہ! تو نے ایک نعمت دی ہے اس کی قدر دانی کرتے ہوئے میں پہن رہا ہوں۔ اگر عمدہ لباس پہن کر یہ سمجھے گا کہ میں بڑا بن گیا، تو گناہ کی بات ہو جائے گی۔ اور یہ

دونوں چیزیں ایسی ہیں جو دل سے تعلق رکھتی ہیں، اس لیے آدمی اپنے دل کو ٹٹول کر معلوم کرلے کہ جذبہ کیا ہے۔ جیسے: باپ اپنے بیٹے کو کھانے پینے میں ہر طرح کی وسعت دیتا ہو، اس کے باوجود بیٹا بھوکا رہتا ہو اور کمزور ہوتا جا رہا ہو، تو باپ کو اس کی یہ بات اچھی نہیں لگتی۔

باب تحریم لباس الحریر عَلَی الرجال وتحریم جلوسهم عَلَیْهِ واستنادهم إِلَیْهِ وجواز لبسه للنساء

ریشمی لباس کا استعمال مردوں کے لیے حرام ہے عورتوں کے لیے جائز ہے

بِسۡمِ اللّٰهِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

جو دنیا میں ریشم پہنے

۸۰۴:-عن عمر بن الخطّاب رضی اللہ تعالیٰ عنہ قَالَ قَالَ رسول الله صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم : لاَ تَلْبَسُوا الحَرِيرَ ؛ فَإنَّ مَنْ لَبِسَهُ فِي الدُّنْيَا لَمْ يَلْبَسْهُ فِي الآخِرَةِ . (متفقٌ عَلَيْهِ)

ترجمہ:- حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا: ریشم مت پہنو، جو آدمی دنیا میں ریشم پہنے گا وہ آخرت میں نہیں پہن سکے گا۔

۸۰۵:-وعنه قَالَ سَمِعْتُ رسولَ الله صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم يقول: إنَّمَا يَلْبَسُ الحَرِيرَ مَنْ لاَ خَلاَقَ لَهُ. وفي رواية للبخاري : مَنْ لاَ خَلاَقَ لَهُ فِي الآخِرَةِ .

قَوْله : ((مَنْ لاَ خَلاَقَ لَهُ)) أيْ : لاَ نَصِيبَ لَهُ .

ترجمہ:- حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو یہ ارشاد فرماتے ہوئے سنا: ریشم وہی مرد پہنتا ہے جس کا آخرت میں کوئی حصہ نہ ہو۔

۸۰۶:- وعن أنس رضی اللہ تعالیٰ عنہ قَالَ قَالَ رسول الله صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم: مَنْ لَبِسَ الحَرِيرَ فِي الدُّنْيَا لَمْ يَلْبَسْهُ فِي الآخِرَةِ. (متفقٌ عَلَيْهِ)

ترجمہ:- حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے منقول ہے کہ نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: دنیا میں جو آدمی ریشم پہنے گا، وہ آخرت میں نہیں پہن سکے گا۔

افادات:- چوں کہ اس نے ریشم پہن کر ایک گناہ کا کام کیا، تو جب تک اس گناہ کی سزا نہ بھگت لے، جنت میں نہیں جائے گا۔

اور یہ بھی ممکن ہے کہ جنت میں جا کر بھی اس کی طبیعت میں قدرتی طور اس کا تقاضہ ہی پیدا نہ ہو۔ اس لیے کہ جنت کے بارے میں آتا ہے: "وَلَكُمْ فِيهَا مَا تَشْتَهِيْ أَنْفُسُكُمْ" جو جی چاہے گا وہاں وہ ملے گا، اس لیے ایسا نہیں ہوگا کہ جی چاہے اور نہ ملے۔

میری امت کے مردوں پر یہ دونوں حرام ہیں

۸۰۷:- وعن علي رضی اللہ تعالیٰ عنہ قَالَ: رأيتُ رسولَ الله صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم أخَذَ حريراً، فَجَعَلَهُ فِي يَمِينِهِ، وَذَهَباً، فَجَعَلَهُ فِي شِمَالِهِ، ثُمَّ قَالَ: إِنَّ هٰذَيْنِ حَرَامٌ عَلَى ذُكُورِ أُمَّتِي. (رواه أبو داود بإسنادٍ صحيحٍ)

ترجمہ:- حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ میں نے نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو دیکھا کہ آپ نے ریشم کو اپنے داہنے ہاتھ میں لیا، اور سونے کو بائیں ہاتھ میں پکڑا، پھر (دونوں کی طرف اشارہ کرتے ہوئے) فرمایا: اللہ تعالیٰ نے یہ دونوں چیزیں میری امت کے مردوں پر حرام کر دی ہیں۔

۸۰۸:- وعن أبي موسى الأشعري رضی اللہ تعالیٰ عنہ أنَّ رسول الله صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم قَالَ:

حُرِّمَ لِبَاسُ الحَرِيرِ وَالذَّهَبِ عَلَىٰ ذُكُورِ أُمَّتِي، وَأُحِلَّ لِإِنَاثِهِمْ.

(رواہ الترمذی وقال حدیث حسن صحیح)

ترجمہ:- حضرت ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا: ریشمی لباس اور سونا میری امت کے مردوں کے لیے حرام کردیا گیا ہے، اوران کی عورتوں کے لیے اجازت دی گئی ہے۔

۸۰۹:- وعن حُذَيْفَةَ رضی اللہ تعالیٰ عنہ قَالَ: نَهَانَا النَّبِيُّ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم أَنْ نَشْرَبَ فِي آنِيَةِ الذَّهَبِ وَالفِضَّةِ، وأَنْ نَأْكُلَ فِيهَا، وعَنْ لُبْسِ الحَرِيرِ وَالدِّيبَاجِ، وأَنْ نَجْلِسَ عَلَيْهِ. (رواہ البخاری)

ترجمہ:- حضرت حذیفہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے منقول ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ہمیں منع کیا کہ ہم سونے چاندی کے برتنوں میں کھائیں پئیں۔ اور ریشم ودیباج کو پہنیں اوراس پر بیٹھیں۔

افادات:- ریشم اور سونے چاندی کے زیور عورتیں پہن سکتی ہیں، شریعت نے ان کی کمزوری پر رحم کیا کہ وہ صبر نہیں کرسکیں گی، اس لیے ان کو یہ دونوں استعمال کرنے کی اجازت ہے۔

جواز لبس الحرير لمن بِهِ حِكَّة

کسی عذر کی وجہ سے ریشم کا استعمال

جیسے کسی کو کھجلی ہوگئی، اب اگر وہ سوتی لباس استعمال کرتا ہے تو اس کی وجہ سے اس کی تکلیف بڑھ جاتی ہے، تو اس کو ریشم استعمال کرنے کی اجازت ہے۔ بعض صحابہؓ غزوہ کے سفر میں تھے، وہاں اور کوئی تدبیر ممکن نہیں تھی، اور کھجلی سے بچاؤ کے لیے

سوائے ریشمی کپڑے کے اور کوئی لباس استعمال کرنا مفید نہیں تھا، تو ضرورت کی وجہ سے ضرورت کی حد تک اجازت دی گئی۔

۸۱۰:-عن أنسٍ رضی اللہ تعالیٰ عنہ قَالَ: رَخَّصَ رسولُ الله صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم لِلزُّبَيْرِ وعَبْدِ الرَّحمان بن عَوْفٍ رضی اللہ عنہما فی لُبْسِ الحَرِيرِ لِحَكَّةٍ كَانَتْ بِهِما. (متفقٌ عَلَيْهِ)

ترجمہ:- حضرت اَنس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے منقول ہے کہ حضرت زبیر اور حضرت عبد الرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہما کو نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے خارش کی وجہ سے ریشمی لباس پہننے کی اجازت دی تھی۔

النهي عن افتراش جلود النمور والركوب عَلَيْهَا

چیتے کی کھال بچھا کر بیٹھنے کی ممانعت

ایک اور باب قائم کیا ہے کہ چیتے کی کھال بچھا کر اس پر بیٹھنا، یا چیتے کی کھال کو گھوڑے کی زین پر رکھ کر اس پر سواری کرنے کی ممانعت۔

یہ دراصل متکبر لوگوں کا طریقہ اور شیوہ ہونے کی وجہ سے منع ہے، اس کے استعمال کی وجہ سے آدمی کے مزاج میں کبر پیدا ہوتا ہے، اس لیے نبئ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس سے منع فرمایا ہے۔ یہ حکم حرمت کا نہیں ہے بلکہ کراہت کا ہے، یعنی مناسب نہیں ہے۔

۸۱۱:- عن معاوية رضی اللہ تعالیٰ عنہ قَالَ: قَالَ رسول الله صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم: لَا تَرْكَبُوا الْخَزَّ، وَلَا النِّمَارَ. (حديث حسن، رواه أبو داود وغيره بإسناد حسن)

ترجمہ:- حضرت معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ نبئ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا: ریشم بچھا کر اس پر سواری مت کرو، اور نہ چیتے کی کھال پر سواری کرو۔

۸۱۲:- وعن أَبي المليح، عن أبيه رضی اللہ تعالیٰ عنہ أَنَّ رسول الله صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نَهَى عَنْ جُلُودِ السِّبَاعِ. (رواه أبو داود والترمذيُّ والنسائيُّ بأسانيد صحاح)

وفي رواية للترمذي: نَهَى عَنْ جُلُودِ السِّبَاعِ أَنْ تُفْتَرَشَ.

ترجمہ:- ابوملیح اپنے والد سے نقل کرتے ہیں کہ نبئ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے درندوں کی کھالوں (کو بچھا کر اس) پر بیٹھنے سے منع فرمایا۔

مَا يقول إِذَا لبس ثوباً جديداً أَوْ نعلاً أَوْ نحوه

نیا کپڑا، نیا جوتا، وغیرہ پہنتے وقت کیا دعا پڑھے؟

نیا لباس پہننے کی دعا

لباس کے قبیل کی کوئی بھی نئی چیز پہنے، جیسے: نیا کرتہ، نیا پائجامہ، نئی صدری؛ تو اس وقت کیا دعا پڑھنی چاہیے؟

۸۱۳:-عن أَبي سعيد الخدري رضی اللہ تعالیٰ عنہ قَالَ: كَانَ رسول الله صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم إِذَا اسْتَجَدَّ ثَوباً سَمَّاهُ باسْمِهِ-عِمَامَةً، أَوْ قَميصاً، أَوْ رِدَاءً-يقولُ: اللَّهُمَّ لَكَ الْحَمْدُ أَنْتَ كَسَوْتَنِيهِ، أَسْأَلُكَ خَيْرَهُ وَخَيْرَ مَا صُنِعَ لَهُ، وَأَعوذُ بِكَ مِنْ شَرِّهِ وَشَرِّ مَا صُنِعَ لَهُ. (رواه أبو داود والترمذي، وقال: حديث حسن)

ترجمہ:-حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم جب کوئی نیا کپڑا پہنتے تھے تو اس کا نام لیتے تھے، عمامہ ہوتا تو فرماتے عمامہ، کرتہ ہوتا تو فرماتے کرتہ، چادر

ہوتی تو فرماتے چادر۔ اور پھر یہ دعا پڑھتے : اے اللہ! تیری ہی تعریف ہے کہ تو نے مجھے یہ لباس پہنایا، اے اللہ! اس لباس کے اندر جو بھلائی رکھی گئی ہے اور جن اچھے مقاصد کے لیے یہ لباس بنایا گیا ہے (یعنی سترِ عورت، یا سردی وگرمی سے بچاؤ) اس کا مَیں تجھ سے سوال کرتا ہوں۔ اور اے اللہ! اس لباس کی برائی اور جن برے مقاصد کے لیے یہ لباس استعمال کیا جاتا ہے، اس کی برائی سے مَیں تیری پناہ چاہتا ہوں۔

افادات:- مثلاً بعض لوگ لباس پہن کر فخر کرتے ہیں، اِتراتے ہیں، تو اے اللہ! اس لباس کو پہن کر اِترانے سے تیری پناہ چاہتا ہوں۔

ہر نئی چیز استعمال کرنے کی یہی دعا ہے

جب بھی کوئی نئی چیز آدمی کے ہاتھ میں آئے اور اس کا استعمال شروع کرے، اس موقعہ پر اس دعا کو پڑھنے کی تاکید کی گئی ہے۔ گویا اس طریقہ سے ہر کام میں بندہ کا تعلق اللہ تعالیٰ کی ذات کے ساتھ قائم کرایا گیا ہے کہ کوئی نئی چیز آپ کے پاس آئی تو اس وقت اللہ تعالیٰ کی تعریف بھی کیجیے کہ اس نے یہ نعمت آپ کو عطا فرمائی، اور ساتھ ہی ساتھ اس چیز کے اندر جو بھلائی رکھی گئی ہے اس کا سوال کیجیے اور جو برائی رکھی گئی ہے اس سے پناہ طلب کیجیے۔

جیسے: ہم نئی گاڑی لائے، تو ہمیں کبھی یاد نہیں رہتا کہ یہ دعا پڑھیں: اے اللہ! تو نے محض اپنے فضل سے مجھے یہ نعمت عطا فرمائی ہے، اس کے اندر جو خیر و بھلائی ہے اس کا مَیں تجھ سے سوال کرتا ہوں، اور اس میں جو شر و برائی ہے اس سے تیری پناہ چاہتا ہوں۔ اگر ہم اس دعا کا اہتمام کریں گے تو ان شاء اللہ اس کے شر سے حفاظت ہوگی۔

آداب النوم والاضطجاع

سونے اور لیٹنے کے آداب

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

علامہ نووی رحمۃ اللہ علیہ نے نیا عنوان قائم کیا ہے جس میں لیٹنے اور سونے کے آداب بیان کرنا چاہتے ہیں۔

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی تعلیمات عین شفقت ومحبت کا تقاضا

پہلے بھی بتلایا تھا کہ نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا رویہ اور سلوک اپنی امت کے ساتھ وہی ہے جو باپ کا اپنی اولاد کے ساتھ ہوتا ہے۔ ماں باپ اپنی اولاد کو ہر چیز سکھاتے ہیں کہ بیٹا! کھانا اس طرح کھایا جاتا ہے، بات اس طرح کی جاتی ہے، لباس اس طرح پہنا جاتا ہے، لوگوں کے ساتھ ملاقات اس طرح کی جاتی ہے، اور ان کے ساتھ اس انداز سے گفتگو کی جاتی ہے۔ اگر ہم نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ارشادات اور تعلیمات کا مطالعہ کریں تو معلوم ہوگا کہ آدمی کی زندگی سے تعلق رکھنے والی کوئی چیز، کوئی حالت اور کوئی کیفیت حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ایسی نہیں چھوڑی جس کے متعلق اپنی امت کی رہنمائی نہ کی ہو، ہر چیز کا طریقہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے بتلادیا، جیسے: ایک شفیق باپ اپنی اولاد کو ہر چیز سکھاتا ہے۔ یہی تو وہ چیز تھی جو غیروں کے لئے موجبِ اعتراض بنی۔ بعض یہودیوں نے حضرت سلمان فارسی رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے سوال کیا تھا: ﴿إِنِّي أَرَى صَاحِبَكُمْ يُعَلِّمُكُمْ كُلَّ شَيْءٍ حَتَّى الْخِرَاءَةَ(سنن ابن ماجہ/ کتاب الطھارۃ:۳۱۶)﴾ تمہارے یہ ساتھی (نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) تم کو ہر ہر چیز سکھاتے ہیں، یہاں تک کہ استنجاء کا طریقہ بھی بتلاتے ہیں؟ اس کے جواب میں حضرت سلمان فارسی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے کہا: جی ہاں! ہمیں ہر چیز بتاتے ہیں، یہاں تک کہ نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ہمیں یہ بھی ہدایت دی کہ ہم استنجاء کے وقت قبلہ کی طرف چہرہ اور پیٹھ نہ کریں۔ گویا آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ان طریقوں کو سکھانا تو عین شفقت اور محبت کا

تقاضا ہے، اور آپ ﷺ کو اللہ تبارک وتعالیٰ نے جس مقصد کے لئے بھیجا ہے اسی کی تکمیل ہے۔

یہاں سونے اور لیٹنے کے متعلق آداب بتلائے جارہے ہیں۔

عجیب وغریب دعا

۸۱۴:-عن البَراءِ بن عازِبٍ رضی اللہ عنہما قَالَ: كَانَ رسول الله ﷺ إِذَا أَوَى إِلَى فِرَاشِهِ نَامَ عَلَى شِقِّهِ الأَيمَن، ثُمَّ قَالَ: اللَّهُمَّ أَسلَمتُ نفسي إِلَيكَ، وَوَجَّهتُ وَجهِي إِلَيكَ، وَفَوَّضتُ أَمرِي إِلَيكَ، وَأَلجَأتُ ظَهرِي إِلَيكَ، رَغبَةً وَرَهبَةً إِلَيكَ، لاَمَلجَأَ وَلاَمَنجَا مِنكَ إِلاَّ إِلَيكَ، آمَنتُ بِكِتَابِكَ الَّذِي أَنزَلتَ، وَنَبِيِّكَ الَّذِي أَرسَلتَ. (رواه البخاری بهذا اللفظ فی کتاب الأدب من صحيحه)

۸۱۵:-وعنه، قَالَ: قَالَ لی رسول الله ﷺ: إِذَا أَتَيتَ مَضجَعَكَ فَتَوَضَّأ وُضُوءكَ لِلصَّلاَةِ، ثُمَّ اضطَجِع عَلَى شِقِّكَ الأَيمَن، وَقُل...)) وذَكَرَ نَحْوَهُ، وفيه: ((وَاجعَلهُنَّ آخِرَ مَا تَقُولُ)) (متفقٌ عَلَيہِ)

ترجمہ:-حضرت براء بن عازب رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ جب سونے کے لیے اپنے بستر پر تشریف لاتے تھے تو اپنی داہنی کروٹ پر لیٹتے تھے، اور یہ دعا پڑھتے تھے۔

دوسری روایت میں انہوں نے یہ بات بھی بتلائی ہے کہ نبی کریم ﷺ نے باقاعدہ ان کو مخاطب بنا کر فرمایا: جب تم اپنی خواب گاہ میں آؤ، اپنے بستر پر پہنچو، یعنی سونے کا ارادہ کرو، تو پہلا کام تو یہ کرو کہ جیسا نماز کے لئے وضو کرتے ہیں ایسا وضو کرو، اور داہنی کروٹ پر لیٹ جاؤ، پھر یہ دعا پڑھو (یہ ایک طویل دعا ہے جو نبی کریم ﷺ نے سوتے وقت پڑھنے کے لئے بتلائی ہے اس دعا کے عجیب وغریب الفاظ ہیں اور اس میں توکل اور تفویض کی عجیب شان پائی

جاتی ہے) ''اللّٰهُمَّ أَسْلَمْتُ نَفْسِي إِلَيْكَ'' اے اللہ! میں نے اپنے آپ کو تیرے حوالے کر دیا، مَیں نے اپنی جان کو تیرے تابع بنا دیا ''وَوَجَّهْتُ وَجْهِي إِلَيْكَ'' اور مَیں نے اپنا چہرہ اور اپنا رخ تیری طرف کر دیا ''وَفَوَّضْتُ أَمْرِي إِلَيْكَ'' اور مَیں نے اپنا معاملہ تیرے سپرد کر دیا ''وَأَلْجَأْتُ ظَهْرِي إِلَيْكَ'' اور اپنی پشت کو مَیں نے تیری پناہ میں دے دیا۔ ''رَغْبَةً وَرَهْبَةً إِلَيْكَ'' اے اللہ! تجھ سے امیدیں بھی وابستہ ہیں اور تیرا ڈر اور خوف بھی ہے ''لَا مَلْجَأَ وَلَا مَنْجَا مِنْكَ إِلَّا إِلَيْكَ'' اے اللہ! پناہ اور نجات کی جگہ تیرے علاوہ کوئی اور نہیں ہے ''آمَنْتُ بِكِتَابِكَ الَّذِي أَنْزَلْتَ، وَنَبِيِّكَ الَّذِي أَرْسَلْتَ'' اے اللہ! جو کتاب تو نے اتاری ہے اس پر مَیں ایمان لایا، اور جس نبی کو تو نے بھیجا اس پر بھی میرا ایمان ہے (حضور اکرم ﷺ نے فرمایا) ''وَاجْعَلْهُنَّ آخِرَ مَا تَقُولُ'' آخری کلام تمہاری زبان کا یہی ہونا چاہیے (اگر اسی حالت میں سو گئے اور موت آ گئی؛ تو ایمان پر موت آئے گی)

یہ محبت کا تقاضہ ہے

افادات: -سونے کے لئے جو وضو کیا جائے گا اس کا طریقہ تو وہی ہے جو نماز کے وضو کا ہے، لیکن سونے کے لئے وضو کرنا فرض و واجب نہیں ہے، بلکہ آداب میں سے ہے یعنی مستحب اور پسندیدہ ہے۔ حضرات علماء فرماتے ہیں کہ فرائض اور واجبات اللہ تبارک وتعالیٰ کی عظمت کا حق ہیں، اس کی عظمت و کبریائی کا تقاضہ یہ ہے کہ آدمی فرائض اور واجبات کا اہتمام کرے اور نبیٔ کریم ﷺ کے ساتھ محبت کے حقوق کا تقاضہ یہ ہے کہ مستحبات اور آداب کا اہتمام کرے۔ یہاں حضور اکرم ﷺ نے یہ نہیں فرمایا کہ جب آپ سونے کے لئے جائیں تو وضو کرنا فرض اور واجب ہے، بلکہ ایک ہدایت فرمائی کہ جب آپ سونے کے لئے جاؤ تو وضو کر لو۔ اس سے نبیٔ کریم ﷺ کی منشاء

معلوم ہوتی ہے کہ آپ کس چیز کو پسند کرتے ہیں اور اس وقت کیا کیا کام کرنے چاہئیں، آپ اگر کسی مفتی اور عالم سے پوچھیں گے کہ سوتے وقت وضو کرنا فرض یا واجب ہے؟ تو وہ جواب میں یہی فرمائیں گے کہ نہیں۔ اگر وضو نہیں کرو گے تو کوئی گناہ نہیں ہوگا، بغیر وضو کے بھی آپ سو سکتے ہیں۔ لیکن نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے امت کو سونے کا جو طریقہ بتلایا اس میں یہ رہنمائی فرمائی ہے کہ سونے کا جب ارادہ کرو تو وضو کر لو۔ اس سے معلوم ہوا کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو یہ چیز پسند ہے کہ آپ کا اُمتی وضو کر کے سوئے۔ کسی کو جب کسی کے ساتھ محبت ہوتی ہے، تو مُحِب اور عاشق اس بات کی ٹوہ میں لگا رہتا ہے کہ میرے محبوب کو کونسی چیزیں پسند ہیں، کون سے کام اور باتیں ہیں، کون سی کیفیتیں اور حرکتیں ہیں؛ جن سے وہ خوش ہوتا ہے۔ کہیں سے ذراسی بھنک لگ جائے، بلکہ کوئی آدمی ایسے ہی مذاق میں کہہ دے کہ تمہارا محبوب فلاں چیز کو بہت پسند کرتا ہے، تو اس کو اس کے لئے چاہے کتنی ہی قربانی کیوں نہ دینی پڑے، وہ اس کو کر ڈالتا ہے، اس لئے کہ وہ تو عاشق اور محب ہے، وہ چاہتا ہے کہ کسی طرح سے میں اپنے محبوب کی توجہ کو اپنی طرف پھیر لوں۔

......تو جینے کا مزہ آجائے

جب ہم یہ ساری تفصیل بیان کرتے ہیں تو بعض لوگ پوچھتے ہیں کہ یہ کام واجب اور ضروری تو نہیں؟ اگر نہیں کریں گے تو گناہ تو نہیں ہوگا؟ اور جب بتایا جاتا ہے کہ نہ کرنے سے کوئی گناہ نہیں ہوتا؛ تو پھر وہ لوگ اس کام کو نہیں کرتے۔ میں ان سے پوچھتا ہوں کہ کھانے کا اصل مقصد کیا ہے؟ ظاہر ہے کہ آدمی کے بدن کو طاقت حاصل ہو، اس لئے کہ آدمی جب چلتا پھرتا ہے تو بدن کی قوت اور انرجی (Energy) استعمال ہوتی ہے، اس کی جگہ پر نئی قوت، نئی انرجی اور نیا پاور حاصل کرنے کے لئے کھانے پینے کی

چیزیں استعمال کرنی پڑتی ہیں۔اس کے لئے تو صرف گیہوں کی روٹی بغیر سالن کے استعمال کرلیں؛ تو مَیں سمجھتا ہوں کہ اطباء اور ڈاکٹر کہیں گے کہ زیادہ مفید ہے، اس سے آدمی کو زیادہ انرجی اور قوت حاصل ہوگی۔لیکن اس کے باوجود کھانے کے معاملہ میں ہم لوگ بہت سارے تکلفات کا اہتمام کرتے ہیں، پتہ نہیں کیا کیا کرتے ہیں۔ دستر خوان کے اوپر اچار، کچومر اور سلاڈ رکھا گیا، پاپڑ اور فلاں چٹنی بھی رکھی گئی، اب اگر کوئی پوچھے کہ یہ سب چیزیں کیا کھانے کے لوازمات اور واجبات ہیں؟ تو وہ ہی جواب دیں گے کہ نہیں! کوئی ضروری نہیں، لیکن اس کے بغیر کبھی ہمارے حلق سے نوالہ اترتا ہی نہیں ہے۔ہم لوگ وہاں تو اتنا زیادہ اہتمام کرتے ہیں۔

اسی طرح ہم لوگ لباس پہنتے ہیں۔لباس کا مقصد سردی گرمی سے بچاؤ اور اپنے ستر کو ڈھانپنا ہے؛ تو کپڑے دھوکر ویسے ہی پہن لیں، ان کو استری کرنے اور کریز دور کرنے کی کیا ضرورت ہے؟ اس کے اوپر خوشبو چھڑکنے کی بھی کوئی ضرورت نہیں، اس سب کے بغیر بھی مقصد حاصل کر سکتے ہیں۔لیکن اس میں خوبصورتی پیدا کرنے کے لئے معلوم نہیں کیا کیا جاتا ہے؟ تو جب ہم اپنے شوق کو پورا کرنے اور نفس کی خواہشات کے لئے ان ساری چیزوں کی طرف دھیان دیتے ہیں؛ تو اللہ تعالیٰ کی اور نبیٔ کریم ﷺ کی خوشنودی حاصل کرنے کے لئے آداب اور مستحبات کے قبیل سے جو اعمال بتائے جاتے ہیں، اگر ان کا بھی اہتمام کرلیں؛ تو ہماری زندگیوں میں چار چاند لگ جائیں اور جینے کا مزہ آجائے۔اس لیے محبت کے حقوق میں سے ہے کہ آدمی آداب کا اہتمام کرے۔

سونے کے آداب...... پہلا ادب

حضرت نبیٔ کریم ﷺ نے حضرت براء بن عازب رضی اللہ عنہما کو ہدایت فرمائی کہ پہلا

کام تو یہ کرو کہ جب سونے کا ارادہ کرو؛ تو وضو کرلو۔ اگر پہلے سے وضو ہو تو تازہ وضو کرنے کی ضرورت نہیں ہے، اس لیے کہ مقصد یہ ہے کہ آدمی سوتے وقت باوضو لیٹے۔ ویسے جب آنکھ لگ جائے گی اور نیند طاری ہوگی تو وضو خود بخود ٹوٹ جائے گا، لیکن اس کے باوجود مقصد یہ ہے کہ جب نیند طاری ہو؛ تو آپ باوضو ہوں۔

دوسرا ادب

دوسرا ادب بتایا کہ داہنی کروٹ پر لیٹو۔ بخاری شریف کی روایت میں اس کی صراحت موجود ہے (روایت آگے آرہی ہے) کہ دائیں کروٹ پر لیٹ کر دائیں رخسار کے نیچے دایاں ہاتھ رکھ دیں۔ یہ بھی آداب میں سے ہے۔ یہ بھی سونے کی ابتداء میں ہوگا، جب آدمی سونے کے لئے لیٹے تو اس طرح لیٹے کہ جب اس پر نیند آئے تو ایسی حالت میں آئے۔ پھر نیند میں آپ کروٹ بدلیں، دائیں سے بائیں کروٹ پر چلے گئے؛ تو اس میں کوئی حرج کی بات نہیں۔ بس! ادب اور مستحب ادا ہوگیا اور آپ کو وہ فضیلت حاصل ہوگئی جو مطلوب تھی۔

تیسرا ادب اور خاص تاکید

پھر وہ دعا پڑھو جو اوپر ترجمہ میں گذری۔ اور یہ دعا سکھا کر حضور اکرم ﷺ نے خاص ہدایت فرمائی کہ تمہاری زبان سے آخر میں یہی کلمات نکلیں، اس کے بعد کچھ اور بات مت کرو۔ سونے سے پہلے اور نیند طاری ہونے سے پہلے آخری جملے اور آخری کلام جو آپ کی زبان سے نکلے؛ وہ یہی کلمات اور دعا ہو۔

یہ ایک فطری امر ہے

نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے سوتے وقت یہ دعا کیوں سکھائی؟ آدمی جب صبح میں اٹھتا ہے اس کے بعد سے دن بھر کی اپنی مصروفیات، کاروبار، تجارت، دوکان داری، اور گھر کے کام کاج میں لگا رہتا ہے۔ مثلاً: اپنے بچہ کے ایڈمیشن کا معاملہ تھا، تو اس کا جہاں ایڈمیشن کرانا تھا، اس کے لئے جس جس سے ملنا تھا ان سب سے مل کر آئے، اس کے لئے فارم بھرنا تھا؛ تو وہ بھرا۔

یا کوئی ملازم چلا گیا، اس کو سمجھا بجھا کر دوبارہ لانا ہے، تو اس سے کونٹیکٹ (Contact) کیا۔ کسی نے کہا کہ فلاں صاحب اگر اس کو سمجھائیں گے تو وہ سمجھ جائے گا اور واپس کام پر آجائے گا، تو ان صاحب کے پاس گئے اور ان سے رابطہ کر کے اس کو سمجھایا۔

اسی طرح آئندہ مہینے میں کہیں سفر کرنا ہے جس کا ٹکٹ بک کروانا تھا، تو فلاں سے کہا کہ ٹکٹ بک کرادو۔ پھر جب وہاں پہنچیں گے تو وہاں ہوٹل بک کرانا ہے۔

مطلب یہ ہے کہ معاش اور کاروبار سے تعلق رکھنے والے بے شمار معاملات ہوتے ہیں، اور اس کے لیے آدمی نہ معلوم دن بھر کیا کیا کوششیں کرتا رہتا ہے۔ یہ سارے کام کرنے کے بعد رات کو جب بستر پر لیٹتا ہے؛ تو ایک فطری امر ہے کہ جب آنکھ بند کرے گا تو دن بھر کا سارا نقشہ اس کے سامنے آئے گا کہ آج میں کام پر گیا، فیکٹری پر پہنچا تو وہاں ایسا معاملہ تھا، اس کو اس طرح سلجھایا تھا، اور ملازمت کے سلسلہ میں یہ دشواری اور پرابلم (Problem) تھی، اس کو حل کرنے کے لئے میں نے یہ کوشش کی۔ بچے کے ایڈمیشن کے سلسلہ میں جو معاملہ تھا اس کو حل کرنے کے لئے فلاں فلاں

تدبیریں کیں، ایڈمیشن کا فارم تو بھر کر دیا ہے، فیس بھی دے کر آیا ہوں، اب پتہ نہیں ایڈمیشن ملے گا یا نہیں۔ ٹکٹ بک کرانے کے لئے دیا تھا، پتہ نہیں کیا ہوتا ہے۔ میرا فلاں کام سرکاری دفتر میں پھنسا ہوا ہے، اس کے لئے میں نے یہ کوشش کی ہے، وغیرہ وغیرہ۔ یہ سارے مناظر ایک ایک کر کے اس کے دماغ میں آتے ہیں، جس جس کام کی دن بھر محنت کی تھی؛ وہ سب اندیشوں اور توہمات کی شکل میں آدمی کے دماغ کے پردے پر آرہے ہیں۔

تو دانی حساب کم وبیش را

ایسے موقعہ پر نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے جو دعا سکھائی ہے اس پر غور کرو کہ: ایک مؤمن کو کس سوچ کے ساتھ رہنا چاہیے۔ ایک غیر مسلم اور کافر تو سارا دارومدار اپنی کوشش پر رکھتا ہے، اسی لئے وہ کبھی اطمینان حاصل نہیں کر پاتا، لیکن مؤمن کا معاملہ تمام کوششوں کے بعد اللہ تعالیٰ کے حوالے ہو جاتا ہے۔ بس! اس دعا میں یہی سکھایا ہے کہ: اے اللہ! دن بھر تو میں نے یہ سارے جھمیلے اختیار کئے، دوڑ دھوپ کی، اور جو کچھ میرے بس میں تھا وہ سب میں کر چکا؛ اب اے اللہ! میں اپنی ذات کو بھی تیرے حوالے کرتا ہوں، اور اپنا رخ بھی تیری طرف کرتا ہوں، اور اپنے سارے معاملات بھی تیرے حوالے کرتا ہوں۔ تو ہر چیز کا مالک ہے، ہر کام کو انجام دینے والا ہے، تیرے حکم کے بغیر کوئی بھی کام نہیں ہو سکتا ہے۔ اے اللہ! اپنی پشت کو میں نے تیری پناہ میں دے دیا۔ آپ اندازہ لگائیے کہ اس دعا کے اندر کتنی زیادہ تفویض ہے!

''تفویض''، یعنی اللہ تعالیٰ پر اعتماد و توکل اور اپنے آپ کو اللہ تعالیٰ کے حوالے کر دینا۔ یہ بہت اونچی صفت ہے، اور اس کی وجہ سے آدمی بہت بڑی بڑی فکروں سے

نجات پا جاتا ہے۔ جب ہم نے کام کر لیا اور اس کو اللہ تعالیٰ کے حوالے کر دیا کہ: اے اللہ! اس میں کامیابی ڈال دے؛ تو گویا آدمی نے اپنا سارا رخ اور اپنی ساری توجہات کو اللہ تعالیٰ کی طرف پھیر دیا۔ بقول کسے:

سپردم بتو مایۂ خویش را ❁ تو دانی حساب کم و بیش را

امید و خوف

اس کے بعد کہا: اے اللہ! تجھ ہی سے امیدیں وابستہ ہیں اور تیرا ڈر اور خوف بھی ہے۔ اللہ تعالیٰ ہی اپنی رحمت سے کام بنانے والا ہے، دینے والا بھی وہی ہے، تو ایک طرف تو اسی کی ذات کے ساتھ ہمیں توقعات قائم ہیں، لیکن دوسری طرف اپنی بداعمالیوں، نافرمانیوں، اپنی معصیتوں اور گناہوں کی وجہ سے ڈر بھی لگتا ہے کہ معلوم نہیں؛ اللہ تعالیٰ کی طرف سے اب کیا معاملہ ہوگا! اللہ تعالیٰ کی رحمتوں کو دیکھ کر امید بھی قائم ہے اور اپنے گناہ اور نافرمانی اور اپنے جرائم کو سوچ کر ڈر بھی لگتا ہے۔

کہ جز تو پناہے دگر نیستم

اے اللہ! پناہ اور نجات کی جگہ تیرے علاوہ کوئی اور نہیں ہے۔ یعنی اگر تو ہمیں پکڑے اور عذاب دینے لگے، ہم پر مصیبتیں نازل کرنے لگے؛ تو تیرے اس عذاب سے اور تیری دی ہوئی اس مصیبت سے سوائے تیرے کوئی اور نہیں بچا سکتا۔

جالینوس بڑا حکیم گزرا ہے، حضرت موسیٰ علیٰ نبینا وعلیہ الصلوٰۃ والسلام کا ہم عصر تھا، اس نے ایک مرتبہ حضرت موسیٰ علیہ السلام سے کہا: اگر آسمان کو کمان، اور مصائب، آلام اور تکالیف کو تیر، اور اللہ تعالیٰ کو اس کمان سے تیر چلانے والا فرض کر لیا جائے، گویا اللہ تعالیٰ آسمان سے تکلیفوں و مصائب اور آلام کے تیر چلا رہے ہیں؛ تو اس سے بچنے کی کیا شکل ہے؟

حضرت موسیٰ علیٰ نبینا وعلیہ الصلوٰۃ والسلام نے جواب دیا: تیرانداز کے تیروں سے بچنے کی شکل یہی ہے کہ جو تیرانداز کے پہلو میں جا کر کھڑا ہو جائے؛ تو تیر اس کو نہیں لگیں گے۔ اللہ تعالیٰ کی طرف سے جو حالات پیش آتے ہیں اس میں ہماری آزمائش ہے اور وہ ہمارے گناہوں کی وجہ سے ہیں، اس لئے اگر ہم اس سے بچنا چاہتے ہیں تو اس کی شکل یہی ہے کہ ہم اللہ تعالیٰ ہی کی پناہ حاصل کرلیں۔ اس کے علاوہ اور کوئی جگہ ہے ہی نہیں۔

ایک بچہ بھی یہ سمجھتا ہے

ایک بزرگ نے دیکھا کہ ایک بچے کی ماں اس کی پٹائی کر رہی تھی، اب وہ جتنا مار رہی تھی، وہ بچہ اتنا ہی اس کی گود میں چڑھ رہا تھا۔ وہ مار رہی ہے، پٹائی کر رہی ہے؛ پھر بھی وہ بچہ اسی کی گود میں آرہا ہے۔ وہ بزرگ کہنے لگے: دیکھو! ایک بچہ جس چیز کو سمجھ رہا ہے؛ وہ ہماری سمجھ میں نہیں آیا۔ ایک بچہ بھی سمجھتا ہے کہ ماں کی پٹائی اور اس کی طرف سے پہنچنے والی تکلیف سے نجات کا راستہ کہیں اور نہیں ہے، صرف ماں کی گود ہی ہے، اس لئے ماں اس کو پیٹ رہی ہے، اس کے باوجود وہ اس کی گود میں ہی گھسنے کی کوشش کر رہا ہے۔

تو نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے ہمیں یہی تعلیم دی ہے۔ ''رَغْبَةً وَرَهْبَةً إِلَيْكَ'' اے اللہ! تجھ ہی سے امیدیں بھی وابستہ ہیں اور تیرا ہی ڈر اور خوف بھی ہے۔ ''لَا مَلْجَأَ وَلَا مَنْجَا مِنْكَ إِلَّا إِلَيْكَ'' تیری طرف سے بھیجے گئے عذاب اور مصیبت سے پناہ اور بچاؤ کی جگہ تیرے علاوہ اور کہیں نہیں ہے۔

دعا کے دو سبق: رجوع الی اللہ اور یادِ آخرت

گویا مسنون دعاؤں کے ذریعہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم ہمیں یہ تعلیم دے رہے ہیں کہ ہماری توجہ ہر آن اللہ تعالیٰ کی طرف ہونی چاہیے۔ اس دعا میں دو چیزیں سکھائی ہیں:

[۱] اللہ تعالیٰ کی طرف رجوع [۲] آخرت کی یاد۔ ہم جو بھی گناہ کرتے ہیں وہ دراصل آخرت اور موت کو بھول کر کرتے ہیں، اور نبیٔ کریم ﷺ اپنی تعلیمات کے ذریعہ ہمیں یہ سکھا رہے ہیں کہ اپنا تعلق، رشتہ اور رابطہ اللہ تعالیٰ کی ذات کے ساتھ جوڑا جائے، ہر ہر کام میں جو مختلف دعائیں سکھائی گئی ہیں کہ: اٹھو؛ تو یوں پڑھو۔ گھر میں داخل ہو؛ تو یوں پڑھو۔ وغیرہ وغیرہ؛ اس کے ذریعہ بار بار اللہ تعالیٰ کا نام بلوایا جا رہا ہے، جب آدمی ہر حالت میں اللہ تعالیٰ کا نام بار بار لیتا رہے گا، تو پھر اللہ تعالیٰ کی ذات کا استحضار دل کے اندر پیدا ہوگا؛ پھر یہی چیز آدمی کو اللہ تعالیٰ کی نافرمانی سے بچائے گی۔

تہجد کے بعد مسنون آرام کی کیفیت

۸۱۶:- وعن عائشة رضی اللہ عنہا قالت: كَانَ النبيُّ ﷺ يُصَلِّي مِنَ اللَّيْلِ إِحْدَى عَشْرَةَ رَكْعَةً، فَإِذَا طَلَعَ الفَجْرُ صَلَّى رَكْعَتَيْنِ خَفِيفَتَيْنِ، ثُمَّ اضْطَجَعَ عَلَى شِقِّهِ الأَيْمَنِ حَتَّى يَجِيءَ الْمُؤَذِّنُ فَيُؤْذِنَهُ. (متفقٌ عَلَيْهِ)

ترجمہ:- حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ نبیٔ کریم ﷺ رات میں گیارہ رکعتیں پڑھتے تھے (تہجد کی ۸ رکعت، اور وتر کی تین رکعت) پھر جب صبحِ صادق طلوع ہو جاتی تو دو ہلکی رکعتیں (فجر کی سنتیں) پڑھ لیتے، اس کے بعد دائیں کروٹ پر لیٹ جاتے؛ یہاں تک کہ مؤذن اطلاع دیتا۔

افادات:- جو لوگ رات کا ایک معتد بہ حصہ، ایک تہائی حصہ، گھنٹہ ڈیڑھ گھنٹہ عبادت میں مشغول ہوتے ہیں؛ یہ سونا ان کے لئے ایک طرح کی راحت کا سبب بنتا ہے، اور اس طرح ان کو سہولت ہو جاتی ہے۔ نبیٔ کریم ﷺ کی سنت بھی ہے کہ آپ دائیں کروٹ پر لیٹ جاتے تھے، تھوڑی دیر کے لئے آنکھ بھی لگ جاتی تھی، آپ

خراٹے بھی لینے لگتے تھے، پھر جب مؤذن آتا اور آپ کو اطلاع کرتا کہ نماز کا وقت ہوگیا ہے، تو آپ تشریف لے جاتے، اور سو جانے کے باوجود آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم وضو کی تجدید نہیں کرتے تھے، اس لئے کہ انبیاء کرام علیہم السلام کی نیند سے ان کا وضو نہیں ٹوٹتا ہے۔ ہماری نیند کی وجہ سے ہمارا وضو ٹوٹ جاتا ہے۔

سونے اور اُٹھنے کی مسنون دعاؤں کا فلسفہ

۸۱۷:- وعن حُذَيْفَةَ رضی اللہ تعالیٰ عنہ قَالَ: كَانَ النَّبِيُّ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم إِذَا أَخَذَ مَضْجَعَهُ مِنَ اللَّيْلِ وَضَعَ يَدَهُ تَحْتَ خَدِّهِ، ثُمَّ يَقُولُ: اَللّٰهُمَّ بِاسْمِكَ أَمُوتُ وَأَحْيَا. وَإِذَا اسْتَيْقَظَ قَالَ: اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِي أَحْيَانَا بَعْدَ مَا أَمَاتَنَا وَإِلَيْهِ النُّشُورُ. (رواه البخاری)

ترجمہ:- حضرت حذیفہ بن یمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم رات کو جب اپنے بستر پر لیٹتے تھے تو آپ (اپنا دایاں ہاتھ، دائیں رخسار کے نیچے) رکھتے، اور یہ دعا پڑھتے: ''اَللّٰهُمَّ بِاسْمِكَ أَمُوتُ وَأَحْيَا'' اے اللہ! تیرے ہی نام سے میں مروں گا بھی، اور تیرے ہی نام سے زندہ بھی ہوؤں گا۔ (یعنی تیرے ہی نام سے سوتا ہوں، اور تیرے ہی نام سے جاگوں گا۔) اور جب آپ بیدار ہوتے تھے تو یہ دعا پڑھتے تھے: ''اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِي أَحْيَانَا بَعْدَ مَا أَمَاتَنَا وَإِلَيْهِ النُّشُورُ'' تمام تعریف اسی اللہ کے لئے ہے جس نے ہمیں موت دینے کے بعد دوبارہ زندہ کیا، اور اسی کی طرف دوبارہ زندہ ہوکر لوٹنا ہے۔

افادات:- اس لیے کہ نیند چھوٹی موت ہے۔ حدیث پاک میں بھی کہا گیا ہے: ''اَلنَّوْمُ أَخُ الْمَوْتِ (شعب الایمان:۴۴۱۶)'' ''نیند موت کا بھائی ہے، موت کا چھوٹا سا نمونہ ہے۔ اس لئے ایک مؤمن یہ چاہتا ہے کہ اس کی موت اللہ کے نام پر آئے، تو اب اس کی بھی مشق کرائی جاتی ہے کہ سوتے وقت اس دعا کے پڑھنے کا اہتمام کرو کہ: اے

اللہ! تیرے ہی نام سے مرتا ہوں اور تیرے ہی نام سے زندہ ہوؤں گا۔ اور ابھی تو خیر ہے کہ اس چھوٹی سی موت کے بعد دوبارہ دنیا کے اندر آئے ہیں، مگر ایک بڑی موت ایسی آنے والی ہے کہ اس کے بعد دوبارہ دنیا میں آنا نصیب نہیں ہوگا۔ ہاں! اللہ تعالیٰ کی طرف دوبارہ زندہ ہوکر لوٹنا ہے، گویا اس طرح ہمیں آخرت یاد دلائی گئی۔

﴿وَأَمَّا مَنْ خَافَ مَقَامَ رَبِّهِ وَنَهَى النَّفْسَ عَنِ الْهَوَىٰ فَإِنَّ الْجَنَّةَ هِيَ الْمَأْوَىٰ﴾

جو آدمی اللہ تعالیٰ کے سامنے جوابدہی کے تصور سے ڈرا، یعنی جب گناہ کا دل میں خیال آیا اور نفس نے کہا کہ گناہ کرلو؛ اس وقت یہ سوچا کہ: آج اگر یہ گناہ کرلوں گا، اور ایک دن زندہ ہوکر اللہ تعالیٰ کے سامنے جب پیش ہوؤں گا، اور اللہ تعالیٰ کی طرف سے مجھے پوچھا جائے گا کہ: تونے یہ نافرمانی کیوں کی؟ تو مَیں کیا جواب دوں گا؟ اس ڈر سے اپنے نفس کو خواہش کے مطابق عمل کرنے سے روکا؛ تو جنت اس کا ٹھکانہ ہے۔ اللہ تبارک وتعالیٰ کے سامنے پیش ہونے کا یہی وہ تصور ہے جس کو نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہر مؤمن کے دل ودماغ میں مختلف طریقوں سے رچا اور بسا دینا چاہتے ہیں یعنی اگر یہ تصور ہمارے دل ودماغ میں بیٹھ جائے کہ ہمیں دوبارہ زندہ ہوکر اللہ تعالیٰ کے سامنے حاضر ہونا ہے؛ تو آدمی کی زندگی میں انقلاب آجائے۔ پھر وہ کوئی بھی گناہ اور نافرمانی کا کام ہرگز نہیں کرسکتا۔

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اللہ تعالیٰ کی یاد کو دل میں بسانے کا یہ ایک طریقہ بتلایا ہے۔ یہ دونوں دعائیں ہیں، آپ چاہیں تو دونوں دعائیں پڑھ لیں، چاہیں تو کوئی بھی ایک دعا پڑھ لیں؛ سنت ادا ہوجائے گی۔

لیٹنے کے چار طریقے

۸۱۸:- وعن يَعيشَ بن طِخْفَةَ الغِفَارِيِّ رضی اللہ عنہما قَالَ: قَالَ أَبِي: بينما أَنَا

مُضْطَجِعٌ فِی الْمَسْجِدِ عَلَی بَطْنِی إِذَا رَجُلٌ یُحَرِّکُنِی بِرِجْلِهِ، فَقَالَ: ((إِنَّ هٰذِهِ ضِجْعَةٌ یُبْغِضُهَا اللّٰهُ))، قَالَ: فَنَظَرْتُ، فَإِذَا رَسُولُ اللّٰهِ ﷺ. (رواه أبو داود بإسنادٍ صحیح)

ترجمہ:- حضرت یعیش رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ میرے ابا (حضرت طِخْفَہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ) نے کہا: ایک مرتبہ مَیں مسجد کے اندر پیٹ کے بَل (اُوندھا) لیٹا ہوا تھا، اچانک (محسوس ہوا کہ) کوئی شخص اپنے پاؤں کے ذریعہ مجھے حرکت دے رہا ہے، اور کہہ رہا ہے: لیٹنے کا یہ طریقہ ایسا ہے جس کو اللہ تعالیٰ ناپسند کرتا ہے (گویا اس طرح لیٹنا جائز نہیں ہے) مَیں نے دیکھا تو وہ نبیٔ کریم ﷺ تھے۔

افادات:- دیکھو! لیٹنے کے چار ہی طریقے ہوسکتے ہیں:- [۱] اُوندھا لیٹنا [۲] چت لیٹنا [۳] بائیں کروٹ پر لیٹنا [۴] دائیں کروٹ پر لیٹنا۔ اب اُوندھا لیٹنے کی تو شریعت میں اجازت ہی نہیں، یہ طریقہ تو اللہ تعالیٰ کو ناپسند ہے، اِلَّا یہ کہ کوئی معذور ہو، یا علاج کی وجہ سے ایسا کرنا پڑے؛ تو بات دوسری ہے۔ اور چت لیٹنے کے متعلق لکھا ہے کہ یہ اطباء کا سونا ہے۔ اور بائیں کروٹ پر لیٹے گا تو دل چوں کہ بائیں طرف ہوتا ہے، تو اس صورت میں دل کو قرار زیادہ ملے گا اور اس کی وجہ سے آدمی پر غفلت والی نیند طاری ہوگی۔ اس لیے شریعت نے کہا کہ دائیں کروٹ پر لیٹو۔ ایک تو دائیں طرف کا طریقہ بھی حاصل ہوجائے گا، اور دل معلق اور لٹکا ہوا رہے گا جس کی وجہ سے غفلت والی نیند نہیں آئے گی۔

تو شریعت میں سونے کی اجازت تو دی جارہی ہے لیکن ساتھ ہی ساتھ سونے کا طریقہ بھی بتلایا جارہا ہے؛ تاکہ غفلت طاری نہ ہو۔ اور جیسا کہ شروع میں کہا تھا کہ آپ دائیں کروٹ پر لیٹے، پھر بائیں کروٹ پر ہوگئے، یا چت ہوگئے؛ تو اس میں کوئی حرج کی بات نہیں ہے۔ لیکن اُوندھا ہرگز نہ لیٹے، اس کو تو بالکل ناپسندیدہ قرار دیا ہے۔

بچوں کو بھی اس کا عادی بنایا جائے

آج کل بچے عام طور پر اُوندھے سوتے ہیں، اور یہ عجیب حال ہو گیا ہے کہ گھر والے بھی ان کو روکنے کی کوشش نہیں کرتے۔ اس لیے جب کبھی بچہ اُوندھا لیٹا ہو تو ضرور اس کی اصلاح کی جائے۔ بچپن سے جس چیز کی عادت ڈالی جاتی ہے، وہ ہمیشہ باقی رہتی ہے۔ جو آداب شریعت نے ہمیں سکھائے ہیں، وہی سارے آداب ہمیں بچوں کو بتانے ہیں، اور اسی انداز پر ہمیں ان کی پرورش اور تربیت کرنی ہے، اس لئے اگر بچہ اُوندھا لیٹا ہو تو محبت سے سمجھا کر اس کو سیدھا، یا دائیں کروٹ پر لیٹنے کی عادت ڈالی جائے۔

بغیر ذکر اللہ کی مجلس وبال ہے

۸۱۹:- وعن أبي هريرة رضی اللہ تعالیٰ عنہ عن رسول الله صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم قَالَ: مَنْ قَعَدَ مَقْعَدًا لَمْ يَذْكُرِ اللهَ تَعَالَى فِيهِ، كَانَتْ عَلَيْهِ مِنَ اللهِ تَعَالَى تِرَةٌ، وَمَنِ اضْطَجَعَ مَضْجَعًا لَا يَذْكُرُ اللهَ تَعَالَى فِيهِ، كَانَتْ عَلَيْهِ مِنَ اللهِ تِرَةٌ. (رواه أبو داود بإسنادٍ حسن)

((التِّرَةُ)): بكسر التاء المثناة من فوق، وَهِيَ: النقص، وقِيلَ: التَّبِعَةُ.

ترجمہ:- حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا: جو آدمی کسی ایسی مجلس میں بیٹھا جس میں اللہ تعالیٰ کا ذکر نہیں کیا گیا؛ تو یہ مجلس کل قیامت میں اللہ تعالیٰ کے یہاں اس کے لئے وبال کا سبب ہوگی۔ اور جو آدمی اس طرح سویا جس میں اس نے اللہ تعالیٰ کو یاد نہیں کیا؛ تو یہ سونا بھی اللہ تعالیٰ کی طرف سے اس کے لئے وبال و پرسش کا سبب بنے گا۔

افادات:- اس سے معلوم ہوا کہ مؤمن کی کوئی مجلس اللہ تعالیٰ کے ذکر سے خالی نہیں ہونی چاہیے۔ ہم لوگ گپ شپ کرنے کے لئے مجلس قائم کرتے ہیں تو پوری مجلس غفلت کی نذر ہو جاتی ہے (روایتوں میں نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے مجلس کا کفارہ بھی بتلایا

ہے) ہماری کوئی مجلس اللہ کے ذکر سے خالی نہیں ہونی چاہیے۔ مؤمن کی شان یہ ہے کہ ہر وقت اللہ کو یاد کرتا رہے۔

جنتی جب جنت میں چلے جائیں گے، اس کے بعد ان کو اگر افسوس ہوگا تو اپنے اُن اوقات کا ہوگا جو اللہ تعالیٰ کے ذکر سے خالی گزرے تھے (شعب الایمان: ۵۰۹/فصل فی ادامۃ ذکر اللہ عز وجل) حالاں کہ جنت میں پہنچ گئے اور جو مقصدِ زندگی تھا وہ حاصل ہوگیا، کامیاب ہوگئے، لیکن اس کے بعد بھی جب وہاں ذکر کا اجر وثواب دیکھیں گے تو افسوس ہوگا کہ: ہائے! ہمارا اتنا سارا وقت بے کار چلا گیا۔ اس لیے زندگی کے جو اوقات ہیں وہ اللہ تبارک وتعالیٰ کی بڑی عظیم نعمت اور نہایت قیمتی سرمایہ ہیں۔

اسی طرح لیٹنے کے دوران بھی کچھ نہ کچھ قرآنِ پاک کی تلاوت، اللہ کے ذکر میں مشغول رہنا چاہیے، جس لیٹنے میں اللہ تعالیٰ کو یاد نہیں کیا جاتا ہے؛ ایسا لیٹنا بھی وبال و پرسش اور افسوس کا ذریعہ بن جائے گا۔

قدرتی نظام؛ ایک عجیب نعمت

نیند؛ اللہ تبارک وتعالیٰ کی ایک عجیب نعمت ہے، اللہ تعالیٰ نے قدرتی طور پر ایسا نظام بنایا ہے کہ جہاں رات آئی کہ لوگوں کے اوپر نیند طاری ہو جاتی ہے: ﴿وَجَعَلۡنَا الَّيۡلَ لِبَاساً وَّجَعَلۡنَا النَّهَارَ مَعَاشاً﴾ حضرت مولانا مفتی محمد شفیع صاحب رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ: اللہ تعالیٰ نے دن کو روزی کی دوڑ دھوپ اور اپنے کام کاج کے لئے رکھا، اور رات کو آرام وسکون کا ذریعہ بنایا۔ جہاں رات آتی ہے ہر جاندار - انسان، چرند و پرند، درندوں اور پالتو جانوروں - پر نیند کی کیفیت اور غنودگی طاری ہو جاتی ہے، گویا یہ وقت ہی نیند لانے والا ہے۔ نیند کے باب میں اللہ تعالیٰ اگر لوگوں کو اختیار دے

دیتے کہ جس کی جب مرضی ہو، بس! ایک سوئچ دبا دے گا تو اس کو نیند آجائے گی؛ تو سوچئے کیا ہوتا! کوئی آدمی آٹھ بجے سو رہا ہے، دوسرا گیارہ بجے سو رہا ہے، تیسرا چار بجے سو رہا ہے، پھر جب چار بجے، تو آٹھ بجے والا اُٹھ گیا اور کھٹ کھٹ کرنے لگا، اب وہ چار بجے والے کو سونے نہیں دے رہا ہے، اس طرح سارا نظام بگڑ جاتا اور بہت دشواری پیش آسکتی تھی، لیکن اللہ تعالیٰ نے رات کا وقت ہی ایسا رکھا کہ سب پر نیند طاری ہو جاتی ہے، کھٹ کھٹ کرنے والا کوئی بھی جاگتا ہی نہیں، سب نیند میں مشغول ہوتے ہیں۔ اگر پوری دنیا کے لوگ مل کر کوئی کانفرنس کرتے کہ فلاں وقت میں ہی ہم سب کو سونا ہے؛ تو یہ بات ناممکن تھی، یہ تو اللہ تعالیٰ کا ایک عجیب نظام اور بڑی نعمت ہے؛ اس لئے جس ذات نے یہ نعمت عطا فرمائی، اس کی یاد تو ہونی ہی چاہیے، اس کی یاد کے بغیر جو وقت گزرے گا؛ گویا یہ غفلت ہوگی اور آدمی کو ایسی غفلت سے اپنے آپ کو بچانا چاہیے۔

جواز الاستلقاء عَلَى القفا

ووضع إحدى الرِّجلين عَلَى الأخرى

إِذَا لم يخف انكشاف العورة

وجواز القعود متربعاً ومحتبياً

سونے اور بیٹھنے کے آداب کا سلسلہ چل رہا ہے۔ سونے اور بیٹھنے کا مسنون اور مستحب طریقہ بتلادیا؛ اب جو جائز شکلیں ہیں وہ بتلا رہے ہیں اسی مناسبت سے ایک عنوان قائم کیا ہے: کوئی آدمی اگر چت لیٹنا چاہے تو یہ بھی جائز ہے۔

ویسے لیٹنے کا افضل اور بہتر طریقہ بتلادیا تھا کہ سوتے وقت شروع میں آدمی داہنی کروٹ کے اوپر لیٹے، بعد میں اگر کروٹ بدل جائے تو کوئی حرج کی بات نہیں ہے۔ اب چت لیٹنے کی شکل میں ایک صورت یہ بھی ہوتی ہے کہ آدمی پاؤں پر پاؤں رکھ کر لیٹے، تو اس کے متعلق حکم یہ ہے کہ اگر ستر کے کھل جانے کا اندیشہ اور خطرہ نہ ہو؛ تو اس صورت میں پاؤں پر پاؤں رکھ کر بھی سوسکتا ہے۔

بیٹھنے کے دو طریقے ہیں:- [۱] چوکڑی (آلتی پالتی) مار کر چہار زانو بیٹھنا۔ [۲] گوٹ مار کر بیٹھنا؛ ان دونوں کا حکم بتلائیں گے۔ روایتوں میں اس کی تفصیل آرہی ہے۔

۸۲۰:- عن عبدِ اللهِ بن زيد رضی اللہ عنہما أنَّه رأى رسولَ الله صلی اللہ علیہ وسلم مُسْتَلْقِياً في الْمَسْجِدِ، وَاضِعاً إِحْدَى رِجْلَيْهِ عَلَى الأُخْرَى. (متفقٌ عَلَيْهِ)

ترجمہ:- حضرت عبد اللہ بن زید رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ انہوں نے نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو مسجد میں اس طرح چت لیٹے ہوئے دیکھا کہ آپ نے اپنے ایک پاؤں مبارک کے اوپر دوسرا پاؤں مبارک رکھا ہوا تھا۔

افادات:- اس روایت سے دو چیزوں کو ثابت کرنا چاہتے ہیں، ایک تو یہ کہ آدمی چت لیٹنا چاہے؛ تو اس کی اجازت ہے۔

پاؤں پر پاؤں رکھ کر سونا جائز ہے یا نہیں؟

دوسرے یہ کہ پاؤں پر پاؤں رکھ کر سونا۔ تو اس طرح سونے کے متعلق حدیث

پاک میں ممانعت بھی آئی ہے، نبیٔ کریم ﷺ نے پاؤں پر پاؤں رکھ کر سونے سے منع فرمایا (صحیح مسلم. بابٌ فِي مَنْعِ الاِسْتِلْقَاءِ عَلَى الظَّهْرِ وَوَضْعِ إِحْدَى الرِّجْلَيْنِ عَلَى الأُخْرَى. حدیث نمبر:۵۶۲۳)
اور اوپر والی روایت میں صحابی بیان فرمارہے ہیں کہ میں نے نبیٔ کریم ﷺ کو مسجدِ نبوی میں اس حال میں لیٹے ہوئے دیکھا کہ آپ پاؤں پر پاؤں رکھے ہوئے تھے، یہ حضورِ اکرم ﷺ کا اپنا عمل ہے۔ علماءِ کرام نے دونوں روایتوں میں مختلف طریقوں سے تطبیق دی ہے۔ بعض حضرات یوں فرماتے ہیں کہ شروع میں ممانعت تھی، بعد میں اجازت ہوگئی اور آپ ﷺ کا عمل ہی اس کے جواز کی دلیل ہے۔

تطبیق کی ایک شکل

لیکن علماء کی ایک جماعت اس طرف گئی ہے کہ چوں کہ پاؤں پر پاؤں رکھ کر جو لیٹا جاتا ہے اس میں خطرہ ہوتا ہے کہ آدمی کا ستر کھل جائے، خصوصاً اُس زمانہ میں جبکہ عام طور پر لنگی اور وہ بھی بغیر سلی ہوئی پہننے کا رواج تھا، دورِ نبوت میں کپڑوں کے سلسلہ میں اتنی وسعت بھی نہیں تھی جو بعد میں ہوئی، لنگی بھی بعض مرتبہ بڑی تنگ ہوا کرتی تھی، ایسی حالت میں آدمی اگر پاؤں پر پاؤں رکھ کر سوئے تو قوی اندیشہ رہتا ہے کہ ستر کھل جائے، اس لیے اگر پاؤں پر پاؤں رکھ کر سونے کی وجہ سے ستر کھل جاتا ہے یا ستر نظر آتا ہے؛ تو پھر پاؤں پر پاؤں رکھ کر سونا جائز نہیں۔ اور اگر ستر نہیں کھلتا؛ تو اس طرح لیٹنے کی اجازت ہے۔ علامہ نووی رحمۃ اللہ علیہ نے بھی جو عنوان قائم کیا ہے اس میں یہی شرط لگائی ہے: ”اذا لم یخف انکشاف العورۃ“ اگر کوئی آدمی پاؤں پر پاؤں رکھ کر چت لیٹے، اور ستر کے کھلنے کا اندیشہ نہ ہو؛ تو اس طرح لیٹنا جائز ہے۔ گویا دونوں روایتیں اپنی اپنی جگہ پر ہیں۔ ممانعت اپنی جگہ پر ہے اور وہ اسی صورت میں ہے جبکہ اس طرح

لیٹنے کی وجہ سے ستر کھل جانے کا اندیشہ ہو۔ اور اگر اس طرح لیٹنے کی صورت میں ستر کھلنے کا کوئی اندیشہ اور خطرہ نہیں ہے؛ تو اجازت ہے۔ ممانعت ایک مخصوص حالت کے لئے ہے، اور اجازت بھی ایک مخصوص حالت کے لئے ہے۔ چناں چہ حافظ ابن حجر عسقلانی رحمۃ اللہ علیہ نے بھی یہی تطبیق دی ہے۔

شیخ الشیخ حضرت سہارنپوری رحمۃ اللہ علیہ کی رائے عالی

لیکن ہمارے شیخ الشیخ حضرت مولانا خلیل احمد صاحب سہارنپوری رحمۃ اللہ علیہ نے ایک اور تطبیق دی ہے کہ: راوی یہ فرماتے ہیں کہ نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو مسجدِ نبوی میں پاؤں پر پاؤں رکھ کر لیٹا ہوا دیکھا۔ اس میں راوی نے یہ صراحت نہیں کی کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ایک پاؤں کھڑا کیا تھا اور دوسرا پاؤں اس کے اوپر رکھا تھا، بلکہ پاؤں پر پاؤں رکھ کر لیٹنے کی دو صورتیں ہوسکتی ہیں، ایک تو یہ کہ ایک پاؤں کھڑا کر کے دوسرا پاؤں اس کے اوپر رکھا جائے، جیسے عام طور پر ہوتا ہے؛ اس صورت میں ستر کے کھلنے کا اندیشہ رہتا ہے۔ اور دوسری صورت یہ ہے کہ دونوں پاؤں سیدھے ہوں اور ایک پاؤں کے اوپر دوسرا پاؤں رکھ کر آدمی سوئے؛ اس صورت میں ستر کے کھلنے کا کوئی سوال پیدا ہی نہیں ہوتا۔

تو جس حدیث میں ممانعت آئی ہے، اس کا مطلب یہ ہے کہ اس طرح سونا کہ ایک پاؤں کھڑا ہو، اور دوسرا پاؤں اس کے اوپر رکھا ہو۔ لیکن اگر دونوں پاؤں سیدھے ہوں اور ایسی حالت میں ایک پاؤں پر دوسرا پاؤں رکھ کر آدمی لیٹے، تو چاہے لنگی ہو؛ ستر کھلنے سے اور زیادہ حفاظت ہو جاتی ہے، اس لیے راوی نے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو جس طرح لیٹے ہوئے دیکھا اس کو اسی شکل پر محمول کیا جائے گا۔ علامہ نووی رحمۃ اللہ علیہ نے عنوان کے اندر دو چیزیں بتلائی تھیں، دونوں یہاں ثابت ہوگئیں ایک تو چت لیٹنے کا ثبوت ہوگیا،

اور دوسرا پاؤں پر پاؤں رکھ کر لیٹنے کی اجازت بھی معلوم ہوگئی۔

چہارزانو بیٹھنا

۸۲۱:-وعن جابر بن سمرة رضی اللہ تعالیٰ عنہ قال: كَانَ النبيُّ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم إِذَا صَلَّى الفَجْرَ تَرَبَّعَ فِي مَجْلِسِهِ حَتَّى تَطْلُعَ الشَّمْسُ حَسْنَاء. (حديث صحيح، رواه أبو داود وغيره بأسانيد صحيحة)

ترجمہ:- حضرت جابر بن سمرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم جب فجر کی نماز سے فارغ ہوتے تھے تو اپنی اسی جگہ پر (چوکڑی (پالتھی) مارکر) چہارزانو بیٹھ جاتے تھے؛ یہاں تک کہ سورج اچھی طرح طلوع ہوجاتا۔

افادات:- احادیث میں اس بات کی فضیلت آئی ہے کہ آدمی فجر کی نماز سے فارغ ہوکر اسی جگہ سورج طلوع ہونے تک بیٹھا رہے اور ذکر میں مشغول رہے، پھر اشراق کی دو رکعت پڑھ کر اُٹھے؛ تو اس کو حج اور عمرہ کا ثواب حاصل ہوتا ہے۔

(ترمذی، باب ذکر ما یستحب من الجلوس فی المسجد بعد صلاۃ الصبح حتی تطلع الشمس۔ حدیث:۵۸۶)

یہاں تو یہ بتلانا چاہتے ہیں کہ مسجد میں بھی آدمی چہارزانو بیٹھ کر اپنا وظیفہ پورا کرے، قرآنِ پاک کی تلاوت کرے، تو بیٹھ سکتا ہے، اس کی کوئی ممانعت نہیں ہے۔ اور دعا بھی اگر اس طرح بیٹھ کر مانگے؛ تو اس میں کوئی حرج کی بات نہیں ہے، اس کی اجازت ہے۔

گوٹ مارکر بیٹھنا

۸۲۲:-وعن ابن عمر رضی اللہ عنہما قال: رأيتُ رسول الله صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم بفناءِ الكَعْبَةِ مُحْتَبِياً بِيَدَيْهِ هكذا. وَوَصَفَ بِيَدَيْهِ الاحْتِبَاءَ، وَهُوَ القُرْفُصَاءُ. (رواه البخاري)

ترجمہ:- حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ مَیں نے نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو کعبہ شریف کے (سامنے) صحن میں دونوں ہاتھوں سے گوٹ مارکر بیٹھا ہوا دیکھا۔ پھر انہوں نے

اس طرح بیٹھ کر بتلایا (کہ آدمی زمین پر اپنی سرین رکھ کر دونوں پاؤں کھڑے کر کے ان کو پکڑ لے؛ یہی احتباء کہلاتا ہے اور اسی کو ''قُرْفُصَآء'' بھی کہتے ہیں۔)

افادات:- حضرت شیخ نوراللہ مرقدہٗ فرماتے ہیں کہ: احتباء میں دونوں شکلیں ہیں، ایک تو وہی کہ آدمی سرین کے اوپر بیٹھ کر پاؤں کھڑے کر کے گھٹنے اونچے کر لے، اور اپنے ہاتھوں سے گول دائرہ بنالے۔ اور دوسری شکل یہ ہے کہ ہاتھ کھلے چھوڑ دے اور کوئی کپڑا رومال وغیرہ اپنی کمر کے پیچھے سے آگے لاکر گرہ لگا دے؛ یہ بھی احتباء ہے، البتہ ''قرفصاء'' وہ کہلاتی ہے جس میں صرف ہاتھ کا دائرہ بنا کر گوٹ مار کر بیٹھا ہو۔

بہرحال! اس طرح بیٹھنا بھی جائز ہے، بلکہ بہت سے حضرات نے اس کو سنت بھی بتلایا ہے، اگرچہ اس طرح کی بیٹھک کے سنت ہونے پر بعض حضرات نے کلام کیا ہے، لیکن مستحب ہونے پر کسی کو کلام نہیں ہے کہ اس طرح بیٹھنا پسندیدہ ہے۔

ہاں! ایک بات یاد رہے کہ اگر کوئی آدمی لنگی پہنے ہوئے ہے، اور اس طرح بیٹھنے کی صورت میں ستر کے کھلنے کا اندیشہ ہے؛ تو پھر اس کی اجازت نہیں ہے۔ حدیثِ پاک میں آتا ہے: نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے دو قسم کی بیٹھکوں سے منع فرمایا، اس میں یہ بھی ہے کہ اس طرح اکڑوں یا گوٹ مار کر بیٹھے کہ ستر کے اوپر کوئی کپڑا نہ ہو، اور ستر کھلا رہے؛ تو یہ حرام ہے۔

۸۲۳:- وعن قَيْلَةَ بِنْتِ مَخْرَمَةَ رضی اللہ عنہا قالت: رأيتُ النَّبِيَّ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم وَهُوَ قَاعِدٌ الْقُرْفُصَاءَ، فَلَمَّا رَأَيْتُ رسولَ الله صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم الْمُتَخَشِّعَ فِي الْجِلْسَةِ؛ أُرْعِدْتُ مِنَ الْفَرَقِ. (رواه أبو داود والترمذی)

ترجمہ:- حضرت قَیْلَہ بنت مَخْرَمہ رضی اللہ عنہا (صحابیہ) فرماتی ہیں کہ میں نے نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو گوٹ مار کر (یعنی پاؤں کھڑے کر کے ہاتھ سے گول دائرہ بنا کر) بیٹھے ہوئے دیکھا۔ جب میں نے نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو ایسی خشوع اور تواضع والی ہیئت میں بیٹھے ہوئے دیکھا تو مارے خوف کے میں لرز گئی۔

افادات:- کبھی کوئی بڑا آدمی بالکل عاجزانہ شکل اختیار کر کے بیٹھا ہو، اور کوئی آدمی اس کو اچانک دیکھ لے؛ تو دیکھنے والے پر ایک خاص خوف اور ہیبت کی کیفیت طاری ہو جاتی ہے۔

۸۲۴:- **وعن الشَّرِيدِ بن سُوَيْدٍ** رضی اللہ تعالیٰ عنہ **قَالَ: مَرَّ بِي رسولُ الله** صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم **وَأَنَا جَالِسٌ هٰكَذَا، وَقَدْ وَضَعْتُ يَدِيَ الْيُسْرَىٰ خَلْفَ ظَهْرِي، وَاتَّكَأْتُ عَلَىٰ أَلْيَةِ يَدِي، فَقَالَ: أَتَقْعُدُ قِعْدَةَ الْمَغْضُوبِ عَلَيْهِمْ؟!** (رواه أبوداود بإسنادٍ صحيح)

ترجمہ:- حضرت شرید بن سوید رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا گزر میرے پاس سے ہوا اور مَیں اس طرح بیٹھا ہوا تھا کہ اپنا بایاں ہاتھ اپنی پشت کے پیچھے اس طرح رکھا تھا کہ اس کے اوپر پیچھے کی طرف ٹیک لگایا تھا۔ نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے تنبیہ فرمائی کہ جن لوگوں پر اللہ تعالیٰ کا غضب ہوا؛ ان کی طرح بیٹھتے ہو؟

افادات:- گویا اس بیٹھک کو حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ناپسند فرمایا۔ اس سے یہ بھی معلوم ہوا کہ اُٹھنے بیٹھنے میں بھی فساق وفجار اور ایسے لوگوں کی ہیئت اختیار کرنا جو اللہ تعالیٰ کی نگاہ میں معتوب ومغضوب ہیں، اس کی شریعت اجازت نہیں دیتی۔ اسی لئے اس طرح کھڑا ہونا کہ کمر کے پیچھے ہاتھ سے ٹیک لگایا ہو؛ اس کی بھی ممانعت آئی ہے۔ اٹھنے بیٹھنے اور کھڑے رہنے کے سلسلہ میں ہر ایسی ہیئت اختیار کرنا جو فساق وفجار، معتوب اور مغضوب لوگوں کا طریقہ ہو؛ اس کی شریعت اجازت نہیں دیتی۔ آدمی اپنے آپ کو ایسی ہیئت سے بچائے۔

بہر حال! اس عنوان کے تحت علامہ نووی رحمۃ اللہ علیہ نے ایک بات تو یہ بتلائی کہ آدمی چت لیٹ سکتا ہے، دوسرے یہ کہ ٹانگ پر ٹانگ رکھ کر پاؤں کھڑا کر کے بھی لیٹ سکتا ہے، بشرطیکہ ستر کھلنے کا اندیشہ نہ ہو۔ چوکڑی مار کر بھی بیٹھ سکتا ہے اور گوٹ لگا کر بھی بیٹھ سکتا ہے۔

باب فی آداب المجلس والجلیس

مجلس کے آداب

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

اس عنوان کے تحت یہ بتلانا چاہتے ہیں کہ بیٹھنے کے آداب کیا ہیں، اور ہم نشینوں کے ساتھ کس طرح کے آداب برتے جائیں۔

گنجائش نکال دو

۸۲۵:-عن ابن عمر رضی اللہ عنہما قَالَ قَالَ رسولَ الله صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم: لایُقِیمَنَّ أحَدُکُمْ رَجُلاً مِنْ مَجْلِسِهِ ثُمَّ یَجْلِسُ فِیهِ، وَلکِنْ تَوَسَّعُوا وَتَفَسَّحُوا. وکَانَ ابْنُ عُمَرَ إِذَا قَامَ لَهُ رَجُلٌ مِنْ مَجْلِسِهِ لَمْ یَجْلِسْ فِیهِ. (متفقٌ عَلَیْهِ)

ترجمہ:- حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا: تم میں کوئی کسی کو اس جگہ سے نہ اٹھائے جہاں وہ بیٹھا ہوا ہو، کہ پھر خود اس کی جگہ بیٹھ جائے۔ لیکن ذرا کشادہ ہو جاؤ، اور گنجائش نکال دو۔ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما کے لیے جب کوئی اپنی جگہ سے اُٹھتا تھا تو آپ اس جگہ پر نہیں بیٹھتے تھے۔

افادات:- ایک تو یہ ہے کہ کسی آدمی کی مملوک اور اس کی ذاتی جگہ ہے، جیسے اس کا اپنا گھر یا ذاتی کمرہ ہے، یا بیٹھنے کی مخصوص جگہ ہے، وہاں کوئی دوسرا آکر بیٹھ گیا؛ تو ظاہر ہے کہ وہ خود مالک ہے، اور مالک کی اجازت کے بغیر کوئی بیٹھا ہو، بلکہ اجازت لیکر بھی بیٹھا ہو؛ تو اس کو اختیار ہے کہ وہاں سے اس کو ہٹائے۔

پبلک مقامات کا حکم

اور دوسری شکل یہ ہے کہ ایک عام جگہ ہے، جو کسی کی مخصوص مِلک نہیں ہے، جیسے: مسجد ہے، اسٹیشن کی کرسیاں ہیں، یا کوئی پارک اور باغیچہ ہے جہاں سب لوگ آتے جاتے ہیں، وہ کسی کی ملکیت نہیں ہے، بلکہ ہر ایک کو وہاں بیٹھنے کی اجازت ہے، ایسی کسی

جگہ پر اگر کوئی آدمی آکر پہلے سے بیٹھ گیا ہے، جیسے: ایک آدمی مسجد میں آکر امام کے پیچھے والی جگہ پر بیٹھ گیا، تو یہ ایسی جگہ ہے جہاں ہر ایک کو بیٹھنے کی اجازت ہے، اور جو پہلے آکر بیٹھے اور قبضہ جمائے، وہ اس جگہ کا زیادہ حقدار ہے۔ یہ حقِ اسبقیت کہلاتا ہے۔ اب بعد میں آنے والا کوئی آدمی اس کو وہاں سے اُٹھا نہیں سکتا، الَّا یہ کہ وہ آدمی خود اپنی مرضی سے اٹھ کر چلا جائے، یا نماز کا وقت ختم ہو گیا اور دوسری نماز کے وقت وہ جگہ خالی ہو گئی، تو پھر دوسرا آدمی وہاں بیٹھ سکتا ہے۔

بعض لوگوں کا مزاج ہوتا ہے کہ مسجد میں اپنے لیے ایک جگہ مقرر کی ہوئی ہوتی ہے اگر کوئی پہلے آکر وہاں بیٹھ جاتا ہے تو یہ آکر اس کو ہٹا دیتے ہیں؛ یہ جائز نہیں ہے۔ حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ نے مسئلہ لکھا ہے، ہر ایسی مباح جگہوں کا یہی حکم ہے، اور ہم میں سے اکثر لوگ اس مرض میں مبتلا ہیں۔

دوسرے کی چپل ہٹا کر اپنی نہ رکھے

اسی طرح مسجد میں جہاں جوتے نکالے جاتے ہیں اس کا بھی یہی حکم ہے کہ وہ ایک مباح جگہ ہے، ہر آدمی وہاں جوتے نکال سکتا ہے۔ ایک آدمی نے آکر دیکھا کہ کونے پر ایک جگہ خالی ہے تو اس نے اپنے جوتے نکال کر وہاں رکھ دئے، تو اب اس جگہ کا وہ حق دار ہو گیا، جب تک کہ وہ خود اپنے جوتے وہاں سے نہ ہٹائے وہاں تک کسی دوسرے کو اس جگہ کے استعمال کرنے کی اجازت نہیں ہے۔ لیکن ہم لوگوں کی عادت کیا ہوتی ہے! کسی نے پہلے سے کونہ میں اچھی جگہ دیکھ کر اپنے جوتے رکھے ہیں، ہم بعد میں آکر لات مار کر اس کے جوتے ہٹا دیتے ہیں اور اس جگہ پر اپنے جوتے رکھ دیتے ہیں، پھر کوئی تیسرا آتا ہے تو وہ بھی لات مار کر اس کے جوتے ہٹا دیتا ہے، اس طرح پہلے

والے کے جوتے اور دور چلے جاتے ہیں، پھر جب پہلے والا بے چارہ نماز سے فارغ ہو کر باہر نکلتا ہے تو اپنی جگہ پر اپنے جوتے تلاش کرتا ہے، لیکن وہاں نہیں ملتے تو وہ پریشان ہوتا ہے۔ اس لیے یہ طریقہ صحیح نہیں ہے، اور اس کی اجازت نہیں ہے۔

ٹرین میں زیادہ جگہ روکنا

ٹرین کے اندر بھی ایسا ہوتا ہے کہ ایک آدمی پہلے سے آکر بیٹھ گیا تو اب آپ اس کو وہاں سے ہٹا نہیں سکتے۔ جو لوگ پہلے سے جگہ روکتے ہیں؛ اس کی بھی اجازت نہیں ہے۔ گر آپ پہلے آئے ہیں تو آپ بیٹھ جائیے، دوسروں کے لئے جگہ رکھنے کا آپ کو حق نہیں دیا گیا ہے، دوسرا جو بھی آ رہا ہے وہ ٹکٹ لے کر آ رہا ہے، اس کا بھی پورا پورا حق ہے۔ پہلے جہاں کھانے کا مسئلہ آیا تھا وہاں پوری تفصیل بتلادی تھی۔ بعض لوگ زیادہ جگہ روکتے ہیں؛ اس کی بھی اجازت نہیں ہے۔ اگر جگہ پُر ہو گئی ہے تو کسی کو اُٹھا تو نہیں سکتے، لیکن جو پہلے سے بیٹھے ہوئے ہیں وہ ذرا کھسک کر اور پھیلاؤ کم کر کے آنے والے کے لئے جگہ کردیں اور کچھ گنجائش نکال لیں؛ تو البتہ اس کی اجازت ہے، اگر جگہ میں گنجائش ہو تو ان بھی کو منع نہیں کرنا چاہیے۔ بعض لوگوں کی عادت ہوتی ہے کہ خوب چوڑے ہو کر بیٹھتے ہیں، بعد میں جو لوگ آتے ہیں تو وہ کھڑے رہتے ہیں، یہ دیکھ رہے ہوتے ہیں کہ سب پریشان ہیں تب بھی ذرہ برابر حرکت کرنے کا نام نہیں لیتے؛ ایسا نہیں کرنا چاہیے، بلکہ آپ ان کے لئے گنجائش نکال دیجئے، ہاں! آپ پریشانی میں مبتلا نہ ہوں، لیکن آپ نے زیادہ کشادگی سے جو فائدہ اٹھا رکھا ہے، تو اپنے بھائی کے لئے ذرا گنجائش نکال لو۔

اگر کوئی اپنی جگہ ہمارے لیے چھوڑ دے

تیسری بات یہ بھی ہے کہ کبھی ایسا ہوتا ہے کہ خاندانی یا علمی لحاظ سے کسی فضیلت کا

حامل کوئی بڑا آدمی آتا ہے تو اس کے اکرام وادب کے طور پر، یا اجر وثواب حاصل کرنے کی نیت سے آدمی اُٹھ جاتا ہے، اور اس سے اپنی جگہ بیٹھنے کے لئے درخواست کرتا ہے۔ تو اگر بغیر کسی جبر اور دباؤ کے ازخود اُٹھ گیا ہے تب تو الگ بات ہے۔ لیکن بعض مرتبہ عقیدت مند لوگ زبردستی اُٹھواتے ہیں کہ: حضرت آرہے ہیں، یہ جگہ خالی کرو؛ ایسا کرنا بالکل صحیح نہیں ہے۔ وہ دیکھ کر ازخود اُٹھ جائے، یا اس کو متوجہ کیا گیا اور وہ اپنی مرضی سے اٹھا؛ تو دوسری بات ہے۔ لیکن اگر اٹھنے کے لیے اس کا جی تو چاہتا نہیں تھا اِن لوگوں نے زبردستی قبضہ کرلیا؛ تو یہ صحیح نہیں ہے۔

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما کا معمول بتلایا گیا کہ اگر کوئی آدمی ازخود اٹھ جاتا تب بھی آپ اس کی جگہ پر نہیں بیٹھتے تھے، وہ خیال فرماتے تھے کہ ہوسکتا ہے وہ شرما حضوری میں کھڑا ہو گیا ہو۔ اس لیے کہ بعض مرتبہ ایسا ہوتا ہے کہ اندر سے دل تو نہیں چاہتا، لیکن اگر نہ اُٹھے تو اچھا بھی نہیں لگتا، اس لیے بادلِ ناخواستہ اٹھ جاتا ہے۔ علماء نے لکھا ہے کہ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما مزید احتیاط اور تقویٰ کے پیشِ نظر اس جگہ پر نہیں بیٹھتے تھے، باقی مسئلہ یہی ہے کہ وہ ازخود اُٹھا ہو، تو اس نے اپنا حق آپ کے لئے چھوڑ دیا، اس لیے آپ بیٹھ سکتے ہیں۔

ایثار بالقُرَب

ایک بات اور ہے، مثلاً: ایک آدمی پہلے سے آکر مسجد میں پہلی صف میں بیٹھا ہوا ہے، تو اب وہ کسی دوسرے کے لئے پہلی صف والی جگہ خالی کرے؛ جو ''إِيْثَار بِالْقُرَبِ'' کہلاتا ہے کہ نیکی کے کاموں میں اپنے آپ پر دوسروں کو ترجیح دینا؛ یہ جائز ہے یا نہیں؟ تو فقہاء نے اس پر مستقل کلام کیا ہے کہ دو صورتیں الگ الگ ہیں۔ ایک

صورت تو یہ ہے کہ اپنی ضروریات وخواہشات کی تکمیل کے معاملہ میں ایثار سے کام لینا، مثلاً: مَیں کھانا کھا رہا ہوں، اور آپ آ گئے تو مَیں نے کھانا چھوڑ دیا اور آپ کے لئے پیش کر دیا، آپ کو اپنے اوپر ترجیح دی؛ یہ تو اچھی بات ہے اور نیکی کا کام ہے۔ قرآنِ پاک میں اس پر تعریف کی گئی ہے: ﴿يُؤْثِرُونَ عَلَىٰ أَنفُسِهِمْ وَلَوْ كَانَ بِهِمْ خَصَاصَةٌ﴾ ان چیزوں میں تو اپنی خواہش کے مقابلہ میں دوسروں کو ترجیح دی جائے۔

لیکن دوسری صورت یہ ہے کہ پہلی صف میں آپ کو موقع ملا تھا جو ایک عبادت کی چیز ہے، آپ اس کو چھوڑ کر وہ جگہ دوسرے کو دے رہے ہیں؛ تو اس پر فقہاء نے کلام کیا ہے۔ بعض تو اس کی اجازت نہیں دیتے کہ آپ عبادت کے معاملہ میں بے پرواہی برت رہے ہیں، گویا آپ یہ سمجھ کر ہٹ رہے ہیں کہ مجھے پہلی صف کی ضرورت نہیں ہے؛ اس لیے ایسا نہیں کرنا چاہیے۔ لیکن دوسرے حضرات یہ کہتے ہیں کہ: اپنے آپ کو پہلی صف کا محتاج سمجھتے ہوئے اکراماً اگر کوئی آدمی اپنی جگہ خالی کرے؛ تو اس کی گنجائش ہے۔ ہاں! جہاں خالص عبادت کا معاملہ ہو وہاں اس کی اجازت نہیں دی گئی ہے۔

پہلے بیٹھنے والا زیادہ حق دار ہے

۸۲۶:- وعن أبي هريرة رضی اللہ تعالیٰ عنہ أنَّ رسول الله صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم قَالَ: إِذَا قَامَ أَحَدُكُمْ مِنْ مَجْلِسٍ، ثُمَّ رَجَعَ إِلَيْهِ، فَهُوَ أَحَقُّ بِهِ. (رواہ مسلم)

ترجمہ:- حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا: تم میں سے کوئی آدمی جب مجلس سے اُٹھا، پھر لوٹ کر آیا؛ تو وہ اس کا زیادہ حق دار ہے۔

افادات:- یہاں دوسرا مسئلہ بتا رہے ہیں کہ مثلاً: ایک آدمی مسجد میں آ کر پہلے سے بیٹھا ہوا ہے، ابھی نماز نہیں ہوئی ہے اور اس کو کوئی عذر پیش آ گیا، جیسے پیشاب

کا تقاضا ہوا، یا وضو ٹوٹ گیا، تو وہ مجبوراً اپنے اس تقاضہ کو پورا کرنے کے لئے اُٹھ کر گیا، اور ساتھ ہی ساتھ کوئی ایسی شکل اختیار کی کہ جس سے لوگ یہ سمجھیں کہ وہ دوبارہ آنے والا ہے، جیسے: اپنا رومال، قلم، یا کوئی اور چیز رکھ دی، تو چوں کہ وہ پہلے سے بیٹھا ہوا تھا اس لیے اس جگہ کا وہی حق دار ہے، وہ وضو کرنے کے لئے گیا اس دوران کوئی آدمی آکر وہاں بیٹھ گیا تو یہ اس کو وہاں سے اُٹھا سکتا ہے، اس لئے کہ یہ اپنی اس جگہ کو چھوڑ کر نہیں گیا تھا، بلکہ مجبوری کی وجہ سے وضو کرنے کے لیے گیا تھا، اور یہ ایک ایسی چیز ہے جس کو ہم سب بھی سمجھ سکتے ہیں۔ ایسا معاملہ ٹرین میں بہت پیش آتا ہے کہ کوئی آدمی سیٹ کے اوپر بیٹھا ہوا اور پیشاب کے لئے جائے، تو سارا ڈبہ کھڑا ہو تب بھی کوئی شخص اس کی جگہ پر اپنا حق نہیں سمجھتا، جب وہ واپس آتا ہے تو لوگ خود سمجھ جاتے ہیں کہ وہ چھوڑ کر نہیں گیا تھا، اس لیے اس جگہ پر اسی کا حق ہے۔ ہاں! اگر اس جگہ کو چھوڑ کر چلا گیا ہو، اور کوئی ایسی علامت بھی نہیں رکھی تھی، بلکہ اس کے انداز ہی سے معلوم ہو رہا تھا کہ یہ جگہ چھوڑ کر جا رہا ہے، تو اب وہ کسی کو نہیں اُٹھا سکتا۔

اپنی جگہ رکوانا

بعضوں کی عادت ہوتی ہے کہ خود آئے بغیر کسی دوسرے کے ذریعہ سے جگہ پر قبضہ کراتے ہیں کہ کسی دوسرے نے اس کے لئے رومال رکھ دیا؛ تو اس کی شریعت اجازت نہیں دیتی۔ ہاں! خود آکر بیٹھا ہو اور کسی وجہ سے جانے کی نوبت آئی ہو؛ تو اس صورت میں رومال وغیرہ رکھ سکتے ہیں۔

بعد میں آنے والا مجلس کے کنارے بیٹھے

۸۲۷:- وعن جابر بن سَمُرَة رضی اللہ تعالیٰ عنہ قَالَ: كُنَّا إِذَا أَتَيْنَا النَّبِيَّ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم جَلَسَ

أَحَدُنَا حَيْثُ يَنْتَهِي. (رواه أبو داود والترمذی، وقال: حدیث حسن)

ترجمہ:- حضرت جابر بن سمرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ ہم جب نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی مجلس میں حاضر ہوتے تھے، تو جہاں مجلس ختم ہوتی تھی وہیں بیٹھ جاتے تھے۔

افادات:- جیسے ہماری یہ مجلس پہلے سے لگی ہوئی ہے اور بعد میں کوئی نیا آدمی آیا جو لوگوں کو چیر کر آگے آنے کی کوشش کرے؛ تو یہ برا ہے۔ یہ تو سب لوگوں کو تکلیف پہنچانا ہوا اِس کی شریعت اجازت نہیں دیتی، بلکہ شریعت یہ کہتی ہے کہ جب آپ بعد میں آئے ہیں تو جہاں مجلس ختم ہو رہی ہے اور آخری آدمی جہاں بیٹھا ہے، وہیں بیٹھ جائیے؛ یہ بھی آدابِ مجلس میں سے ہے۔ چاروں کناروں کے آخری حصے میں جہاں بیٹھنا چاہو بیٹھو لیکن بیچ میں نہ آؤ۔ بیچ میں آنا دوسروں کو تکلیف پہنچانا ہے۔

لوگوں کو چیر کر آگے نہ بڑھے

۸۲۸:- وعن أبي عبد الله سَلْمَان الفارسی رضی اللہ تعالیٰ عنہ قَالَ: قَالَ رسول الله صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم: لاَيَغْتَسِلُ رَجُلٌ يَوْمَ الْجُمُعَةِ، وَيَتَطَهَّرُ مَا اسْتَطَاعَ مِنْ طُهْرٍ، وَيَدَّهِنُ مِنْ دُهْنِهِ، أَوْ يَمَسُّ مِنْ طِيبِ بَيْتِهِ، ثُمَّ يَخْرُجُ فَلاَ يُفَرِّقُ بَيْنَ اثْنَيْنِ، ثُمَّ يُصَلِّي مَا كُتِبَ لَهُ، ثُمَّ يُنْصِتُ إِذَا تَكَلَّمَ الإِمَامُ، إِلاَّ غُفِرَ لَهُ مَا بَيْنَهُ وَبَيْنَ الْجُمُعَةِ الأُخْرَى. (رواہ البخاری)

ترجمہ:- حضرت سلمان فارسی رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا: کوئی آدمی جمعہ کے روز غسل کرے اور اپنی طاقت کے مطابق پاکی حاصل کرے (پورے جسم کی صفائی کرے) تیل لگائے، خوشبو (ہو تو) استعمال کرے، پھر وہ اپنے گھر سے مسجد جانے کے لئے اس شان سے نکلے کہ مسجد میں پہنچنے کے بعد دو آدمیوں کے درمیان تفریق نہ کرے (بیٹھے ہوئے لوگوں کو چیر کر آگے نہ جائے) پھر اللہ تعالیٰ نے جو توفیق دی وہ نماز پڑھے (یعنی نفل، سنت) پھر امام

جب خطبہ دینے لگے تو خاموشی سے سنتا رہے؛ تو اس کے اس جمعہ سے لے کر آئندہ جمعہ تک کے سارے (صغیرہ) گناہ معاف ہو ہی جائیں گے۔

افادات:- اس لئے کہ کبیرہ گناہ تو آدمی جب تک توبہ نہ کرے وہاں تک معاف نہیں ہوتے۔

اس روایت کو صرف اس نکتہ کی طرف متوجہ کرنے کے لئے لائے ہیں کہ جب آپ مسجد میں داخل ہوں اور لوگ صفیں بنا کر بیٹھے ہوئے ہوں، تو آپ ان کو چیر کر آگے نہ بڑھیں؛ اس کی اجازت نہیں ہے۔ البتہ اگر آگے کی جگہیں خالی ہیں اور لوگوں نے پیچھے صفیں بنا لیں ہیں؛ تو فقہاء لکھتے ہیں کہ: آگے کی جگہوں کو خالی رکھ کر پیچھے صف بنانے والوں نے گویا اپنی رعایت کا حق ختم کر دیا، یعنی ہمیں ان کے ساتھ رعایت کرنی چاہیے تھی کہ ہم ان کو چیر کر آگے نہ جائیں، لیکن انہوں آگے جگہیں خالی چھوڑ کر اپنی رعایت کا حق خود ہی ختم کر دیا؛ اس لئے ایسی صورت میں کوئی آدمی لوگوں کو چیر کر آگے کی خالی جگہیں پُر کرنا چاہے؛ تو کرسکتا ہے۔

دو کے بیچ میں نہ گھسے

۸۲۹:- وعن عمرو بن شُعَيب، عن أبيهِ، عن جَدِّهِ رضی اللہ تعالی عنہ أَنَّ رسول الله صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم قَالَ: لَا يَحِلُّ لِرَجُلٍ أَنْ يُفَرِّقَ بَيْنَ اثْنَيْنِ إِلَّا بِإِذْنِهِمَا. (رواه أبو داود والترمذي، وقال: حديث حسن)

وفي رواية لأبي داود: ((لَا يُجْلَسُ بَيْنَ رَجُلَيْنِ إِلَّا بِإِذْنِهِمَا)).

ترجمہ:- حضرت عبد اللہ بن عمرو بن عاص رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا: کسی آدمی کے لئے جائز نہیں کہ دو آدمیوں کے درمیان تفریق کرے؛ مگر ان

دونوں کی اجازت سے۔

افادات:- دوسری روایت کے الفاظ سے اس بات کی مزید وضاحت ہوجاتی ہے۔ دو آدمی بیٹھے ہوئے ہوں اور کوئی آدمی آکر ان کے بیچ میں آڑ ڈال کر بیٹھ گیا؛ تو یہ برا سمجھا جائے گا۔ ان کی اجازت کے بغیر اس طرح بیچ میں بیٹھنے کی اجازت نہیں ہے، اس لئے کہ اگر ان کی اجازت کے بغیر درمیان میں بیٹھے گا تو ان کے لئے ناگواری اور تکلیف کا باعث ہوگا، اور کسی مؤمن کو کسی بھی طرح تکلیف پہنچانے کی اجازت نہیں ہے۔

حلقہ کے بیچ میں نہ بیٹھے

۸۳۰:- وعن حذيفة بن اليمان رضی اللہ تعالٰی عنہ أَنَّ رسول الله صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم **لَعَنَ مَنْ جَلَسَ وَسَطَ الحَلْقَةِ**. (رواه أبو داود بإسنادٍ حسن)

وروى الترمذي عن أبي مِجْلَزٍ: أَنَّ رَجُلاً قَعَدَ وَسَطَ حَلْقَةٍ، فَقَالَ حُذَيْفَةُ: مَلْعُونٌ عَلَى لِسَانِ مُحَمَّدٍ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم. أَوْ لَعَنَ اللهُ عَلَى لِسَانِ مُحَمَّدٍ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم. مَنْ جَلَسَ وَسَطَ الحَلْقَةِ. (قَالَ الترمذي: حديث حسن صحيح)

ترجمہ:- حضرت حذیفہ بن یمان رضی اللہ تعالٰی عنہ سے روایت ہے کہ نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس آدمی پر لعنت فرمائی جو حلقہ کے بیچ میں بیٹھ جائے۔

دوسری روایت میں ہے: ایک آدمی حلقہ کے بیچ میں آکر بیٹھ گیا، تو حضرت حذیفہ رضی اللہ تعالٰی عنہ نے فرمایا: ایسا آدمی نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی زبانی ملعون ہے۔ یا یہ فرمایا: ایسے آدمی پر جو حلقہ کے بیچ میں آکر بیٹھ جائے نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی زبانی اللہ تعالیٰ کی لعنت ہے۔

افادات:- مطلب یہ ہے کہ لوگ دائرہ بنا کر گفتگو میں مشغول ہیں، بات چیت کر رہے ہیں اور کوئی آدمی آکر ان سب کو چیر کر ان کے بیچ میں بیٹھ جائے، تو اس کو

ایسا نہ کرنا چاہیے تھا کہ اس سے منع کیا گیا ہے، پھر بھی کرتا ہے تو ایسے آدمی پر لعنت ہے۔

آرام سے بیٹھیں

۸۳۱:- وعن أبي سعيدٍ الخدريّ رضی اللہ تعالیٰ عنہ قال: سمعتُ رسول الله صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم يقول: ((خَيْرُ الْمَجَالِسِ أَوْسَعُهَا.)) (رواه أبو داود بإسنادٍ صحيح علٰى شرط البخاري)

ترجمہ:- حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ میں نے نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو ارشاد فرماتے ہوئے سنا: بہترین مجلس وہ ہے جس میں کشادگی ہو۔

افادات:- یعنی بیٹھنے والے بغیر کسی تنگی کے آرام سے بیٹھیں، جگہ میں اگر وسعت ہے تو تنگی کرنے کی ضرورت نہیں، ہر ایک اپنی حیثیت کے مطابق آرام سے بیٹھے، تاکہ سب لوگ اخیر تک اطمینان سے بیٹھ سکیں، کسی کے لئے تکلیف اور پریشانی کا بھی باعث نہ ہو؛ اس کو حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے بہتر مجلس فرمایا ہے۔

کفارۂ مجلس

۸۳۲:- وعن أبي هريرة رضی اللہ تعالیٰ عنہ قال: قال رسول الله صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم: مَنْ جَلَسَ فِي مَجْلِسٍ فَكَثُرَ فِيهِ لَغَطُهُ، فَقَالَ قَبْلَ أَنْ يَقُومَ مِنْ مَجْلِسِهِ ذٰلِكَ "سُبْحَانَكَ اللّٰهُمَّ وَبِحَمْدِكَ، أَشْهَدُ أَنْ لَّا إِلٰهَ إِلَّا أَنْتَ، أَسْتَغْفِرُكَ وَأَتُوبُ إِلَيْكَ" إِلَّا غُفِرَ لَهُ مَا كَانَ فِي مَجْلِسِهِ ذٰلِكَ. (رواه الترمذي، وقال: حديث حسن صحيح)

ترجمہ:- حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: کوئی کسی مجلس میں بیٹھا اور اس میں بے ہودہ اور لایعنی باتوں کی کثرت ہوئی تو اگر اس جگہ سے اٹھنے سے پہلے یہ پڑھ لے: سُبْحَانَكَ اللّٰهُمَّ وَبِحَمْدِكَ، أَشْهَدُ أَنْ لَّا إِلٰهَ إِلَّا أَنْتَ، أَسْتَغْفِرُكَ وَأَتُوبُ إِلَيْكَ، تو اس مجلس میں جتنی بے ہودگی ہوئی؛ وہ سب اللہ تعالیٰ معاف کردیں گے۔

۸۳۳:- وعن أَبِي بَرْزَةَ رضی اللہ تعالیٰ عنہ قَالَ: كَانَ رسول الله صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم يقولُ بأَخَرَةٍ إِذَا أَرَادَ أَنْ يَقُومَ مِنَ الْمَجْلِسِ: ((سُبْحَانَكَ اللّٰهُمَّ وَبِحَمْدِكَ، أَشْهَدُ أَنْ لَّا إِلٰهَ إِلاَّ أَنْتَ، أَسْتَغْفِرُكَ وَأَتُوبُ إِلَيْكَ)) فَقَالَ رَجُلٌ: يَارسولَ الله! إِنَّكَ لَتَقُولُ قَوْلاً مَا كُنْتَ تَقُولُهُ فِيمَا مَضَى؟ قَالَ: ((ذَلِكَ كَفَّارَةٌ لِمَا يَكُونُ فِي الْمَجْلِسِ))

(رواه أبو داود. ورواه الحاكم أبو عبدالله في "المستدرك" من رواية عائشة رضي الله عنها وقال: صحيح الإسناد)

ترجمہ:- حضرت ابو برزہ اسلمی رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم حیاتِ طیبہ کے آخری زمانہ میں جب مجلس سے اُٹھنے والے ہوتے تو یہ دعا پڑھا کرتے تھے: ((سُبْحَانَكَ اللّٰهُمَّ وَبِحَمْدِكَ، أَشْهَدُ أَنْ لَّا إِلٰهَ إِلاَّ أَنْتَ، أَسْتَغْفِرُكَ وَأَتُوبُ إِلَيْكَ)) ایک آدمی نے پوچھا: اے اللہ کے رسول! آج کل (مجلس کے اخیر میں) آپ ایسی دعا پڑھتے ہیں جو پہلے نہیں پڑھتے تھے؟ (یعنی پہلے آپ کا اس دعا کے پڑھنے کا معمول نہیں تھا، اب آپ نے معمول بنالیا ہے) تو حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: مجلس میں جو بے ہودگیاں اور لایعنی ہوجایا کرتی ہیں؛ یہ دعا اس کے لئے کفارے کا کام دیتی ہے۔

غفلت کی تلافی

افادات:- ہر وہ مجلس جس میں اللہ تعالیٰ کا ذکر نہ ہو، نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اوپر درود نہ بھیجا گیا ہو، قیامت کے روز ایسی مجلس ان مجلس والوں کے لیے باعثِ حسرت ہوگی۔ مطلب یہ ہے کہ جس مجلس میں بیٹھنے والوں کے اوپر شروع سے لے کر آخر تک ایسی غفلت طاری رہی کہ اللہ تعالیٰ کے ذکر اور اس کی یاد کی نوبت ہی نہیں آئی، نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر درود نہیں بھیجا گیا، تو وہ پچھتائیں گے کہ: کاش! اس مجلس میں ہم شریک نہ ہوئے ہوتے، اس حسرت کو دور کرنے کے لئے نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ایک طریقہ بتلادیا۔ یہ بھی

نبئ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی شفقت اور محبت کی بات ہے کہ امت کی طرف سے اگر غفلت کا ارتکاب ہو گیا تو اس کی تلافی کی شکل بھی بتلا دی۔

لیکن ایک بات یاد رہے کہ اس مجلس میں جو صغیرہ گناہ ہوئے ہیں وہ اس دعا سے معاف ہوں گے، اگر کبیرہ گناہوں کا ارتکاب کیا گیا ہے، مثلاً: کسی کی غیبت کی گئی ہے، جھوٹ بولا ہے، کسی کی تحقیر کی گئی ہے، کسی کا استہزاء اور ٹھٹھا کیا گیا ہے؛ تو کفارہ مجلس والی دعا سے بھی وہ معاف نہیں ہوں گے، ان کے لئے توبہ ضروری ہے۔ ویسے ''أَسْتَغْفِرُكَ وَأَتُوبُ إِلَيْكَ'' اگر دل کی توجہ کے ساتھ، معنیٰ کا استحضار کرتے ہوئے پڑھے گا؛ تو اس صورت میں وہ گناہ بھی معاف ہو سکتے ہیں۔

مجلس میں پڑھنے کی دعا

۸۳۴:- وعن ابن عمر رضی اللہ عنہما قَالَ: قَلَّمَا كَانَ رسول الله صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم يَقُومُ مِنْ مَجْلِسٍ حَتَّى يَدْعُوَ بِهٰؤلآءِ الدَّعواتِ: أللّٰهُمَّ اقْسِمْ لَنَا مِنْ خَشْيَتِكَ مَا تَحُولُ بِهِ بَيْنَنَا وَبَيْنَ مَعَاصِيكَ، وَمِنْ طَاعَتِكَ مَا تُبَلِّغُنَا بِهِ جَنَّتَكَ، وَمِنَ الْيَقِينِ مَا تُهَوِّنُ بِهِ عَلَيْنَا مَصَائِبَ الدُّنْيَا، اللّٰهُمَّ مَتِّعْنَا بِأَسْمَاعِنا، وَأَبْصَارِنَا، وقُوَّتِنَا مَا أَحْيَيْتَنَا، وَاجْعَلْهُ الوارثَ مِنَّا وَاجْعَلْ ثَأْرَنَا عَلَى مَنْ ظَلَمَنَا وانْصُرْنَا عَلَى مَنْ عَادَانَا، وَلاَ تَجْعَلْ مُصيبَتَنَا فِي دِينِنَا، وَلاَ تَجْعَلِ الدُّنْيَا أَكْبَرَ هَمِّنَا، وَلاَ مَبْلَغَ عِلْمِنَا، وَلاَ تُسَلِّطْ عَلَيْنَا مَنْ لاَيَرْحَمُنَا. (رواه الترمذی، وقال: حديث حسن)

ترجمہ:- حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ نبئ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کسی مجلس سے بہت کم اٹھتے تھے مگر دعا کے یہ کلمات ضرور پڑھ کر لیا کرتے تھے (گویا آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا معمول اس دعا کا بھی تھا) اے اللہ! اپنی اتنی خشیت اور اتنا خوف ہمیں عطا فرما جو ہمارے اور تیری نافرمانی کے

درمیان رکاوٹ بن جائے، اور اپنی اطاعت وفرمانبرداری کی اتنی توفیق عطا فرما جس کے ذریعہ توہمیں جنت تک پہنچادے، اور ہمیں یقین کی اتنی مقدار عطا فرما جس کے ذریعہ دنیا کی مصیبتیں ہمارے لئے آسان کردے۔ اے اللہ! تو ہمارے کانوں، ہماری آنکھوں اور ہمارے دوسرے قویٰ کے ذریعہ ہمیں فائدہ پہنچا جب تک کہ تو ہمیں زندہ رکھے (اور ان سارے اعضاء کو ہمارے بعد تک باقی رکھ) اور ہمارا وارث بنا۔ اور ہمارا انتقام ان لوگوں پر رکھ جو ہم پر ظلم کریں، اور جو ہم سے عداوت ودشمنی رکھنے والے ہیں ان کے مقابلہ میں تو ہماری مدد کر۔ اور ہمارے دین کے اندر کوئی نقص اور کمی نہ آنے دے۔ دنیا کو ہماری فکروں کا غالب حصہ، اور ہماری کوششوں کی انتہا نہ بنا۔ اور جو ہم پر رحم نہ کریں ایسے دشمنوں کو ہم پر مسلط نہ فرما۔

گناہ کیوں ہوتا ہے؟

افادات:- اس دعا کے اندر چند باتیں قابلِ توجہ ہیں:-

[۱] آدمی گناہوں کا جو ارتکاب کرتا ہے وہ خوف وخشیت کی کمی کی وجہ سے کرتا ہے، اس لیے سوال کیا گیا کہ: ہمیں اپنا اتنا خوف عطا فرما کہ تیرے اس خوف کے نتیجہ میں ہم تیری نافرمانی سے باز رہیں۔ نیز یہ بھی غور کرنے کا مقام ہے کہ خوف کے لئے حد بندی کردی گئی کہ اتنا ہی خوف عطا فرما جو نافرمانی سے باز رکھنے کا ذریعہ بن جائے۔ اس لیے کہ کبھی خوف اتنا زیادہ ہوجاتا ہے کہ آدمی مایوس ہوکر بیٹھ جاتا ہے؛ تو وہ پسندیدہ نہیں ہے، اس لیے خوف کی اتنی ہی مقدار مطلوب ہے جو اللہ تبارک وتعالیٰ کی نافرمانی سے آدمی کو باز رکھنے والی ہو۔

ٹینشن کی وجہ: یقین کی کمی

[۲] اللہ تعالیٰ کی اطاعت وفرمانبرداری پر ملنے والے اجر وثواب کا، اور پیش آنے

والے حالات وآزمائشوں پر اللہ تعالیٰ کے یہاں جو اجر وثواب ملنے والا ہے اس کا بھی اتنا زیادہ استحضار اور اعتماد و یقین ہو کہ ذرا سی بھی تکلیف اور بیماری آئی، سر میں درد ہوا، یا اور کوئی نقصان ہو گیا؛ تو سوچے کہ اس پر اللہ تعالیٰ کے یہاں مجھے اجر ملے گا۔ اگر آدمی یہ سوچ لے تو سارے حالات اور پریشانیاں اس کے لئے آسان ہو جائیں۔ نبیٔ کریم ﷺ فرماتے ہیں: مؤمن کو کانٹا بھی چبھتا ہے تو اس پر اللہ تبارک وتعالیٰ کی طرف سے ثواب ملتا ہے (صحیح مسلم: ۶۷۲۶، باب ثَوَابِ الْمُؤْمِنِ فِيمَا يُصِيبُهُ مِنْ مَرَضٍ أَوْ حُزْنٍ أَوْ نَحْوِ ذَلِكَ حَتَّى الشَّوْكَةِ يُشَاكُهَا) حدیثِ پاک میں آتا ہے حضور اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا: دنیا میں جن لوگوں پر مصیبتیں اور بیماریاں آئیں تھیں ان کو قیامت کے روز جب اجر وثواب ملے گا؛ اس کو دیکھ کر عافیت والے لوگ - جن پر دنیا میں کوئی مصیبت نہیں آئی تھی - تمنا کریں گے: کاش! دنیا میں ہمارے جسموں کو قینچیوں سے کاٹا جاتا (سنن ترمذی: ۲۵۸۲۔ باب من أحد يموت إلا ندم) مطلب یہ ہے کہ اگر ہمارا یہ یقین بن جائے کہ جو بھی مصیبت آتی ہے وہ فائدہ سے خالی نہیں ہے، مثلاً: تجارت نہیں چل رہی ہے، تو آدمی یہ یقین رکھے کہ کوئی بات نہیں، یہ مصیبت ہمارے لئے آخرت کے اجر وثواب کا باعث ہے، تو کبھی پریشانی اور ٹینشن نہیں ہوگا۔ جتنے بھی ٹینشن ہیں؛ وہ یقین کی کمی کی وجہ سے ہیں۔

مرتے دم تک تمام قویٰ سلامت رہیں

[۳] بعض مرتبہ ایسا ہوتا ہے کہ آدمی ابھی مرا نہیں کہ اس سے پہلے ہی بینائی رخصت ہو جاتی ہے، شنوائی یعنی سننے کی صلاحیت رخصت ہو جاتی ہے، دوسرے اعضاء جیسے ہاتھ پاؤں جواب دینے لگتے ہیں، دماغ کی قوت، حافظہ جواب دینے لگتا ہے۔ مطلب یہ ہے کہ عام طور پر آدمی کے قویٰ جو اللہ تعالیٰ کی عظیم نعمتیں ہیں، وہ سارے

بڑھاپے میں دھیرے دھیرے کام کرنا چھوڑ دیتے ہیں؛ تو نبیٔ کریم ﷺ نے ہمیں یہ دعا سکھلائی: اے اللہ! جب تک تو ہمیں زندہ رکھے اس وقت تک ہماری ساری صلاحیتیں برابر کام کرتی رہیں، کسی میں کوئی کمی نہ آئے، کان اپنا کام کرتے رہیں، آنکھیں اپنا کام کرتی رہیں، دوسرے قویٰ اپنا کام کرتے رہیں؛ بلکہ ہم جب دنیا سے جائیں تو وہ موجود اور باقی ہوں۔ ان کو وارث بنا یعنی اخیر زندگی تک باقی رکھ۔

دین پر مصیبت نہ آئے

۴ اور ہمارے دین کے اندر کوئی نقص اور کمی نہ آنے پائے۔ مصیبت کا اثر اگر دنیا پر پڑا کہ تجارت میں کوئی نقصان ہو گیا، کوئی اور بیماری آ گئی، تو وہ زیادہ پریشانی کی بات نہیں ہے، لیکن جو مصیبت دین کے معاملہ میں آئی، جیسے: پہلے نمازوں کی پابندی تھی، اب نمازیں چھوٹنے لگیں، جماعت چھوٹنے لگی، تلاوت کا اہتمام تھا، لیکن اب وہ اہتمام باقی نہیں رہا؛ اسی کو مانگا گیا کہ: اے اللہ! یہ مصیبت نہیں آنی چاہیے، اس لیے کہ یہ بڑی خطرناک چیز ہے۔

دنیا کی فکر غالب نہ ہو

۵ اور دنیا کو ہماری فکروں کا غالب حصہ نہ بنا، اور نہ ہماری کوششوں کی انتہا بنا۔ یعنی ایسا نہ ہو کہ جب بھی ہم کچھ سوچیں تو دنیا ہی کو سوچیں، اور جو بھی محنتیں کریں؛ دنیا ہی کے لئے کریں، بلکہ دنیا کے لئے ہماری سوچ اور ہماری محنت ضرورت کے بقدر ہو، باقی ساری سوچ اور محنت آخرت کے لئے ہو۔

۶ اے اللہ! جو لوگ ہم پر رحم نہ کریں ایسے دشمنوں کو ہم پر مسلط نہ فرما۔ معلوم ہوا کہ جو بے رحم دشمن مسلط کیے جاتے ہیں وہ ہمارے گناہوں ہی کا نتیجہ ہوتے ہیں۔

اللہ تعالیٰ اس سے ہماری حفاظت فرمائے۔ اس لیے آدمی کو چاہیے کہ یہ دعا مانگتا رہے۔

باعثِ حسرت مجلس

۸۳۵:- وعن أبي هريرة رضی اللہ تعالیٰ عنہ قال قال رسول الله صلی اللہ علیہ وسلم: مَا مِنْ قَوْمٍ يَقُومُونَ مِنْ مَجْلِسٍ لاَ يَذْكُرُونَ اللهَ تَعَالَى فِيهِ، إِلاَّ قَامُوا عَنْ مِثْلِ جِيفَةِ حِمَارٍ، وَكَانَ لَهُمْ حَسْرَةٌ. (رواه أبو داود بإسنادٍ صحيح)

ترجمہ:- حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: جو لوگ ایسی مجلس سے اُٹھتے ہیں جس میں اللہ تعالیٰ کا ذکر نہ کیا ہو، تو وہ اس مجلس سے ایسے اُٹھتے ہیں جیسے مرے ہوئے گدھے پر سے اُٹھے ہوں، اور یہ مجلس ان کے لئے قیامت کے روز حسرت کا باعث ہوگی۔

جس مجلس میں ذکر نہ ہو

۸۳۶:- وعنه، عن النبي صلی اللہ علیہ وسلم قال: مَا جَلَسَ قَوْمٌ مَجْلِساً لَمْ يَذْكُرُوا اللهَ تَعَالَى فِيهِ، وَلَمْ يُصَلُّوا عَلَى نَبِيِّهِمْ فِيهِ، إِلاَّ كَانَ عَلَيْهِمْ تِرَةٌ؛ فَإِنْ شَاءَ عَذَّبَهُمْ، وَإِنْ شَاءَ غَفَرَ لَهُمْ. (رواه الترمذي، وقال: حديث حسن)

ترجمہ:- حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد نقل فرماتے ہیں کہ: لوگوں نے جو مجلس بھی ایسی لگائی جس میں اللہ تعالیٰ کا ذکر نہ ہوا، اور جس میں ان کے نبی (صلی اللہ علیہ وسلم) پر درود شریف نہ پڑھا گیا؛ وہ مجلس ان پر وبال ہوگی، اگر اللہ تعالیٰ چاہے گا تو اس پر ان کو عذاب دے گا اور اگر چاہے گا تو معاف کردے گا۔

دست بکار، دل بیار

۸۳۷:- وعنه، عن رسول الله صلی اللہ علیہ وسلم قال: مَنْ قَعَدَ مَقْعَداً لَمْ يَذْكُرِ اللهَ

تَعَالَى فِيهِ كَانَتْ عَلَيْهِ مِنَ اللهِ تِرَةٌ، وَمَنِ اضْطَجَعَ مَضْجَعًا لَا يَذْكُرُ اللهَ تَعَالَى فِيهِ كَانَتْ عَلَيْهِ مِنَ اللهِ تِرَةٌ. (رواه أبو داود)

ترجمہ:- حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ارشاد نقل فرماتے ہیں: جو آدمی ایسی جگہ بیٹھا جہاں اللہ تعالیٰ کا ذکر نہیں کیا گیا؛ تو وہ بیٹھک اس کے لیے وبال ہوگی۔ اور جو کہیں لیٹا جس میں اللہ تعالیٰ کو یاد نہ کیا گیا؛ تو وہ لیٹنا اس کے لئے وبال ہوگا۔

افادات:- اس لیے جو بھی مجلس ہو اس میں آدمی کا دل اللہ تعالیٰ کی طرف لگا ہوا ہونا چاہیے۔ بزرگوں نے لکھا ہے کہ: دل کا حال وہی ہونا چاہیے جو ''قطب نما'' کا ہوتا ہے۔ آپ لوگوں نے ''قطب نما'' تو دیکھا ہوگا! اس کو آپ کسی بھی حالت میں رکھو؛ اس کی سوئی ہمیشہ شمال کی طرف ہی رہتی ہے۔ اسی طرح ہم بھی کیسی ہی مجلس میں ہوں، دوستوں میں ہوں، اپنے کاروبار میں مشغول ہوں؛ بس! ہمارا دل اللہ تعالیٰ کی طرف متوجہ ہونا چاہیے، آدمی اللہ تعالیٰ کی یاد سے غافل نہ رہے، اسی کی طرف ہمارے دل کی سوئی لگی رہے؛ تب ہی قلب کو سکون حاصل ہوگا اور یہی مطلوب ہے۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے جتنی بھی دعائیں بتلائی ہیں کہ کھانے سے پہلے یہ دعا پڑھو، آخر میں یہ دعا پڑھو، سونے سے پہلے یہ دعا پڑھو، اٹھو تو یہ دعا پڑھو، اور بھی جو دعائیں رکھی گئی ہیں ان کا مقصد یہی ہے کہ آدمی کسی حالت میں بھی اللہ تعالیٰ سے غافل نہ ہو۔ ہر کام کے شروع میں اللہ تعالیٰ کی یاد کرلی، پھر آخر میں بھی اللہ تعالیٰ کی یاد کرلی؛ تو بیچ والے حصہ میں اگر کچھ غفلت بھی رہی؛ تو اس کی تلافی ہو جائے گی، اور شروع اور آخر کی وجہ سے ان شاء اللہ وہ معاف ہو جائے گی۔

دن کے شروع میں اللہ تعالیٰ سے عہد

بعض بزرگ فرماتے ہیں: آدمی صبح کی نماز سے فارغ ہو کر اسی جگہ بیٹھے بیٹھے

اپنے معمولات پورے کر کے جب اُٹھنے والا ہو، تو اٹھنے سے پہلے اللہ تعالیٰ سے ایک عہد کر لے: "أَللّٰهُمَّ إِنَّ صَلٰوتِيْ وَنُسُكِيْ وَمَحْيَايَ وَمَمَاتِيْ لِلّٰهِ رَبِّ الْعَالَمِيْنَ" اے اللہ! میری نماز، میری عبادت، میرا جینا اور میرا مرنا؛ تیرے ہی لیے ہے۔ اے اللہ! آج کے دن میں ابھی اُٹھنے سے لے کر شام کو سونے تک میں جو کچھ بھی کروں گا؛ میرے سارے کام تیرے ہی لیے ہوں گے۔ اس طرح ایک مرتبہ اللہ تعالیٰ سے عہد کر لے، پھر دن بھر کوشش میں لگا رہے اور اِدھر دھیان رہے کہ اللہ تعالیٰ کی نافرمانی اور گناہ کی نوبت نہ آئے۔ ویسے عہد کر لیا یہ بھی ان شاء اللہ کافی ہو جائے گا۔ اگر اس کا اہتمام کر لے گا تو ان شاء اللہ یہ فضیلت حاصل ہو جائے گی۔ اس لیے ہمیں اس بات کا اہتمام کرنا چاہیے کہ ہماری کوئی مجلس اللہ تعالیٰ کی یاد، اور نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر درود سے خالی نہ ہو۔ درود شریف بھی ایک طرح کا عمدہ ذکر ہی ہے۔

باب الرؤیا وما یتعلق بہا

خواب اور اس سے متعلقہ

چیزوں کا بیان

بِسۡمِ اللّٰهِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِيۡمِ

سونے اور مجلس کے آداب کا بیان چل رہا تھا۔ آدمی خواب سونے کی حالت ہی میں دیکھتا ہے، اسی مناسبت سے خواب اور اس کے متعلقات کو بیان فرماتے ہیں۔

اچھے خوابوں کی حیثیت

۸۳۸:- وعن أبي هريرة رضی اللہ تعالیٰ عنہ قَالَ: سَمِعۡتُ رسول الله صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم يقول: لَمۡ يَبۡقَ مِنَ النُّبُوَّةِ إلاَّ الۡمُبَشِّرَاتِ. قالوا: وَمَا الۡمُبَشِّرَاتُ؟ قَالَ: الرُّؤۡيَا الصَّالِحَةُ.

(رواه البخاري)

ترجمہ:- حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ میں نے نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو فرماتے ہوئے سنا: نبوت میں سے سوائے مبشرات (خوش کرنے والی خبروں) کے اور کچھ باقی نہیں رہا۔ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے عرض کیا: مبشرات (خوش کرنے والی خبریں) کیا چیز ہے؟ تو حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا: اچھے اور نیک خواب۔

جو زبان کا سچا؛ وہ خواب کا بھی سچا

۸۳۹:- وعنه: أَنَّ النبيَّ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم قَالَ: إِذَا اقۡتَرَبَ الزَّمَانُ لَمۡ تَكَدۡ رُؤۡيَا الۡمُؤۡمِنِ تَكۡذِبُ، وَرُؤۡيَا الۡمُؤۡمِنِ جُزۡءٌ مِنۡ سِتَّةٍ وَأَرۡبَعِينَ جُزۡءاً مِنَ النُّبُوَّةِ. (متفقٌ عَلَيۡهِ)

وفي رواية: أَصۡدَقُكُمۡ رُؤۡيَا، أَصۡدَقُكُمۡ حَدِيثاً.

ترجمہ:- حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے منقول ہے کہ نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا: جب زمانہ قریب ہوگا تو مؤمن کا خواب جھوٹا نہیں ہوگا، اور مؤمن کا خواب نبوت کے چھیالیس حصوں میں سے ایک حصہ ہے۔

ایک اور روایت میں یہ بھی ہے: تم میں سب سے زیادہ سچا خواب اس کا ہے جس کی بات سچی ہو۔

افادات:- یعنی جو زبان کا سچا وہ خواب کا بھی سچا ہے۔ گویا آدمی کی زبان کی سچائی کا اثر خوابوں پر بھی پڑتا ہے۔ جو زبان کا جھوٹا ہوتا ہے اس کو خواب بھی جھوٹے ہی نظر آتے ہیں۔

چھیالیسویں حصہ کا مطلب

خواب کو نبوت کا چھیالیسواں حصہ جو بتلایا گیا، علماء نے اس کی ایک توجیہ یہ لکھی ہے کہ جب نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم پر وحی آنے کا سلسلہ شروع ہوا اس سے پہلے نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کو اللہ تعالیٰ کی طرف سے سچے خواب دکھلانے شروع ہوئے، جیسا کہ بخاری شریف میں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی اور بعض دیگر روایتیں ہیں، اور جو چیز آپ خواب میں دیکھتے تھے، بیداری میں وہ چیز بالکل صبح کی روشنی کی طرح واضح ہو کر سامنے آجاتی تھی، یعنی وہ خواب ایک دم سچا ہو جاتا تھا، اور وہ واقعات جن کی طرف خواب میں آپ کی رہنمائی کی جاتی تھی، قریبی زمانہ ہی میں بیداری میں آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم اس کو سچا ہوتا دیکھا کرتے تھے، اور یہ سلسلہ چھ مہینہ تک جاری رہا، پھر وحی کا آنا شروع ہوا۔ اور وحی کا سلسلہ شروع ہوا وہاں سے وفات تک کا زمانہ تیئس سال کا ہے۔ تو چھ مہینوں کی نسبت تیئس سال کے ساتھ اگر دیکھی جائے تو وہ تیئس کا چھیالیسوں حصہ ہوتی ہے، اسی مناسبت سے خواب کو نبوت کا چھیالیسواں حصہ قرار دیا گیا ہے۔

نبی کا خواب وحی ہوتا ہے

اور نبوت کو نبوت جو کہا جاتا ہے اس کی وجہ یہی بتلائی جاتی ہے کہ اس کا اصل مادہ ”نونؔ، باؔء، ہمزہؔ“ ہے، اور خبر کو عربی زبان میں ”نَبَأٌ“ کہتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ کی طرف سے اپنے پیغام کو لوگوں تک پہنچانے کے لئے اپنے بندوں میں سے بعض کو چن لیا جاتا

ہے، پھر فرشتوں کے ذریعہ اور دوسرے طریقوں سے ان پر وحی بھیجی جاتی ہے جو وہ لوگوں کو بتلاتے ہیں۔ وحی کے مختلف طریقے ہیں، کبھی فرشتہ بھیجا جاتا ہے، کبھی اللہ تعالیٰ کی طرف سے ان کے دل میں کوئی بات ڈال دی جاتی ہے، کبھی خواب کے ذریعہ وہ چیز بتلائی جاتی ہے۔ تو وہ شخصیت جن کے پاس اللہ تعالیٰ کی طرف سے غیب کی خبریں آتی ہوں؛ ان کو ''نبی'' کہا جاتا ہے۔

اور جن مختلف طریقوں کے ذریعہ ان شخصیات کو غیب کی خبریں بتلائی جاتی ہیں ان میں ایک طریقہ سچے خواب کا بھی ہے، اور سچے خواب اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہوتے ہیں، لیکن جھوٹے اور ڈراؤنے خواب شیطان کی طرف سے ہوتے ہیں، جیسا کہ حدیثِ پاک میں آتا ہے کہ شیطان بندۂ مومن کو پریشان کرنے اور ڈرانے کے لئے یہ تدبیر اختیار کرتا ہے۔ اور بہت سی مرتبہ سچے خوابوں کے ذریعہ بعض وہ واقعات اور حالات جو مستقبل کے زمانہ میں پیش آنے والے ہوتے ہیں، ان سے اللہ تعالیٰ بندۂ مؤمن کو آگاہ کردیتے ہیں۔

تو نبی کے حق میں خواب بھی وحی کا ایک طریقہ ہوا کرتا ہے، اس لئے نبی کا خواب وحی کے حکم میں ہے، جیسے: حضرت ابراہیم علی نبینا وعلیہ الصلوٰۃ والسلام نے خواب میں دیکھا تھا کہ اپنے بیٹے کو ذبح کررہے ہیں، تو اس کو وحی سمجھ کر اس کا تذکرہ حضرت اسماعیل علیہ السلام سے فرمایا کہ مجھے یہ حکم دیا جارہا ہے۔ تو اللہ تعالیٰ کی طرف سے انبیاء علیہم السلام کو جو باتیں پہنچائی جاتی تھیں، اس کا ایک طریقہ یہ بھی تھا۔ اب نبوت تو ختم ہوچکی، نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم آخری نبی ہیں، آپ کے بعد کوئی اور نبی تو آنے والے نہیں ہیں، لیکن کائنات میں پیش آنے والے بعض واقعات سے متعلق بعض چیزوں کا اشارہ کبھی کبھی اللہ تعالیٰ اپنے نیک بندوں کو سچے خواب کے ذریعہ دیدیتے ہیں، اس معنیٰ کر سچے خواب نبوت کا چھیالیسواں

حصہ ہیں، اسی کو مبشرات سے تعبیر کیا جاتا ہے کہ کسی نے کسی کے حق میں، یا اپنے حق میں کوئی اچھی چیز دیکھی۔ اور کبھی ایسا بھی ہوتا ہے کہ کسی بندے کو دوسرے کے حق میں کوئی چیز دکھلائی جاتی ہے کہ فلاں کو اللہ تبارک وتعالیٰ کی طرف سے کوئی خیر اور بھلائی پہنچنے والی ہے، پھر وہ بیان کرتا ہے کہ فلاں کے متعلق میں نے یہ خواب دیکھا؛ تو یہ بھی مبشرات کے قبیل سے ہی ہوتا ہے۔

خواب شرعی حجت نہیں

لیکن خواب کے معاملہ میں ایک بات یاد رہے کہ اس کو اس کی حد میں رکھنے کی ضرورت ہے۔ لوگوں کا مزاج اس سلسلہ میں دو طرح کا ہے، بعض تو وہ ہیں جو اس کے اوپر بالکلیہ اعتبار اور اعتماد نہیں کرتے اور اس کو کوئی حیثیت ہی نہیں دیتے: یہ بھی صحیح نہیں ہے جبکہ نبیٔ کریم ﷺ اس کو نبوت کا چھیالیسواں حصہ فرما رہے ہیں، اور خوش کرنے والی کوئی چیز اگر خود دیکھے، یا کوئی دوسرا دیکھے، تو اس کو نبیٔ کریم ﷺ مبشرات فرما رہے ہیں؛ اس سے معلوم ہوا کہ اس کا کوئی درجہ اور مقام تو ہے۔ لیکن اتنا بھی نہیں جتنا کہ آج کل بعض لوگ دیتے ہیں اور خواب میں دیکھی ہوئی چیز کے متعلق یوں سمجھتے ہیں کہ جیسے وحی کے ذریعہ سے آئی ہوئی چیز سو فیصد پختہ ہوا کرتی ہے ایسے ہی یہ خواب کی چیز بھی ہے۔ یہ بھی صحیح نہیں ہے۔ ہم اہل سنت والجماعت کا عقیدہ ہے کہ نبی کے علاوہ کسی کا بھی خواب شرعی طور پر حجت نہیں بن سکتا۔ نیک آدمی بھی جو خواب دیکھے اس کا وہ خواب شرعی حجت اور دلیل نہیں ہے۔

کیا اچھا خواب دیکھنے کے بعد اعمال چھوڑ دے

تو یہ خواب بندۂ مؤمن کو خوش کرنے کا کام کرتے ہیں، اس سے آدمی اپنے حق

میں اچھی امیدیں اورتوقعات تو قائم کرسکتا ہے،اور خواب دکھلائے جانے کو- چاہے اس کو دکھلایا گیا ہو یا کسی اور کو دکھلایا گیا ہو- اپنے حق میں اللہ تعالیٰ کی طرف سے فالِ نیک سمجھ سکتا ہے،لیکن اس کی وجہ سے خواب ہی پر اعتماد کرکے بیٹھ جانا،اور یوں سمجھ لینا کہ خواب میں یہ چیز دکھلائی گئی،اس لئے اب یہ مقام اور مرتبہ مجھ کو مل ہی گیا،اب مجھے کسی عمل کی ضرورت نہیں؛ تواس کی شریعت اجازت نہیں دیتی،اور نہ ایسے خواب کا اتنا مقام ہے۔ اصل مدارِ نجات آدمی کے بیداری کے اعمال پر ہے۔

بعض لوگ اپنے خواب کی وجہ سے یوں سمجھتے ہیں کہ ہم نے بہت بڑا مرتبہ حاصل کرلیا۔ حضرت خواجہ محمد معصوم صاحب سرہندی مجددی رحمۃ اللہ علیہ جو حضرت مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ کے دوسرے نمبر کے صاحبزادے ہیں،اور حضرت مجدد صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے جانشین مقرر کئے گئے تھے،ان کے مکتوبات میں ہے،کسی مرید نے کوئی خواب دیکھا تواس کو تنبیہ فرمائی کہ: اگر خواب میں کسی کے سر پر تاجِ شاہی رکھ دیا گیا؛ تو کیا اس کی وجہ سے وہ بادشاہ بن گیا؟ یعنی مَیں اور آپ اگر خواب میں یہ دیکھیں کہ ہم کو وزارتِ عظمیٰ کی کرسی مل گئی ہے؛ تو کیا دوسرے دن اُٹھ کر یوں کہیں گے کہ مَیں وزیرِ اعظم بن گیا؟

اچھے خواب کا اشتہار نہ دے

اس لیے خواب کی وجہ سے آدمی اپنے متعلق بہت زیادہ خوش فہمی میں نہ رہے، اوراس کی وجہ سے اعمال کی طرف سے غفلت برتنا بڑی کوتاہی کی بات ہے۔ جیسے کسی نے خواب میں دیکھا کہ اللہ تبارک وتعالیٰ نے میرے لئے جنت کا فیصلہ کردیا تو ساری دنیا میں اس کا اشتہار دینے کی کوئی ضرورت بھی نہیں ہے،اس خواب کی وجہ سے دل ہی دل میں اللہ تعالیٰ سے اچھی امید قائم کرے،لیکن اعمال میں کوتاہی نہ کرے، بلکہ اور

زیادہ اعمال کا اہتمام کرے۔

اور خواب تو اپنی جگہ پر خواب ہے، مَیں آپ کو پہلے بھی بتلا چکا ہوں کہ حضرات صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کتنا اونچا مقام رکھتے تھے، اہلِ سنت والجماعت کا عقیدہ ہے کہ کوئی بڑے سے بڑا ولی بھی ادنیٰ سے ادنیٰ صحابی کے مقام تک نہیں پہنچ سکتا۔ اور صحابہ میں سب سے اونچے مقام پر حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ ہیں جن کے متعلق ہمارا یہ عقیدہ ہے کہ انبیاء کرام کے بعد تمام انسانوں میں سب سے افضل حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ ہیں، ان کے بعد پھر حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ ہیں۔

صدیق اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی کیفیت

ایک مرتبہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم مختلف اعمال کا تذکرہ کررہے تھے کہ جو روزے رکھنے والے ہیں ان کو باب الرّیان سے جنت میں داخل کیا جائے گا، اور فلاں عمل کرنے والے کو فلاں دروازہ سے داخل کیا جائے گا۔ مطلب یہ ہے کہ نیکی کے مختلف اعمال کرنے والوں کو اسی نیکی کی مناسبت سے جنت کے اُس دروازہ سے داخل کیا جائے گا۔ اس پر حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم سے سوال کیا: اے اللہ کے رسول! جس کے حق میں جنت کے ایک دروازہ سے بھی داخل ہونے کا فیصلہ کردیا گیا تو اس کو ضرورت نہیں ہے کہ دوسرے دروازہ سے جائے، اس کی نجات کے لئے وہ بات کافی ہے، لیکن پوچھنے کی حد تک میں پوچھ رہا ہوں کہ کوئی ایسا بھی اللہ کا بندہ ہوگا جس کو جنت کے تمام دروازوں سے داخل ہونے کی اجازت دی جائے گی؟ تو حضور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے فرمایا: ہاں! اور امید کرتا ہوں کہ وہ آپ ہوں گے (بخاری شریف: باب الریان للصائمین)

حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے متعلق اور بھی بہت ساری روایتیں ہیں،

حالاں کہ یہ وہ حضرات تھے جن کو نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنی زبانِ مبارک سے جنت کی خوش خبریاں سنائیں، عشرۂ مبشرہ میں سے ہیں، اس کے باوجود حضرت ابوبکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے متعلق کتابوں میں لکھا ہے کہ وہ فرماتے تھے: کاش! میں کوئی سبزہ ہوتا جس کو کوئی جانور کھا جاتا۔

حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی فکر

حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے متعلق آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: اے عمر! تم جس گلی سے گذرتے ہو شیطان راستہ بدل دیتا ہے (بخاری و مسلم) لیکن اس کے باوجود حضرت عمرؓ حضرت حذیفہ بن یمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے۔ جو حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے راز دار تھے، جن کو نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے تمام منافقین کے نام بتلائے تھے۔ کہتے تھے: اے حذیفہ! ذرا بتلاؤ! آپ کو حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے منافقین کی جو فہرست بتلائی ہے اس میں کہیں عمر کا نام تو نہیں؟

جن حضرات کو حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے بالمشافہہ جنت کی خوشخبریاں سنائیں۔ نعوذ باللہ! ایسا نہیں تھا کہ ان کو حضور اقدس صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ارشادات پر شک وشبہ ہو، بلکہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی باتوں پر ان حضرات کو ایسا یقین تھا جس کا کوئی تصور بھی نہیں کر سکتا، لیکن حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی زبانِ مبارک سے براہِ راست ان خوشخبریوں کو سننے کے باوجود وہ لوگ اعمال کے معاملہ میں غفلت نہیں برتتے تھے، اور اپنے معاملہ میں کسی خوش فہمی میں مبتلا نہیں رہتے تھے، بلکہ اللہ تعالیٰ سے ڈرتے رہتے تھے۔

اور ہمارا حال یہ ہے کہ کسی ایک نے آ کر سنا دیا کہ آپ کے متعلق میں نے خواب دیکھا کہ آپ تو بڑے اونچے تخت پر بیٹھے ہوئے ہیں، اور نور کی بارش ہو رہی ہے؛ تو بس! ہم ایسے مطمئن ہو کر بیٹھ جاتے ہیں کہ اب کسی عمل کی ہمیں ضرورت ہی نہیں۔ یہ بڑا

خطرناک معاملہ ہے۔ جو آدمی ایسے خواب سننے کے بعد اعمال کی طرف سے غفلت برتے، اس کے لئے بڑی ہلاکت کی بات ہے، حالاں کہ ایسا خواب سننے کے بعد اللہ تعالیٰ کی رحمت سے امید رکھتے ہوئے اعمال میں مزید کوشش کرنی چاہیے۔

شیطان اور شیخ جیلان رحمۃ اللہ علیہ

بعض مرتبہ بیداری میں ایسی کوئی چیز ہوجاتی تب بھی اللہ کے مخصوص بندے اس معاملہ میں غفلت سے کام نہیں لیتے تھے۔ سیدنا حضرت عبدالقادر جیلانی رحمۃ اللہ علیہ کے متعلق لکھا ہے کہ: ایک مرتبہ آپ عبادت میں مشغول تھے، اچانک ایک بادل نظر آیا، پھر ایک نور نظر آیا اور اس نور کے اندر سے ایک آواز آئی: اے عبدالقادر! تم پر سے ہم نے احکام کو اٹھالیا، اب شریعت کے احکام کے آپ مکلف نہیں رہے؛ آپ کو عبادت کرنے کی ضرورت نہیں ہے۔ وہ سمجھ گئے کہ یہ شیطانی دھوکہ ہے۔ انہوں نے سوچا کہ شریعت کے احکام تو اللہ تعالیٰ نے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے نہیں اٹھائے، صحابہ کرام ؓ جن کا اتنا اونچا مقام تھا، ان سے بھی یہ معاف نہیں کئے گئے؛ تو میرے اوپر سے یہ چیزیں کہاں معاف ہوسکتی ہیں؟ چناں چہ فوراً انہوں نے لاحول پڑھا اور کہا: اے مردود! ہٹ جا؛ بس اتنا کہنا تھا کہ ایک دم اندھیرا سا چھا گیا۔ پھر تھوڑی دیر کے بعد آواز آئی: اے عبدالقادر! آپ اپنے علم کی وجہ سے بچ گئے؛ ورنہ میں نے اس طریقہ سے بہت سے نیک بندوں کو گمراہ کیا ہے۔ حضرت نے کہا: اے مردود! میں اپنے علم کی وجہ سے نہیں، بلکہ اللہ تعالیٰ کے فضل کی وجہ سے بچ سکا۔ عارفین لکھتے ہیں کہ یہ دوسرا داؤ پہلے سے بھی زیادہ خطرناک تھا۔

کہنے کا حاصل یہ ہے کہ مبشرات اپنی جگہ پر اہمیت رکھتے ہیں، لیکن اس کا مطلب یہ نہیں ہے کہ اس کی وجہ سے آدمی اعمال کے سلسلہ میں کوتاہی برتے۔ اگر کسی کے متعلق

کوئی چیز نظر آئے تو اس کو اپنے متعلق اللہ تعالیٰ سے امیدیں تو قائم کرنی چاہئیں، لیکن پھر اعمال کے اندر ذرّہ برابر کوتاہی سے کام نہ لے، بلکہ اللہ تعالیٰ سے ڈرتا رہے، اور عمل کے اندر اور زیادہ مشغول رہے، تاکہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے دلوائی گئی یہ بشارت اس کے لئے حقیقت اور فالِ نیک ثابت ہو۔ دلیل یہ ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم جب قیام اللیل میں مجاہدہ فرماتے اور حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا عرض کرتیں کہ آپ اتنی محنت کیوں کرتے ہیں؟ آپ کو تو اللہ تعالیٰ نے معاف فرما دیا ہے، تو حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:
''أَفَلاَ أَكُونَ عَبْداً شَكُوراً''

خواب میں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی زیارت کے لیے کوئی عمل کرنا

۸۴۰:- وعنه، قَالَ: قَالَ رسول الله صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم: مَنْ رَآنِي فِي الْمَنَامِ فَسَيَرَانِي فِي الْيَقَظَةِ- أَوْ كَأَنَّمَا رَآنِي فِي الْيَقَظَةِ- لاَ يَتَمَثَّلُ الشَّيْطَانُ بِي.

ترجمہ:- حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی روایت ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا: جس نے مجھے خواب میں دیکھا؛ وہ مجھے بیداری میں دیکھے گا۔ یا یہ فرمایا: گویا اس نے مجھے بیداری میں دیکھا، اس لئے کہ شیطان میری شکل اختیار نہیں کر سکتا۔

افادات:- حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو خواب میں دیکھنے کے سلسلہ میں پہلی بات تو یہ ہے کہ بغیر کسی کوشش کے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی زیارت خواب کے اندر نصیب ہو جائے؛ تو یہ بڑی سعادت کی بات ہے۔ باقی اس کے لئے اعمال کا اہتمام کرنا جیسے بعض لوگ کہتے ہیں کہ فلاں نماز پڑھی اور پھر اتنی مرتبہ درود پڑھا؛ تو حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی زیارت ہوگئی۔ تو اس سلسلہ میں علماء کے بھی دو گروہ ہیں، بعض حضرات نے اس کے لئے وظیفے بھی بتلائے ہیں، خود بھی کرتے تھے اور دوسروں کو بھی کرنے کی اجازت دیتے تھے۔

زیارت کا بہترین عمل

اور بعض حضرات اس بات کے قائل ہیں کہ تکلف کر کے ان چیزوں کے اندر پڑنے کی ضرورت نہیں ہے، اس کے بجائے آدمی نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی سنتوں کی پیروی کا اہتمام کرے، جتنا زیادہ اتباعِ سنت کا اہتمام کرے گا؛ اس کی برکت سے اللہ تعالیٰ خواب میں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی زیارت بھی نصیب فرمادیں گے۔

ایک مرتبہ ایک آدمی نے آ کر حضرت حاجی امداد اللہ صاحب مہاجر مکی رحمۃ اللہ علیہ سے عرض کیا: حضرت! کوئی ایسا وظیفہ بتلا دیجئے کہ خواب میں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی زیارت ہو جائے۔ تو جواب میں حضرت حاجی صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا: بھائی! بڑا حوصلہ ہے۔ ہمیں تو گنبدِ خضراء ہی خواب میں نظر آجائے؛ تو اپنی سعادت سمجھتے ہیں۔

حضرت مفتی محمد شفیع صاحب رحمۃ اللہ علیہ سے آ کر کسی نے کہا: حضرت! دعا فرمادیجئے، یا کوئی وظیفہ بتلایئے کہ خواب میں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی زیارت نصیب ہو جائے۔ تو حضرت نے بھی جواب میں یہی فرمایا: بھائی! جو تم کہہ رہے ہو وہ بڑی جرأت کی بات ہے، ہم تو بہت ڈرتے ہیں کہ پتہ نہیں! ہم اس کا حق ادا کر سکیں گے یا نہیں۔ زیارت کا جو ادب ہے؛ وہ ہم سے ادا ہو سکے گا یا نہیں۔

ایک تو یہ ہے کہ کسی سے ان کی ملاقات کا از خود مطالبہ کرے، تو وہاں تو آداب کی رعایت کرتے ہوئے جانا پڑے گا۔ اور اگر کوئی بڑی شخصیت از خود اس کے یہاں آجائے، تو آداب کی توفیق بھی دی جائے گی۔ اسی طرح اللہ تعالیٰ اگر حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی زیارت از خود کرادیں گے؛ تو اللہ تعالیٰ ہی کی طرف سے آداب کی رعایت کی توفیق بھی دی جائے گی۔ لیکن اگر آدمی از خود اہتمام کرتا ہے تو اس صورت میں ہو سکتا ہے کہ

کہیں کسی ادب کی ادائیگی میں کوتاہی ہو جائے۔اس لئے بعض حضرات اس معاملہ میں بڑی احتیاط سے کام لیتے ہیں۔

حضرت شیخ رحمۃ اللہ علیہ کی کیفیت

ہمارے اکابر کا حال تو یہ تھا کہ مدینہ منورہ کی حاضری پر بھی روضۂ مبارک پر ڈرتے ڈرتے حاضر ہوتے تھے۔حضرت شیخ رحمۃ اللہ علیہ کے حالات میں صوفی اقبال صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے لکھا ہے کہ: حضرت رحمۃ اللہ علیہ ہمیشہ اقدامِ عالیہ کی طرف سے سلام پیش فرماتے تھے۔یعنی جالی کے سامنے جو سوراخ بنے ہوئے ہیں جہاں سے عام طور پر صلوٰۃ وسلام پڑھا جاتا ہے وہاں سے تو حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا چہرۂ انور بالکل سامنے آتا ہے۔حضرت شیخ رحمۃ اللہ علیہ کبھی ادھر سے سلام نہیں پڑھتے تھے، بلکہ قدمِ مبارک کی طرف سے سلام پڑھتے تھے۔ ایک دو مرتبہ حضرت مواجہہ شریف پر گئے تو کسی نے پوچھا: اس روز آپ کیوں تشریف لے گئے تھے؟ فرمایا: حضرت مولانا اسعد صاحب تھے، ان کے ساتھ گیا تھا، یا حضرت جی مولانا یوسف صاحب تھے؛ ان کے ساتھ گیا تھا، ورنہ مجھ اکیلے کی جرأت نہیں ہوتی کہ کبھی سامنے جاؤں۔ان حضرات کا تو یہ حال تھا۔اس لئے خواب میں از خود دیکھنے کی کوشش کرنے کی اگرچہ گنجائش تو ہے، لیکن اس میں خطرات بھی بہت ہیں۔

اگر حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو دوسرے حلیہ میں دیکھا

دوسرا یہ کہ ''نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو جس نے خواب میں دیکھا اس نے حضور ہی کو دیکھا، اس لئے کہ شیطان آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی شکل نہیں بنا سکتا'' اس سے کیا مراد ہے؟

اس سلسلہ میں متقدمین کے یہاں تو یہ تھا کہ نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا جو حلیۂ شریفہ تھا (یعنی آپ کا چہرۂ انور، آپ مبارک آنکھیں، اور آپ کے ہونٹ مبارک، اور آپ کی

داڑھی مبارک، حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی شکل وصورت اور آپ کا حلیۂ مبارکہ جو کتابوں میں لکھا ہے) اگر اسی حلیہ شریفہ میں دیکھا ہے؛ تب تو صحیح ہے، ورنہ نہیں۔

چناں چہ شمائل ترمذی میں ہے کہ حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے آ کر ایک آدمی نے کہا: مَیں نے حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو خواب میں دیکھا ہے۔ تو اس سے پوچھا: اچھا بتلاؤ! تم نے جس شخصیت کو خواب میں دیکھا؛ ان کا حلیہ کیسا تھا؟ جب اس نے حلیہ بیان کیا اور وہ ہو بہو وہی تھا جو نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا تھا؛ تب کہا: ہاں! تم نے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو دیکھا ہے۔ (شمائل ترمذی/بَابُ: مَا جَاءَ فِي رُؤْيَةِ رَسُولِ اللّٰهِ صلی اللہ علیہ وسلم فِي الْمَنَامِ)

اس لئے ہماری ایک جماعت جس میں بڑے بڑے اکابر ہیں، اور حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما خود بھی ہیں، وہ فرماتے ہیں: دیکھنے والے نے اسی حلیۂ شریفہ میں دیکھا ہو جو آپ کا تھا؛ تب تو صحیح ہے۔ بلکہ ان میں سے بعض حضرات نے تو یہاں تک کہا کہ: وفات کے وقت نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا جو حلیہ تھا اسی حلیہ میں دیکھا ہو؛ تب تو درست ہے۔ اگر چہ انہی میں سے بعض حضرات اس طرف بھی گئے ہیں کہ پوری حیاتِ طیبہ میں آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا جو حلیہ رہا تھا، جوانی والا حلیہ میں دیکھا ہو یا بڑھاپے والے حلیہ میں دیکھا ہو، مطلب یہ ہے کہ پوری حیاتِ طیبہ کے کسی بھی دور میں آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا جو حلیہ رہا ہے، اس میں سے کسی بھی حلیہ میں دیکھا ہو؛ تب تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہی کو دیکھا، ورنہ نہیں۔

جب کہ دوسرے حضرات فرماتے ہیں کہ: ایسا نہیں ہے، بلکہ دوسرے حلیہ میں بھی اگر دیکھا ہو، اس صورت میں بھی کہا جائے گا کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہی کو دیکھا۔

چناں چہ ہمارے اکابر میں اس سلسلہ میں یہ تین خیال ہیں:-

[ا]:- حضرت شاہ محمد اسحاق صاحب رحمۃ اللہ علیہ فرماتے تھے: نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا حلیہ جو کتابوں میں ہے، اس حلیہ میں دیکھا ہو تو دیکھا؛ ورنہ نہیں۔

۲:- حضرت شاہ رفیع الدین صاحب رحمۃ اللہ علیہ فرماتے تھے: اپنے زمانہ کے اہلِ صلاح اور نیک لوگوں میں سے کسی کی شکل میں دیکھا ہو، تو حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو دیکھا، دوسری کسی شکل میں دیکھا ہو؛ تو نہیں۔

۳:- لیکن حضرت شاہ عبدالعزیز صاحب دہلوی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: کسی بھی شکل میں دیکھا ہو، لیکن خواب دیکھتے وقت خواب دیکھنے والے کے دل کو یقین ہو کہ میں جس شخصیت کو دیکھ رہا ہوں، وہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہیں، تو چاہے جس شکل میں بھی دیکھا ہو، اس نے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہی کو دیکھا ہے۔

دینداری جانچنے کا معیار

اب جو شکل دیکھی ہے وہ اگر ایسی ہے جو نبئ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے شایانِ شان نہیں ہے؛ تو کیا حکم ہے؟ تو اس سلسلہ میں کتابوں میں لکھا ہے کہ اس کا مطلب یہ ہوگا کہ دیکھنے والے کی دینداری میں کچھ کمزوری وکوتاہی ہے۔ گویا آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خواب میں زیارت آدمی کی دینداری کو جانچنے کا معیار ہے کہ وہ دینداری میں کس مقام پر ہے۔ چناں چہ نواب قطب الدین صاحب دہلوی رحمۃ اللہ علیہ نے مظاہرِ حق میں یہی بات لکھی ہے کہ اہلِ سلوک کے یہاں یہ ایک آلہ ہے، حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو جس حلیہ میں دیکھا ہوگا اسی مناسبت سے اس کے متعلق اندازہ لگایا جا سکتا ہے کہ وہ اپنے تدین میں کس مقام پر ہے۔

اور حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے یہ بھی فرمایا: جس نے مجھے خواب میں دیکھا وہ مجھے بیداری میں بھی دیکھے گا۔ علماء فرماتے ہیں: یہ حکم حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے زمانہ کا ہے، یعنی نبئ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم جب تک لوگوں کے درمیان موجود رہے آپ نے پردہ نہیں فرمایا تھا، وہاں تک اگر کوئی آدمی کسی اور جگہ آپ کو خواب میں دیکھتا تو اس کے لئے گویا

حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: اللہ تعالیٰ اس کو بیداری میں بھی میری زیارت کروائے گا۔لیکن آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی وفات کے بعد کسی نے دیکھا تو اس کے لئے یہ حکم نہیں ہے۔

روضۂ اقدس کی زیارت نصیب ہوگی

حضرت شیخ مولانا محمد زکریا صاحب نور اللہ مرقدہٗ فرماتے ہیں کہ: حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے زمانہ میں جو آدمی آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو خواب میں دیکھتا تو یہ گویا اس کے لئے بشارت تھی کہ اس کو بیداری میں بھی دیکھنا نصیب ہوگا۔اور اِس زمانہ میں جس نے خواب میں دیکھا تو گویا یہ اس کے لئے اس بات کی بشارت ہے کہ اس کو روضۂ اقدس کی زیارت نصیب ہوگی۔بہرحال! حضراتِ علماء کے اس سلسلہ میں یہ سارے نظریات ہیں۔

شیطان کا حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی شکل نہ بنا سکنے کی وجہ

"لَا يَتَمَثَّلُ الشَّيْطَانُ بِي" "شیطان میری شکل اختیار نہیں کرسکتا۔اللہ تعالیٰ نے اس کو اس بات پر قدرت نہیں دی ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی شکل اختیار کرے۔اس کی وجہ علماء نے لکھی ہے کہ اللہ تعالیٰ کے ناموں میں ایک نام "ہادی" یعنی "ہدایت دینے والا" ہے۔اور اللہ کا ایک نام "مضل" یعنی "گمراہ کرنے والا" بھی ہے۔گمراہی بھی اللہ تعالیٰ ہی کے حکم سے آتی ہے، اور ہدایت بھی اللہ تعالیٰ ہی کے حکم سے آتی ہے۔ اللہ تعالیٰ کی ذات میں دونوں باتیں موجود ہیں۔ہدایت اور ضلالت؛ یہ دونوں اللہ تعالیٰ کی صفتیں ہیں۔حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اللہ تعالیٰ کے اسم ہادی کا مظہر ہیں، اور شیطان اللہ تعالیٰ کے اسم مضل کا مظہر ہے۔تو جو ذات اسم ہادی کا مظہر ہو اس کی شکل اختیار کرنے کی قدرت اسم مضل کے مظہر کو نہیں دی گئی۔

اچھا یا برا خواب دیکھے؛ تو کیا کرے؟

۸۴۱:- وعن أَبِي سعيدٍ الخدرِيِّ رضی اللہ تعالیٰ عنہ أَنَّه سَمِعَ النبيَّ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم يقول: إِذَا رَأَى أَحَدُكُمْ رُؤْيَا يُحِبُّهَا، فَإِنَّمَا هِيَ مِنَ اللهِ تَعَالَى، فَلْيَحْمَدِ اللهَ عَلَيْهَا، وَلْيُحَدِّثْ بِهَا- وفي رواية: فَلَا يُحَدِّثْ بِهَا إِلَّا مَنْ يُحِبُّ- وَإِذَا رَأَى غَيْرَ ذٰلِكَ مِمَّا يَكْرَهُ، فَإِنَّمَا هِيَ مِنَ الشَّيْطَانِ، فَلْيَسْتَعِذْ مِنْ شَرِّهَا، وَلَا يَذْكُرْهَا لِأَحَدٍ؛ فَإِنَّهَا لَا تَضُرُّهُ.(متفقٌ عَلَيْهِ)

ترجمہ:- حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ میں نے نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو ارشاد فرماتے ہوئے سنا: تم میں سے کوئی آدمی جب ایسا خواب دیکھے جو اسے پسند ہے تو وہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہے، لہٰذا بیدار ہونے کے بعد اس پر اللہ کی حمد بیان کرے (الحمد للہ کہے) پھر جو آدمی ایسا ہو جو اس سے محبت رکھتا ہے اس کے سامنے اس کا تذکرہ کرے۔ اور اگر کوئی ایسا خواب دیکھے جو پسند نہیں ہے (برا خواب دیکھے) تو وہ شیطان کا اثر ہے، لہٰذا جب بیدار ہو تو شیطان کے شر سے پناہ مانگے (یعنی ”أَعُوْذُ بِاللهِ مِنَ الشَّيْطَانِ الرَّجِيْمِ“ پڑھے) اور پھر اس کا کسی کے سامنے تذکرہ نہ کرے؛ تو (ان شاء اللہ) اس کا کوئی نقصان نہیں پہنچے گا۔

افادات:- اچھا خواب دیکھے تو اللہ کا شکر ادا کرے اور جو آدمی محبت رکھتا ہو اور جو خیر خواہ ہو؛ ایسے دوست کے سامنے تذکرہ کرے۔ کسی ایسے آدمی کے سامنے تذکرہ نہ کرے جو خیر خواہی نہیں کرتا، اس لئے کہ اچھا خواب ہمارے لئے اچھی علامت ہے، اور جو خیر خواہ اور بھلائی چاہنے والے کے سامنے اگر بیان کروگے تو وہ خوش بھی ہوگا اور ساتھ ہی ساتھ اس کی اچھی تعبیر بھی سوچے گا، اور جو برائی چاہنے والا ہوگا وہ اس کو سن کر مزید ضیق اور تنگی میں مبتلا ہوگا، اور اس کا کوئی اچھا مطلب بھی نہیں لے گا؛ تو اس سے کچھ نقصان پہنچ سکتا ہے۔

براخواب شیطان کا اثر ہوتا ہے، اس کے نقصان سے بچنے کی ترکیب یہی ہے کہ جب سوکر اٹھے تو "أَعُوْذُبِاللّٰهِ مِنَ الشَّيْطَانِ الرَّجِيْمِ" پڑھے۔ دوسری روایتوں میں ہے کہ بائیں طرف تین مرتبہ تھتھکار دے، اور پھر اس کا کسی کے سامنے تذکرہ نہ کرے؛ تو ان شاء اللہ اس کا کوئی نقصان نہیں پہنچے گا۔

بعض لوگ کوئی براخواب دیکھتے ہیں تو ڈرتے رہتے ہیں، حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے اس خواب کے شر سے بچنے کا بہترین طریقہ بتلا دیا کہ کسی کے سامنے اس کو بیان مت کرو، اور آنکھ کھلتے ہی "أَعُوْذُبِاللّٰهِ مِنَ الشَّيْطَانِ الرَّجِيْمِ" پڑھ کر بائیں طرف تین مرتبہ تھوتھو کرلو۔

براخوب؟ پرواہ نہیں

۸۴۲:- وعن أَبِي قَتَادَةَ رضی اللہ تعالیٰ عنہ قَالَ قَالَ النبيُّ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم: الرُّؤْيَا الصَّالِحَةُ- (وفی رواية) الرُّؤْيَا الحَسَنَةُ- مِنَ اللهِ، وَالحُلُمُ مِنَ الشَّيْطَانِ، فَمَنْ رَأى شَيْئاً يَكْرَهُهُ فَلْيَنْفُثْ عَنْ شِمَالِهِ ثَلاَثاً، وَلْيَتَعَوَّذْ مِنَ الشَّيْطَانِ؛ فإِنَّهَا لا تَضُرُّهُ. (متفقٌ عَلَيْهِ)

((النَّفْثُ)): نَفْخٌ لَطِيفٌ لا رِيقَ مَعَهُ

ترجمہ:- حضرت ابوقتادہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے ارشاد فرمایا: اچھا خواب اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہے، اور براخواب شیطان کی طرف سے ہے۔ پس جو آدمی ایسا خواب دیکھے جسے ناپسند سمجھتا ہے، تو تین مرتبہ بائیں طرف تھوتھو کرلے، اور "أَعُوْذُبِاللّٰهِ مِنَ الشَّيْطَانِ الرَّجِيْمِ" پڑھ لے؛ تو ان شاء اللہ اس کا کوئی نقصان نہیں پہنچے گا۔

افادات:- چناں چہ حضرت ابوقتادہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ جو اس روایت کے راوی ہیں ان کا جملہ بخاری شریف میں نقل کیا گیا ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کا یہ ارشاد سننے سے پہلے

مَیں جب کوئی برا خواب دیکھتا تھا تو بہت ڈرتا اور پریشان رہتا تھا، کہ اب کیا ہوگا؟ لیکن حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا یہ ارشاد سننے کے بعد خطرناک خواب دیکھتا ہوں تب بھی مجھے کوئی پرواہ نہیں رہتی۔ بس! بیدار ہونے کے بعد فوراً "أَعُوْذُبِاللّٰهِ مِنَ الشَّيْطَانِ الرَّجِيْمِ" پڑھنے کے بعد تین مرتبہ تھتکار لیا کرتا ہوں۔ اب مجھے یقین ہے کہ ان شاء اللہ کوئی نقصان نہیں ہوگا۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے کیسی بہترین ترکیب بتلادی۔

برا خواب دیکھتے ہی آنکھ کھل جائے؛ تو کیا کرے؟

۸۴۳:- وعن جابر رضی اللہ تعالیٰ عنہ عن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم قَالَ: إِذَا رَأَى أَحَدُكُمُ الرُّؤْيَا يَكْرَهُهَا، فَلْيَبْصُقْ عَنْ يَسَارِهِ ثَلَاثاً، وَلْيَسْتَعِذْ بِاللّٰهِ مِنَ الشَّيْطَانِ ثَلَاثاً، وَلْيَتَحَوَّلْ عَنْ جَنْبِهِ الَّذِي كَانَ عَلَيْهِ. (رواہ مسلم)

ترجمہ:- حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا: جب کوئی ایسا خواب دیکھے جسے وہ پسند نہیں کرتا، تو اسے چاہیے کہ بائیں طرف تین مرتبہ تھتکار دے اور تین مرتبہ "أَعُوْذُبِاللّٰهِ مِنَ الشَّيْطَانِ الرَّجِيْمِ" پڑھے، اور کروٹ بدل لے۔

افادات:- ایک تو یہ ہے کہ برا خواب دیکھا اور صبح اُٹھا، لیکن کبھی ایسا ہوتا ہے کہ فوراً آنکھ کھل جاتی ہے پھر دوبارہ سونا ہے، اس کے لئے ترکیب بتلائی کہ برا خواب دیکھا اور آنکھ کھل گئی تو پہلے تین مرتبہ بائیں طرف تھتکار کر، تین مرتبہ "أَعُوْذُبِاللّٰهِ مِنَ الشَّيْطَانِ الرَّجِيْمِ" پڑھ لے، اور پہلے جس کروٹ پر سویا ہوا تھا اس کروٹ کو بدل لے۔ دورانِ نیند اگر آنکھ کھل جائے، تو یہ حکمتِ عملی بتائی۔

سب سے بڑا بہتان

۸۴۴:- وعن أَبِي الأسقع واثِلَةَ بن الأسقع رضی اللہ تعالیٰ عنہ قَالَ قَالَ رسولُ

اللہ ﷺ: إِنَّ مِنْ أَعْظَمِ الفِرَى أَنْ يَدَّعِيَ الرَّجُلُ إِلَى غَيرِ أَبِيهِ، أَوْ يُرِي عَيْنَهُ مَا لَمْ تَرَ. أَوْ يَقُولَ عَلَى رسول الله ﷺ مَا لَمْ يَقُلْ. (رواه البخاری)

ترجمہ:- حضرت واثلہ بن اسقع رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ نبیٔ کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا: سب سے بڑا بہتان یہ ہے کہ آدمی اپنی نسبت اپنے باپ کے علاوہ کسی دوسرے کی طرف کرے (اپنے باپ کے نام کی جگہ پر دوسرے آدمی کا نام لکھنا بہت بڑا بہتان ہے) اور اپنی آنکھ کو وہ چیز دکھلائے جو اس نے نہیں دیکھی۔ اور حضور اکرم ﷺ کی طرف نسبت کر کے ایسی بات کہے جو آپ ﷺ نے نہیں فرمائی۔

افادات:- بعض لوگوں کی عادت ہوتی ہے کہ کسی سے کوئی منفعت اور فائدہ حاصل کرنے کے لئے کہہ دیتے ہیں کہ آپ کے متعلق تو میں نے ایسا عمدہ خواب دیکھا کہ آپ تو جنت میں سیر کر رہے تھے۔ یہ سن کر وہ خوش ہو گیا، پھر اس سے اپنا مقصد نکلوا لیا، حالاں کہ ایسا کوئی خواب اس نے نہیں دیکھا تھا۔ یا کبھی کسی پر رعب جمانے اور ڈرانے کے لئے جھوٹا خواب بیان کر دیتے ہیں؛ تو یہ بہت بڑا بہتان ہے۔

اسی لئے علماء لکھتے ہیں کہ جھوٹ بولنا تو بیداری کے اندر بھی برا ہے، لیکن خواب کی طرف جھوٹی نسبت کرنا بہت زیادہ برا ہے۔ اس لئے کہ شروع میں آیا تھا کہ خواب کو نبوت کا چھیالیسواں حصہ بتلایا گیا ہے، اس لئے اس میں جھوٹ بولے گا تو گویا وہ یوں کہنا چاہتا ہے کہ مجھے اللہ تعالیٰ کی طرف سے یہ چیز بتلائی گئی ہے، اس صورت میں جھوٹ کی نسبت اللہ تعالیٰ کی طرف ہو رہی ہے، اس لئے اس پر بڑی سخت وعید فرمائی گئی ہے۔

چناں چہ بعض روایتوں میں آتا ہے کہ جو آدمی ایسا کرے گا، قیامت کے دن اس کو جَو یا گیہوں کے دو دانے دیئے جائیں گے اور کہا جائے گا کہ ان دونوں میں گرہ لگاؤ، اور وہ ہرگز گرہ نہیں لگا سکے گا اور اس کو عذاب ہوتا رہے گا (بخاری شریف: بَاب مَنْ كَذَبَ فِي حُلُمِهِ)

اب دیکھنے میں تو یہ ایک معمولی چیز نظر آتی ہے، لیکن اس پر اتنا سخت عذاب ہے۔

حضور اکرم ﷺ کی طرف غلط بات کی نسبت کرے کہ حضور اکرم ﷺ نے یوں فرمایا، حالاں کہ حدیث میں ایسا نہیں آیا ہے؛ تو یہ بھی بہت بڑا بہتان ہے اور اس پر بڑی سخت وعید ہے، حدیث پاک میں آتا ہے حضور اکرم ﷺ فرماتے ہیں: مَنْ كَذَبَ عَلَيَّ مُتَعَمِّدًا فَلْيَتَبَوَّأْ مَقْعَدَهُ مِنَ النَّارِ (بخاری ومسلم) جو آدمی جان بوجھ کر میری طرف غلط بات کی نسبت کرے، وہ اپنا ٹھکانہ جہنم میں بنالے۔ لہٰذا خواب کے متعلق بہت زیادہ احتیاط کی ضرورت ہے۔

اس روایت میں تین باتیں آئیں، ایک خواب سے متعلق بھی ہے اس لئے یہ روایت اس باب میں پیش فرمائی۔

کتاب السَّلاَم

سلام کے احکام وآداب

باب فضل السلام والامر بافشائه

سلام کی فضیلت

اور

سلام کو عام کرنے کا حکم

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

نیا عنوان قائم کیا ہے: ”کتاب السلام“ سلام سے متعلق احکام وآداب اور اس سے تعلق رکھنے والی چیزیں۔ اس عنوان کے ماتحت بہت سارے ذیلی عنوانات ہیں۔ پہلا عنوان ہے: سلام کی فضیلت اور شریعت کی طرف سے سلام کو عام کرنے کا حکم۔ یعنی نہ صرف سلام کرو، بلکہ سلام کو پھیلاؤ۔

اجازت لیے بغیر داخل نہ ہو

حدیثِ پاک میں ہر مسلمان کو- چاہے اس کو آپ پہچانتے ہوں یا نہ پہچانتے ہوں- سلام کرنے کا حکم دیا گیا ہے۔ اس سلسلے میں کچھ آیتیں پیش کی ہیں۔ سب سے پہلے سورۂ نور کی ایک آیت ہے جس میں استیذان کا حکم دیا گیا ہے کہ کسی کے گھر میں جب آدمی داخل ہونا چاہے، تو پہلے اجازت لے لے۔ زمانۂ جاہلیت میں اگر کوئی آدمی کسی کے گھر میں داخل ہونا چاہتا تو اجازت لینا ضروری نہیں سمجھا جاتا تھا، بس! سیدھے اندر داخل ہوجاتا تھا، خاص کر ملنے جلنے والوں اور رشتہ داروں کے لئے تو اس کی ضرورت ہی نہیں سمجھی جاتی تھی۔ جب پردہ کا حکم نازل کیا گیا تو اس کے بعد کسی کے گھر میں داخل ہونے کے واسطے اجازت لینے کو ضروری قرار دیا گیا۔ یہ اتنا مہتم بالشان اور اہم حکم ہے کہ اس کو بیان کرنے کے لئے اللہ تبارک وتعالیٰ نے کئی آیتیں نازل فرمائیں لیکن ہمارے معاشرہ میں اس کی طرف سے بڑی غفلت برتی جارہی ہے، بہت سے دیندار اور پڑھے لکھے لوگ بھی اس معاملہ میں غفلت برتتے ہیں۔

استیذان کب؟ اور کب نہیں؟

باری تعالیٰ فرماتے ہیں: ﴿يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا تَدْخُلُوا بُيُوتًا غَيْرَ بُيُوتِكُمْ

حَتّٰی تَسۡتَاۡنِسُوۡا وَتُسَلِّمُوۡا عَلٰۤی اَہۡلِہَا ﴾ (النور: ۲۷) اے ایمان والو! نہ داخل ہوؤ ان گھروں میں جو تمہارے گھروں کے علاوہ ہیں، یہاں تک کہ پہلے اجازت لے لو اور گھر والوں کو سلام کرلو۔ ایک تو وہ گھر جو آدمی کا اپنا مخصوص ہے، جس میں وہ تنہا رہتا ہے، اس کے علاوہ کوئی اور اس کے اندر رہائش پذیر نہیں ہے، یہاں تک کہ ماں باپ، بھائی بہن اور دوسرا کوئی بھی نہیں رہتا۔ یا اپنی بیوی کے ساتھ رہتا ہے، بچے وغیرہ بھی نہیں رہتے کہ اگر جائے تو تالا لگا کر جائے، اور آئے تو تالا کھول کر بسم اللہ کہہ کر داخل ہوجائے؛ تو اس میں داخل ہونے کے لئے کسی کی اجازت لینے کی ضرورت نہیں ہے۔

اور اگر گھر کی ملکیت باپ کی ہے، اسی میں وہ رہتا ہے اور اس گھر میں تنہا نہیں ہے بلکہ اس کے ماں باپ، بھائی بہن، اور دوسرے اعزہ بھی رہائش پذیر ہیں۔ یا کسی پرائے آدمی کا گھر ہے؛ تو ان تمام صورتوں میں گھر میں داخل ہونے سے پہلے آدمی کو اجازت لینی یا اطلاع کرنی چاہیے۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو یہ بات خاص طور پر سکھائی تھی۔

کیا تم یہ چاہتے ہو کہ......؟

ایک آدمی نے پوچھا: اے اللہ کے رسول! میں گھر میں میری ماں کے ساتھ رہتا ہوں، کیا میں گھر میں اجازت لے کر جاؤں؟ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: جی ہاں۔ اس نے پھر کہا: میرے گھر میں صرف میری ماں ہی رہتی ہے؛ پھر بھی؟ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم فرمایا: ہاں! پھر بھی۔ اس نے پھر کہا: مَیں تو ان کی خدمت کرتا ہوں؟ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کیا تم یہ چاہتے ہو کہ ماں کو ننگی حالت میں دیکھو؟ اس نے کہا: نہیں۔ تو حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: پھر اجازت لے کر داخل ہوؤ۔ (مؤطا: باب الاستیذان)

اس لئے کہ آدمی گھر میں جب تنہا ہوتا ہے، تو بہت سی مرتبہ اس کو اپنی کسی ضرورت کو پورا کرنے کے لئے ستر کھولنے کی نوبت آتی ہے، جیسے: کسی کوران میں کوئی تکلیف ہے، جب لوگوں کے درمیان ہوتا ہے تو ستر نہیں کھول پاتا، اس لئے جب دیکھتا ہے کہ گھر میں کوئی نہیں ہے، تو اس موقعہ کو غنیمت سمجھتا ہے کہ لاؤ! ذرا دیکھ لوں کیا تکلیف ہے اور دوا بھی لگا لوں۔

یا کبھی کپڑے بدلنے کی غرض سے آدمی یہ سمجھ کر کپڑے نکالتا ہے کہ گھر کا دروازہ بند ہے، اور گھر میں کوئی نہیں ہے۔ اب وہ ستر کھول کر بیٹھا ہے اور کوئی آدمی گھر میں گھس آیا؛ تو کیا منظر ہوگا؟

اسی چیز کی طرف نبیٔ کریم ﷺ نے متوجہ کیا کہ ہوسکتا ہے کہ آپ کی اماں اکیلی رہتی ہیں، اور اس موقعہ پر انھوں نے کسی ضرورت سے یہ سمجھ کر اپنا ستر کھول رکھا ہے کہ گھر میں مَیں تنہا ہوں، کوئی اور نہیں ہے، اور آپ بغیر اجازت کے اندر گھس گئے، تو اس صورت میں آپ کے لئے ایسی نوبت آئے گی کہ آپ کی نظر ان کے ستر پر پڑے گی۔ اس لئے آدمی کے لئے ضروری قرار دیا گیا کہ چاہے ماں باپ، بھائی بہن، یا دوسرے رشتہ دار رہتے ہوں؛ تب بھی اجازت لے کر گھر میں جائے۔

......تب اجازت لینا ضروری نہیں

البتہ گھر میں اکیلی بیوی ہو، اس کے علاوہ اور کوئی نہ ہو، تو چوں کہ شوہر کے لئے اپنی بیوی کے ستر کو دیکھنا جائز ہے، اس لئے وہاں اجازت لینا ضروری نہیں ہے، لیکن اس کے باوجود بہتر اور مناسب طریقہ یہ ہے کہ وہاں پر بھی کچھ کھٹکا کر کے جائے، باہر سے ذرا آواز کر دے، جس سے وہ سمجھ جائے کہ شوہر گھر میں آرہے ہیں۔ حضرت

عبداللہ بن مسعود کی بیوی حضرت زینب رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ حضرت عبداللہ بن مسعود جب بھی مکان میں تشریف لاتے تھے تو کھٹکا کر دیا کرتے تھے، حالاں کہ گھر میں مَیں تنہا ہوا کرتی تھی۔(مسند احمد:۳۶۱۵)

اگر اپنا ذاتی گھر ہے اور اس میں دوسرے لوگ بھی رہتے ہیں، تو وہاں اجازت لینے کی ضرورت نہیں ہے بلکہ صرف اطلاع دیدے کہ مَیں آرہا ہوں۔ اور اگر پرایا گھر ہے تو وہاں اجازت لینے کے بعد صاحبِ مکان کی طرف سے اجازت ملنے کا انتظار کیا جائے گا۔ اس اجازت طلب کرنے کو قرآن کریم نے عجیب انداز سے پیش کیا ہے: ﴿حَتّٰى تَسْتَأْنِسُوا﴾ اگرچہ عام طور پر حضراتِ مفسرین نے لفظ ﴿تَسْتَأْنِسُوا﴾ کا ترجمہ ''اجازت لو'' کیا ہے۔ لیکن "إِسْتِيْنَاس" جو عربی زبان کا لفظ ہے، اس کا ترجمہ ہوتا ہے کسی کو مانوس بنانا، انسیت حاصل کرنا، کسی کی طبیعت میں ہماری طرف میلان اور ہمدردی پیدا کرنا۔ گھر میں داخل ہونے سے پہلے اجازت لینا؛ یہ گھر والے کے دل میں آپ کے لئے ایک طرح کی انسیت پیدا کرتا ہے۔ جب آپ اپنی کوئی ضرورت یا کام لے کر کسی کے یہاں جا رہے ہیں، تو ظاہر ہے کہ آپ کو اس کے ساتھ اس انداز سے پیش آنا چاہیے کہ اس کی طبیعت پر بوجھ نہ ہو۔

آپ اپنی ضرورت لے کر کسی کے پاس گئے اور بغیر اجازت لئے ہی اس کے گھر کے اندر گھس گئے، تو صاحبِ مکان فوراً اَپ سیٹ (Upset) ہو جائے گا، اس کی طبیعت آپ کی طرف سے متنفر ہو جائے گی، اس کے بعد جب آپ اپنی بات پیش کریں گے تو وہ دھیان نہیں دے گا، آپ اپنی ضرورت اس کے سامنے رکھیں گے تو اس کے پورا کرنے کی طرف بھی وہ توجہ نہیں دے گا۔ اس کے برخلاف اگر آپ نے داخل ہونے سے پہلے مناسب طریقہ سے ادب وشرافت کے ساتھ اجازت طلب کی ہوتی

کہ میں آپ کے مکان پر حاضر ہوسکتا ہوں، مجھے اندر آنے کی اجازت ہے، تو وہ بھی سوچتا کہ کوئی شریف آدمی آیا ہے، جی ہاں! تشریف لائیے، اب ''السلام علیکم'' کہئے اور داخل ہوجائیے۔ تو اجازت لینا گویا صاحبِ خانہ کی انسیت حاصل کرنا ہے، اس میں ہمارا فائدہ ہی فائدہ ہے، کوئی نقصان نہیں ہے۔ تو اپنے گھروں کے علاوہ دوسرے گھروں میں داخل ہوؤ تو پہلے اجازت لو ﴿تَسْتَأْنِسُوا﴾ اُنس حاصل کرو، اور اس کا طریقہ یہ ہے ﴿وَتُسَلِّمُوا عَلَىٰ أَهْلِهَا﴾ گھر والوں کو سلام کرو۔

اجازت کیسے لے؟

اب اجازت کس طرح لی جائے؟ تو عام طور پر علماء یہ فرماتے ہیں اور احادیث سے بھی ثابت ہے کہ اجازت لینے کے لئے پہلے سلام کیا جائے: **''السلام علیکم ورحمۃ اللہ، میں احمد ہوں، آنا چاہتا ہوں، مجھے اجازت ہے؟''** جب اجازت مل جائے تو دوبارہ سلام کر کے داخل ہوجائے (پہلے جو سلام کیا گیا وہ اجازت حاصل کرنے کے واسطے تھا) ساتھ ہی اپنا نام بھی بولے۔

ابوداود شریف میں روایت ہے کہ ایک مرتبہ قبیلۂ بنو عامر کے ایک آدمی نے آکر حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے یوں کہا: ''أَأَلِجُ'' میں داخل ہوسکتا ہوں؟ ''وُلُوج'' عربی زبان میں کسی تنگ جگہ میں داخل ہونے کو کہتے ہیں، جس کا مطلب یہ ہوتا ہے کہ میں گھس سکتا ہوں۔ تو حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنے خادم سے کہا کہ: باہر جاکر اس آدمی کو اجازت لینے کا طریقہ بتلاؤ، اس سے کہو کہ یوں کہے: ''السلام علیکم، ''أَأَدْخُلُ''۔ ''أَأَلِجُ'' نہ کہے۔ خادم جاکر اس سے کہے، اُس سے پہلے ہی اس آدمی نے باہر سے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی یہ باتیں سن لیں، تو اس نے اسی طرح کہا: السلام علیکم ورحمۃ اللہ ''أَأَدْخُلُ''۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم

نے کہا: ’’أُدْخُلْ‘‘ آجاؤ۔ (ابوداودشریف:۷۷۰،۵۱/باب کیف الاستئذان)

تو پہلا سلام استیذ ان یعنی اجازت حاصل کرنے کے لئے ہے، سلام کے ساتھ اپنا نام بھی کہنا چاہیے، تا کہ اس کو پوچھنے کی ضرورت ہی پیش نہ آئے کہ کون ہو؟ اور اگر کبھی کسی وجہ سے نام نہ بول پائے اور پوچھا کہ کون ہو؟ تو جواب میں صرف یہ نہ کہے کہ: مَیں؛ بلکہ اپنا نام لینا چاہیے کہ فلاں ہوں۔

سب ہی ’’مَیں‘‘ ہیں

ایک آدمی ایک مرتبہ حضرت مغیرہ بن شعبہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے پاس گیا، اجازت طلب کی۔ پوچھا: کون ہو؟ اس نے نام نہیں بتایا اور کہا: مَیں۔ حضرت مغیرہ بن شعبہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے کہا: میرے دوستوں اور ملنے والوں میں ’’مَیں‘‘ نام کا کوئی آدمی نہیں ہے۔ پھر انہوں نے حضرت جابر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی روایت نقل کی کہ حضرت جابر رضی اللہ تعالیٰ عنہ ایک مرتبہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے یہاں گئے، دروازہ کھٹکھٹایا، حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے پوچھا: کون ہو؟ کہا: ’’أَنَا‘‘ مَیں۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے ناگواری کے ساتھ فرمایا: ’’أَنَا أَنَا‘‘؟ یعنی ’’مَیں‘‘ کہنے سے کیا پتہ چلے گا کہ کون ہے؟ سبھی ’’مَیں‘‘ ہیں۔

جواب ملنے کا انتظار کیجئے

اور اجازت طلب کرنے کے لئے سلام کیا گیا تو اس کے بعد آپ جواب کا انتظار کیجئے، یعنی اتنا موقع دیجئے کہ وہ جواب دے سکے۔ اتنا انتظار کرنے کے بعد بھی اگر جواب نہ ملے، تو پھر دوبارہ اجازت طلب کرنے کی غرض سے سلام کیجئے، پھر موقع دیجئے۔ اس کے بعد بھی جواب نہ ملے، تو پھر تیسری مرتبہ سلام کر کے اجازت طلب کیجئے، اس پر بھی جواب نہ ملے، یا صاحبِ خانہ کی طرف سے کہا جائے کہ مَیں اس وقت

ملنے کی پوزیشن میں نہیں ہوں، یا آپ سے نہیں مل سکتا؛ تو بغیر کسی ناگواری کے، کچھ بھی برا مانے بغیر چپ چاپ وہاں سے خوشی کے ساتھ واپس تشریف لے جائیے، اس لئے کہ قرآن پاک میں ہے: ﴿فَإِنْ قِيلَ لَكُمُ ارْجِعُوا فَارْجِعُوا هُوَ أَزْكَىٰ لَكُمْ﴾ جب گھر والوں کی طرف سے یہ کہا جائے کہ واپس جائیے، میں ابھی نہیں مل سکتا؛ تو اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ واپس ہو جاؤ، اسی میں تمہارے لئے پاکیزگی اور بھلائی ہے۔ دیکھو! اللہ تعالیٰ نے قرآن پاک میں اس بات کا حکم دیا ہے۔

آج کل تو ہم کسی کے یہاں گئے ہوں اور خاص کر وہ ملنے والا کوئی چھوٹا ہو، اور اجازت طلب کرنے پر اس کی طرف یوں کہا جائے کہ ابھی واپس تشریف لے جائیں؛ تو ہے کوئی اس کو ہضم کرنے والا! معلوم نہیں کیا کیا کر ڈالے گا۔ لیکن اللہ کے بعض بندے ایسے بھی تھے جو اس حکم پر عمل کے شوقین تھے۔

ایسے بھی تھے

کتب تفسیر میں لکھا ہے: ایک بزرگ کہتے ہیں: پوری زندگی میں اس کوشش میں رہا کہ اس حکم پر عمل کرنے کا موقعہ ملے۔ مَیں لوگوں کے گھر پر جاتا تھا اور اجازت طلب کرتا تھا کہ کوئی اللہ کا بندہ یوں کہہ دے کہ: واپس جاؤ، تا کہ اس کے اس کہنے پر میں واپس ہو جاؤں اور اللہ تعالیٰ کے اس ''إِرْجِعُوْا'' والے حکم پر عمل ہو جائے، لیکن اس کی نوبت نہیں آئی۔ ایسے بھی شوقین تھے کہ اللہ تعالیٰ کے اس حکم پر عمل کرنے کی خاطر انہوں نے یہ طرز اختیار کیا۔

کہنے کا حاصل یہ ہے کہ تین مرتبہ کے بعد اگر جواب نہ ملے؛ تو واپس ہو جانا چاہیے اس لئے کہ کبھی ایسا ہوتا ہے کہ وہ آدمی کسی مشغولی میں ہوتا ہے، مثلاً: غسل کر رہا

ہے، یا بیت الخلاء میں ہے، یا نماز پڑھ رہا ہے؛ تو وہ آپ کو اجازت دینے کی حالت میں نہیں ہوتا۔ ہمیں خود بہت سی مرتبہ ایسی نوبت آتی ہے کہ گھر میں اکیلے ہیں، اور بیت الخلاء میں داخل ہوئے، ابھی حاجت کے لئے بیٹھے کہ اِدھر کسی نے گھنٹی بجانا شروع کی، اب ہماری طبیعت بے چین ہو جاتی ہے، ایسے وقت مَیں دعا کرتا ہوں کہ: اللہ کرے کہ اس کی بے چینی دور ہو جائے۔ بعض لوگ ایسے ہوتے ہیں کہ جب وہ گھنٹی بجانے کا سلسلہ شروع کرتے ہیں تو ختم کرنے کا نام ہی نہیں لیتے۔ اور دروازہ بھی ایسی زور سے مسلسل کھٹکھٹاتے ہیں کہ معلوم ہوتا ہے کہ جج صاحب کی طرف سے گرفتاری کا وارنٹ لے کر آئے ہیں۔ ایسا کوئی طریقہ اختیار نہیں کرنا چاہیے۔

میں یہ عرض کر رہا تھا کہ اجازت کا مقصد ہی استیناس یعنی اُنس پیدا کرنا ہے۔ اس لئے اجازت طلب کرنے کے لئے جو طریقہ اختیار کیا جائے وہ بھی اُنسیت والا ہی ہونا چاہیے، وحشت اور نفرت پیدا کرنے والا نہیں ہونا چاہیے، اور اگر انکار کیا جائے تو واپس لوٹ جانا چاہیے۔

گھنٹی (Door Bell) بجانے کا طریقہ

جس زمانہ میں یہ آیتیں نازل ہوئیں اُس زمانہ میں گھر بھی بڑے نہیں ہوا کرتے تھے، دروازہ ذرا سا کھٹکھٹاتے تھے تو آواز اندر پہنچ جاتی تھی، لیکن آج کل تو گھر بڑے بڑے ہیں، اگر دروازے پر ''السلام علیکم'' بولیں، تو گھر کے اندر پتہ بھی نہیں چل سکتا، اس لئے کوئی مناسب صورت اختیار کی جائے، جیسا کہ آج کل گھنٹی (Door Bell) رکھی جاتی ہے اس کو بجایا جا سکتا ہے۔ لیکن حضرت مفتی محمد شفیع صاحب رحمۃ اللہ علیہ تحریر فرماتے ہیں کہ گھنٹی (Door Bell) بجانے میں بھی وہی اصول مدِ نظر رکھنا چاہیے کہ کوئی ایسا

طریقہ اختیار نہ کرے جو وحشت اور نفرت پیدا کرنے والا ہو۔ بعض لوگ گھنٹی پر ایسا انگوٹھا دبا دیتے ہیں کہ چھوٹے بچے جو سوئے ہوئے ہوتے ہیں وہ بھی چونک کر بیدار ہو جاتے ہیں اور چلّا کر رونا شروع کر دیتے ہیں، پھر گھر والوں کو ان کو منانا مشکل ہو جاتا ہے۔ یہ ایک نئی مصیبت ہوگئی ہے۔ اس لئے گھنٹی بھی آہستہ سے بجائی جائے کہ اندر آواز پہنچ جائے، اور آدمی کو پتہ چل جائے کہ کوئی آیا ہے۔ پھر گھنٹی بجانے کے بعد اتنا انتظار کیجئے کہ وہ آدمی کسی کام میں مشغول ہو، جیسے: کتاب کا مطالعہ کر رہا ہو، تو کم از کم بند کر کے کتاب رکھے، اور اُٹھ کر باہر آئے۔ یا وہ کھانا کھا رہا ہو تو اپنا لقمہ پورا کر کے ہاتھ صاف کر کے آئے۔ یا کسی اور کام میں مشغول ہے، تو اس کو مہلت دیجئے۔ ایسا نہیں ہونا چاہیے کہ بجائی، پھر بجائی، اور بجاتے ہی چلے جا رہے ہیں۔ بلکہ تھوڑی دیر موقعہ دیجئے، پھر دیکھا کہ کوئی جواب نہیں مل رہا ہے تو اب دوسری مرتبہ بجائیے، پھر تھوڑی دیر موقعہ دیجئے، پھر کوئی جواب نہیں ملے، تو اب تیسری مرتبہ بجائیے، اور تیسری مرتبہ کے بعد بھی جواب نہ ملے؛ تو حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم فرماتے ہیں کہ واپس ہو جائیے، وہاں دھرنا دے کر بیٹھنے کی ضرورت نہیں ہے۔

دعا لینے کی حرص

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ایک مرتبہ حضرت سعد بن عبادہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ - جو انصار کے سرداروں میں سے تھے، ان - کے یہاں تشریف لے گئے، اور اجازت طلب کرنے کی غرض سے آپ نے السلام علیکم کہا، انہوں نے اندر سے آواز سنی، لیکن جواب زور سے نہیں دیا، بلکہ اس امید پر آہستہ سے دیا کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم میرا جواب نہیں سنیں گے تو دوسری مرتبہ سلام کریں گے، اور اس بہانے سے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی دعا مل جائے گی۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم

کی دعا لینے کی حرص میں ان کا دوسرے پہلو کی طرف دھیان ہی نہیں گیا۔ اس موقعہ پر علماء نے لکھا ہے کہ دعا لینے کی حرص میں حضورِ اکرم ﷺ کو انتظار کرنا پڑا، اور یہ چیز ادب کے خلاف ہوگئی، اس طرف ان کا دھیان ہی نہیں گیا۔ ورنہ عام طور پر آدمی یوں سوچتا ہے کہ بڑی شخصیت میرے یہاں تشریف لائی ہے، اس لئے مجھے تو آگے چل کر جلدی سے ان کے قدموں میں گرنا چاہیے۔ ان کو چاہیے تھا کہ حضور ﷺ کے پاس جلدی سے پہنچ جاتے، لیکن اس تصور سے کہ حضور ﷺ کی دعا ملے، انہوں نے آہستہ سے جواب دیا۔ حضورا کرم ﷺ نے دوسری مرتبہ سلام کیا، اس کا بھی انہوں نے آہستہ سے جواب دیا تو حضورا کرم ﷺ نے تیسری مرتبہ سلام کیا، اس وقت بھی انہوں نے آہستہ ہی جواب دیا تو حضور ﷺ واپس لوٹنے لگے۔ ان کو پتہ نہیں تھا کہ تین مرتبہ اجازت لینے کا حکم ہے۔ انہوں نے جب دیکھا کہ اب حضور ﷺ کی آواز نہیں آرہی ہے، تو باہر نکلے، اور دیکھا کہ حضورا کرم ﷺ واپس لوٹ رہے ہیں تو آپ سے لپٹ گئے اور عرض کیا: اے اللہ کے رسول! میں آپ کی آواز سن رہا تھا اور جواب بھی دے رہا تھا لیکن زور سے اس لئے نہیں دیا کہ آپ دوبارہ سلام کریں، اور مجھے آپ کی دعا ملے۔

(ابوداودشریف:۵۱۸۷/باب كَمْ مَرَّةٍ يُسَلِّمُ الرَّجُلُ فِي الِاسْتِئْذَانِ)

خیر! تو استیذان یعنی اجازت لینے کا اور استیناس کا حکم دیا گیا ہے۔

ایک عمل، تین دعائیں

﴿فَإِذَا دَخَلْتُمْ بُيُوتًا فَسَلِّمُوا عَلَىٰ أَنْفُسِكُمْ تَحِيَّةً مِنْ عِنْدِ اللهِ مُبَارَكَةً طَيِّبَةً (النور:۶۱)﴾ پھر جب گھروں میں داخل ہوؤ، تو اپنے گھر والوں پر سلام کرو، یہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے برکت والا اور پاکیزہ تحفہ ہے۔ "عَلَىٰ أَنْفُسِكُمْ" اپنے اوپر یعنی گھر

کے اندر جو رہتے ہیں وہ اپنے ہی لوگ ہیں، ان کو سلام کرو۔ اللہ تعالیٰ نے سلام کا جو طریقہ بتلایا ہے وہ بڑا پاکیزہ اور برکت والا ہے۔ یہ بھی نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی تعلیمات اور شریعتِ اسلامیہ کی برکات میں سے ہے کہ اس نے مسلمانوں کو آپسی ملاقات کے وقت جو طریقہ سکھایا ہے وہ عجیب وغریب ہے۔ دنیا کی دوسری قوموں میں کوئی ملتا ہے تو کہتا ہے: گڈ مارننگ (Good Morning) کوئی کہتا ہے: گڈ ایوننگ (Good Evening) کوئی کہتا ہے: نمستے۔ کوئی کہتا ہے: نمسکار۔ کوئی آداب کہتا ہے۔ ہمیں ایسا نہیں کہنا چاہیے۔ آداب کہنے سے اس کو یا آپ کو کیا فائدہ پہنچا؟ ظاہر ہے کہ کچھ بھی نہیں۔ اسلام نے آپسی ملاقات کے وقت جو طریقہ سکھایا وہ ایک دعا ہے، اور دعا میں بھی سلَام سکھایا۔ اور سلَام اللہ کے ناموں میں سے ایک نام ہے۔ ''السلام علیکم'' تم پر سلامتی ہو۔ ''ورحمۃ اللہ'' اور اللہ کی رحمت ہو۔ ''وبرکاتہٗ'' اور اللہ کی برکتیں ہوں۔ ایک ہی عمل میں تین دعائیں ہیں۔

ایک مرتبہ ایک آدمی حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پاس آیا اور کہا: السلام علیکم۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: دس۔ دوسرا آیا، اس نے کہا: السلام علیکم ورحمۃ اللہ۔ تو حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: بیس۔ تیسرا آیا اور اس نے کہا: السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہٗ۔ تو حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: تیس۔ (ابوداود شریف:۵۱۹۷/باب کَیْفَ السَّلَامُ) یعنی پہلے کو دس نیکیاں ملیں، دوسرے کو بیس، اور تیسرے کو تیس نیکیاں ملیں، اس لئے کہ اس نے تین الفاظ کہے۔

سلام ہی جامع ہے

زمانۂ جاہلیت میں ایسا ماحول تھا کہ کسی کی جان، مال، عزت اور آبرو دوسرے سے محفوظ نہیں تھی، جب کوئی آدمی کسی کو سامنے سے آتا ہوا دیکھتا، یا دونوں کا آمنا سامنا ہوتا

تو ہر ایک دوسرے کی طرف سے خطرہ محسوس کرتا تھا کہ وہ کچھ کر ڈالے گا، میری جان پر حملہ کر دے گا، یا میرا مال چھین لے گا۔ یہ اُس سے ڈرتا تھا اور وہ اِس سے ڈرتا تھا۔ اسلام نے سکھایا کہ جب آپس میں ملو تو ''السلام علیکم ورحمۃ اللہ'' کہو، گویا اس کو سلامتی کی دعا دی کہ اللہ تعالیٰ تمہیں سلامت رکھے، تم پر سلامتی ہو۔ اب جو آدمی تمہاری سلامتی کے لئے دعائیں کر رہا ہے، تو ظاہر ہے کہ وہ تمہاری جان ومال، عزت وآبرو پر کیسے حملہ کرے گا؟ گویا دعا کے ساتھ ساتھ اس نے اطمینان دلایا کہ آپ میری طرف سے پوری طرح مطمئن رہیے، میری طرف سے نہ آپ کی جان پر کوئی دست درازی اور زیادتی ہوسکتی ہے، نہ میں آپ کا مال چھینوں گا، اور نہ آپ کی عزت وآبرو پر ہاتھ ڈالوں گا۔

بہرحال! سلام کا یہ طریقہ بڑا بابرکت ہے جو اللہ تعالیٰ نے ہمیں دیا ہے۔ اس لئے غیروں کے طریقوں کو اختیار مت کرو۔ اگر اس ''گڈ مارننگ'' کو دعا پر محمول بھی کیا جائے، تو اس کا مطلب ہوتا ہے کہ آپ کی صبح اچھی ہو۔ تو کیا شام بری ہو جائے؟ اور ہمارے یہاں تو سلام کے اندر کسی ایک وقت کے لئے نہیں بلکہ ہمیشہ کے لئے عام سلامتی کی دعا کرائی جا رہی ہے۔ اس لئے ہمیں آپس میں اسی کو رائج کرنا اور اسی پر عمل کرنا چاہیے۔

سلام کا جواب اچھے طریقہ سے دو

﴿وَإِذَا حُيِّيتُمْ بِتَحِيَّةٍ فَحَيُّوا بِأَحْسَنَ مِنْهَا أَوْ رُدُّوهَا﴾ (النساء: ۸۶) جب تمہیں کسی کی طرف سے سلام کیا جائے تو تم اس سے اچھے طریقہ سے سلام کا جواب دو، یا اسی طرح جواب دو۔

کسی نے ہمیں ''السلام علیکم'' کہا تو قرآن پاک کی یہ آیت ہمیں تعلیم دیتی ہے کہ تم

اس کا جواب اس سے عمدہ اور اچھا دو، یعنی اس نے ''السلام علیکم'' کہا تو آپ ''وعلیکم السلام ورحمۃ اللہ'' کہئے، اس نے صرف سلامتی کی دعا دی، تو آپ نے سلامتی کے ساتھ ساتھ رحمت کی دعا بھی دیدی۔ اور اگر کوئی کہے: ''السلام علیکم ورحمۃ اللہ''، تو آپ جواب میں کہیے: ''وعلیکم السلام ورحمۃ اللہ وبرکاتہٗ'' سلامتی، رحمت اور برکت؛ تینوں کی دعا دیدو۔ ویسے سلام کے آداب میں سے یہی ہے کہ سلام کرنے والا یہی دو الفاظ کہے: ''السلام علیکم ورحمۃ اللہ''۔ لیکن اگر سلام کرنے والے نے تینوں ''السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہٗ'' کہہ دیا؛ تو اب اس سے آگے تو ہے نہیں، اس لئے اسی طرح جواب دے دو: ''وعلیکم السلام ورحمۃ اللہ وبرکاتہٗ''۔

ایک آدمی نے آکر حضور اکرم ﷺ کو سلام کیا: ''السلام علیکم''۔ حضور ﷺ نے جواب میں فرمایا: ''وعلیکم السلام ورحمۃ اللہ''۔ اس کے بعد ایک اور آدمی نے آکر کہا: ''السلام علیکم ورحمۃ اللہ'' تو حضور اکرم ﷺ نے جواب میں فرمایا: ''وعلیکم السلام ورحمۃ اللہ وبرکاتہٗ''۔ اس کے بعد تیسرے آدمی نے آکر کہا: ''السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہٗ'' تو حضور ﷺ نے جواب میں فرمایا: ''وعلیکم''، تم پر بھی یہ ساری دعائیں ہوں۔ اس نے شکایت کی: اے اللہ کے رسول! پہلے والے نے سلام کیا تو آپ نے ایک بڑھا کر کہا، دوسرے والے نے کہا تو اس پر بھی آپ نے ایک بڑھا کر کہا، اور جب میں نے تینوں چیزیں کہیں، تو آپ نے صرف ''وعلیکم'' فرمایا؟ تو حضور اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا: تم نے کچھ چھوڑا ہی نہیں؛ تو اب کیا کروں، اس لئے صرف ''وعلیکم'' کہا (المعجم الکبیر، حدیث نمبر: ۵۹۹۱) جو سلام تو نے کیا وہی دعا میں نے تجھے دیدی کہ یہی تینوں چیزیں؛ سلامتی، اللہ کی رحمت اور اس کی برکتیں تجھ پر بھی نازل ہوں۔ معلوم ہوا کہ اگر ممکن ہو تو ویسا ہی جواب دو، یا اس سے اچھا جواب دو۔

سلام کا طریقہ نیا نہیں ہے

باری تعالیٰ فرماتے ہیں: ﴿هَلْ أَتَاكَ حَدِيثُ ضَيْفِ إِبْرَاهِيمَ الْمُكْرَمِينَ إِذْ دَخَلُوا عَلَيْهِ فَقَالُوا سَلَامًا قَالَ سَلَامٌ﴾ (الذاریات: ۲۴،۲۵) کیا تمہارے پاس حضرت ابراہیم علیہ السلام کے عزت والے مہمانوں کا قصہ آیا کہ جب وہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کے پاس تشریف لائے تو انہوں نے کہا: تم پر سلام ہو، اس کے جواب میں حضرت ابراہیم علیہ السلام نے بھی کہا: تم پر بھی سلام ہو۔

یہ آیت لاکر بتلانا چاہتے ہیں کہ سلام کا یہ طریقہ اللہ تبارک وتعالیٰ نے اگلے انبیاء علیہم السلام کے درمیان بھی جاری فرمایا تھا۔ اس سلسلے میں آگے حضرت آدم علیہ السلام والی روایت بھی لارہے ہیں۔

سلام حقِ اسلام

۸۴۵:- وعن عبد الله بن عمرو بن العاص رضی اللہ عنہما أَنَّ رجلاً سأل رسول الله صلی اللہ علیہ وسلم: أَيُّ الإِسْلاَمِ خَيْرٌ؟ قَالَ: تُطْعِمُ الطَّعَامَ، وَتَقْرَأُ السَّلاَمَ عَلَى مَنْ عَرَفْتَ وَمَنْ لَمْ تَعْرِفْ. (متفقٌ عَلَيْهِ)

ترجمہ:- حضرت عبد اللہ بن عمرو بن عاص رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ ایک آدمی نے نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا: کہ کون سا اسلام بہتر ہے؟ (یعنی اسلام کا کون سا عمل اچھا اور بہتر ہے؟) تو حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے جواب میں فرمایا: کھانا کھلاؤ، اور سلام کرو اس کو بھی جس کو پہچانتے ہو، اور اس کو بھی جس کو نہیں پہچانتے۔

افادات:- یہاں پر یہ روایت اسی لئے لائے ہیں کہ سلام پہچان پر موقوف نہیں ہے، بلکہ یہ اسلام کا ایک حق اور اخوتِ اسلامی کا تقاضا ہے، بس آپ کو معلوم ہے

کہ یہ مسلمان بھائی ہے تو آپ سلام کیجئے، آپ پہچانتے ہوں، یا نہ پہچانتے ہوں۔ ہاں! اگر اس کے اندر کوئی ایسی پہچان ہی نظر نہیں آتی جس کی وجہ سے یہ کہہ سکیں کہ یہ مسلمان ہے؛ تو الگ بات ہے۔ جیسا کہ بعض مرتبہ ایسا ہوتا ہے کہ کوئی آدمی سامنے سے آتا ہوا نظر آیا، یا کچھ لوگ بیٹھے ہوئے نظر آئے، اب جی چاہتا بھی ہے کہ ان کو سلام کیا جائے، لیکن ان کے اوپر کوئی ایسی علامت ہی نظر نہیں آتی جو ان کے مسلمان ہونے کی نشاندہی کرتی ہو، اس لیے مجبوری میں نہیں کیا جاتا کہ کہیں ایسا نہ ہو کہ وہ غیر مسلم ہوں۔

سلام کی ابتداء

۸۴۶:- وعن أبي هريرة رضی اللہ تعالیٰ عنہ عن النبيّ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم قَالَ: لَمَّا خَلَقَ اللهُ آدَمَ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم، قَالَ: اذْهَبْ فَسَلِّمْ عَلَى أُولئِكَ-نَفَرٍ مِنَ المَلَائِكَةِ جُلُوس-فَاسْتَمِعْ مَا يُحَيُّونَكَ، فَإِنَّهَا تَحِيَّتُكَ وَتَحِيَّةُ ذُرِّيتِكَ. فَقَالَ: السَّلَامُ عَلَيْكُمْ، فقالوا: السَّلَامُ عَلَيْكَ وَرَحْمَةُ اللهِ، فَزَادُوهُ: وَرَحْمَةُ اللهِ. (متفقٌ عَلَيْهِ)

ترجمہ:- حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا: اللہ تعالیٰ نے جب حضرت آدم علیہ السلام کو پیدا کیا تو حضرت آدم علیہ السلام سے فرمایا: دیکھو! وہاں فرشتوں کی ایک جماعت بیٹھی ہوئی ہے، جا کر ان کو سلام کرو، اور غور سے سنو کہ وہ کیا جواب دیتے ہیں؛ پس تمہارا اور تمہاری اولاد کا سلام وہی ہے۔ چناں چہ حضرت آدم علیہ السلام نے جا کر کہا: ''السلام علیکم'' تو فرشتوں نے جواب میں کہا: ''السلام علیک ورحمۃ اللہ۔ گویا فرشتوں نے ''ورحمۃ اللہ'' کا اس میں اضافہ کیا۔ (اس لئے ہمارا بھی طریقہ یہی ہونا چاہیے)

افادات:- اس روایت کو لا کر بتلانا چاہتے ہیں کہ سلام کی ابتداء کیسے ہوئی۔

سات چیزوں کا حکم

۸۴۷:-وعن أبي عُمَارة البراءِ بن عازِبٍ رضی اللہ عنہما قالَ: أمرنا رسول الله صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم بِسَبْعٍ: بِعِيَادَةِ المَرِيضِ، وَاتِّبَاعِ الجَنَائِزِ، وَتَشْمِيتِ العَاطِسِ، وَنَصْرِ الضَّعيفِ، وَعَوْنِ المَظْلُومِ، وَإِفْشَاءِ السَّلَامِ، وَإِبْرَارِ المُقسِمِ.

(متفقٌ عَلَيْهِ، هَذَا لفظ إحدى روايات البخاري)

ترجمہ:-حضرت براء بن عازب رضی اللہ عنہما نے ارشاد فرمایا: نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ہم کو سات چیزوں کا حکم دیا: (۱) بیمار کی خبر گیری کا۔ (۲) اور جنازوں کے پیچھے پیچھے جانے کا۔ (۳) کسی کو چھینک آئے اور وہ ''الحمدللہ'' کہے تو اس کے جواب میں ''یرحمک اللہ'' کہنے کا۔ (۴) کمزور آدمی کی مدد کرنے کا۔ (۵) مظلوموں کی مدد کرنے کا۔ (۶) سلام کو پھیلانے کا۔ (۷) کوئی آدمی قسم دے تو اس کو قسم میں بری کرنے کا۔

افادات:-کوئی آدمی بیمار ہو تو اس کی خبر لینے کے لئے جانا چاہیے، اس میں بھی پہچان وغیرہ ضروری نہیں ہے۔ جیسے: کوئی پڑوسی بیمار ہے اور آپ کے علم میں ہے، تو اس کی خبر گیری کریں؛ یہ مسلمان کا ایک حق ہے۔

''کمزور کی مدد'' میں تو یہ ہے کہ کوئی بوجھ اٹھانا چاہتا ہے، اور نہیں اٹھا پاتا، آپ نے اس کی مدد کی۔ اور ''مظلوم کی مدد'' کا مطلب یہ ہے کہ کسی کی طرف سے کسی پر زیادتی کی جارہی ہے، اور آپ اس زیادتی کو دور کرنے میں اس کی مدد کریں۔ دونوں میں یہ فرق ہے۔

''سلام کو پھیلانے کا حکم دیا'' مطلب یہ ہے کہ (۱) اسلام کرو، (۲) زور سے کرو، (۳) اور ہر ایک کو کرو؛ تب ہی افشاء السلام یعنی سلام کو پھیلانے والے حکم پر عمل ہوگا۔

''کسی کو قسم میں بری کرنا'' مطلب یہ ہے کہ کسی آدمی نے اپنے متعلق قسم کھائی اور اس کا اس قسم سے بری ہونا آپ کے تعاون پر موقوف ہے، مثلاً: کسی نے آپ کو دعوت دی اور قسم کھالی کہ خدا کی قسم! مَیں آپ کو اپنے گھر لے جا کر ہی رہوں گا، اب آپ کہیں کہ جاؤ! میں نہیں آتا؛ تو اس صورت میں وہ اپنی قسم میں حانث ہوجائے گا۔ اس کو اس قسم کے ٹوٹنے سے بچانا آپ کے ہاتھ میں ہے، اگر آپ اس کے یہاں چلے جائیں گے تو اس کی قسم پوری ہوجائے گی اور وہ کفارہ سے بچ جائے گا۔

یا کسی نے قسم کھا کر کہا کہ میری یہ ضرورت پوری کردیجیے، جب تک میری ضرورت پوری نہیں کریں گے، میں یہاں سے نہیں ہٹوں گا۔ اب آپ کہتے ہیں کہ جا! نہیں کروں گا۔ تو نتیجہ یہ ہوگا کہ وہ اپنی قسم میں حانث ہوجائے گا، اگر آپ بغیر کسی زحمت کے اس کو اس کی قسم میں بری کرسکتے ہیں اور اس کو حانث ہونے سے بچا سکتے ہیں؛ تو اس کی ضرورت پوری کیجیے اور اس کو قسم سے بری کیجیے۔

سلام کا قدرتی اثر

۸۴۸:-وعن أبي هريرة رضی اللہ تعالیٰ عنہ قال قال رسول الله صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم: لاَ تَدْخُلُوا الجَنَّةَ حَتَّى تُؤمِنُوا، وَلاَ تُؤمِنُوا حَتَّى تَحابُّوا، أَوَلاَ أَدُلُّكُمْ عَلَى شَيءٍ إِذَا فَعَلْتُمُوهُ تَحابَبْتُمْ؟ أَفْشُوا السَّلاَمَ بَيْنَكُمْ. (رواہ مسلم)

ترجمہ:- حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا: تم جنت میں داخل نہیں ہوسکتے یہاں تک کہ ایمان والے بن جاؤ، اور ایمان والے نہیں بن سکتے یہاں تک کہ آپس میں محبت کرنے لگو۔ اور کیا مَیں تمہیں ایسی چیز نہ بتلاؤں کہ جب تم اس کو کرو تو آپس میں محبت کرنے لگو؟ آپس میں سلام کو پھیلاؤ۔

افادات:- ظاہر ہے کہ آپ جب کسی کو سلام کریں گے تو آپ کی محبت اس کے دل میں خود بخود پیدا ہو جائے گی، یہ قدرتی چیز ہے۔ آپ لوگوں کو جتنا زیادہ سلام کریں گے، ان شاء اللہ ان کے دلوں میں آپ کے واسطے، اور وہ سلام کریں گے تو آپ کے دل میں ان کے واسطے محبت پیدا ہوگی۔ اس لئے سلام کو عام کیجئے۔

۸۴۹:- وعن أبي يوسف عبد الله بن سلام رضی اللہ تعالیٰ عنہ قَالَ: سَمِعْتُ رسول الله صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم يقول: يَا أَيُّهَا النَّاسُ! أَفْشُوا السَّلاَمَ، وَأَطْعِمُوا الطَّعَامَ، وَصِلُوا الأَرْحَامَ، وَصَلُّوا وَالنَّاسُ نِيَامٌ، تَدْخُلُوا الْجَنَّةَ بِسَلاَمٍ.

(رواه الترمذي وقال: حديث حسن صحيح)

ترجمہ:- حضرت عبداللہ بن سلام رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو ارشاد فرماتے ہوئے سنا: اے لوگو! سلام کو پھیلاؤ، کھانا کھلاؤ اور رشتہ داروں کے حقوق کو ادا کرو، اور رات کو لوگ سوئے ہوئے ہوں اس وقت نماز پڑھو؛ سلامتی کے ساتھ جنت میں داخل ہو جاؤ گے۔

اہلِ معرفت کی دور بینی

۸۵۰:- وعن الطُّفَيْل بن أُبَيِّ بن كعبٍ: أَنَّه كَانَ يأتي عبد الله بن عمر فيغدو مَعَهُ إِلَى السُّوقِ، قَالَ: فإِذَا غَدَوْنَا إِلَى السُّوقِ، لَمْ يَمُرَّ عَبْدُ الله عَلَى سَقَّاطٍ، وَلاَ صَاحِبِ بَيْعَةٍ، وَلاَ مِسْكِينٍ، وَلاَ أَحَدٍ؛ إِلاَّ سَلَّمَ عَلَيْهِ. قَالَ الطُّفَيْلُ: فَجِئْتُ عبدَ الله بنَ عُمَرَ يَوْماً، فَاسْتَتْبَعَنِي إِلَى السُّوقِ، فَقُلْتُ لَهُ: مَا تَصْنَعُ بِالسُّوقِ، وَأَنْتَ لا تَقِفُ عَلَى الْبَيْعِ وَلاَ تَسْأَلُ عَنِ السِّلَعِ، وَلاَ تَسُومُ بِهَا، وَلاَ تَجْلِسُ فِي مَجَالِسِ السُّوقِ؟ وَأَقُولُ: اجْلِسْ بِنَا هَاهُنَا نَتَحَدَّث، فَقَالَ: يَا أَبَا بَطْنٍ - وَكَانَ الطفيلُ ذَا بَطْنٍ - إِنَّمَا نَغْدُو مِنْ أَجْلِ السَّلاَمِ، فنُسَلِّمُ عَلَى مَنْ لَقِيْنَاهُ. (رواه مالك في المُوطَّأ بإسنادٍ صحيح)

ترجمہ:- حضرت طفیل بن ابی بن کعب رضی اللہ تعالیٰ عنہ کہتے ہیں کہ مَیں حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما کے پاس آتا تو وہ میرے ساتھ بازار جاتے تھے، جب ہم بازار پہنچتے تو حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما کسی سامان بیچنے والے کے پاس سے، یا کسی تاجر کے پاس سے، یا کسی غریب کے پاس سے، یا کسی اور آدمی کے پاس سے جب بھی گزرتے تو اس کو سلام کرتے۔ طفیل کہتے ہیں کہ ایک دن مَیں حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما کے پاس آیا تو انہوں نے مجھے اپنے ساتھ بازار چلنے کے لئے کہا۔ مَیں نے عرض کیا: آپ بازار کیوں جاتے ہیں؟ آپ وہاں کوئی چیز خریدتے تو ہیں نہیں، اور نہ کسی سے بھاؤ تال کرتے ہیں، کسی سے خرید وفروخت کی بات چیت بھی نہیں کرتے، بازار میں جو مجلسیں لگتیں ہیں ان میں بھی نہیں بیٹھتے۔ اس لئے یہیں تشریف رکھئے، ہم کچھ بات چیت کرتے ہیں۔ تو حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما نے مجھے کہا: اے پیٹو! (حضرت طفیل کا پیٹ بڑا تھا) ہم تو بازار اس لئے جاتے ہیں؛ تاکہ جو بھی ہمیں ملے اس کو سلام کریں۔

افادات:- دیکھو! آپ کسی کو سلام کریں گے تو وہ جواب دے گا، اور جواب میں دعا بھی ہے، اللہ کے کچھ بندے ایسے بھی گزرے ہیں جو دعائیں لینے کے لئے سلام کرتے تھے۔

حضرت معروف کرخی رحمۃ اللہ علیہ بہت بڑے بزرگ گزرے ہیں، حضرت جنید بغدادی رحمۃ اللہ علیہ کے دادا پیر ہیں، آج بھی ان کا مزار بغداد میں موجود ہے، اب تو بڑا شاندار بنایا جارہا ہے، ان کے مزار کے متعلق کتابوں میں لکھا ہے کہ وہاں جاکر ان کے وسیلے سے اللہ تعالیٰ سے جو دعا مانگی جاتی ہے وہ قبول ہوتی ہے۔ ہمیشہ اللہ کا ذکر کرتے رہتے تھے، ایک مرتبہ نائی ان کی حجامت بنانے کے لئے آیا، جب مونچھ کاٹنے کا وقت آیا تو ان کے ہونٹ اللہ کا ذکر کرنے کی وجہ سے حرکت کررہے تھے، نائی نے کہا: حضرت! ہونٹ کی حرکت ذرا دیر کے لئے بند کردیں، تاکہ مَیں مونچھ کاٹ سکوں، تو حضرت نے فرمایا: واہ

بھئی واہ! تو تو اپنا کام کرتا رہے، اور میں اپنا کام نہ کروں!

ایک مرتبہ وہ جا رہے تھے، ایک سقّہ (پانی پلانے والا) آواز لگا رہا تھا: اللہ اس آدمی پر رحم کرے جو مجھ سے پانی لے کر پیئے، انہوں نے فوراً پیسے دیئے، اور پانی لے کر پی لیا۔ جب آگے بڑھے تو خادم نے کہا: حضرت! آپ کا تو روزہ تھا اور آپ نے پانی پی لیا؟ حضرت نے کہا: دیکھو بھائی! وہ ایک دعا دے رہا تھا کہ جو مجھ سے پانی لے کر پیئے، اس پر اللہ تعالیٰ رحم کرے۔ روزے کی تو میں بعد میں قضاء کرلوں گا، لیکن یہ دعا پھر مجھے کہاں ملتی؟ تو حقیقت یہ ہے کہ بعض اللہ کے بندے ایسے ہوتے ہیں جو دوسروں کی دعائیں حاصل کرنے کو اپنی سعادت سمجھتے ہیں۔

طفیل بن ابی بن کعب اتنے بڑے صحابی حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما کے متعلق کہتے ہیں کہ وہ روزانہ بازار فقط اس لئے جاتے تھے کہ جو ملے اس کو سلام کریں، اور وہ اس کا جواب دے۔ اور سلام کرنا یہ بھی ثواب کا کام ہے، اور جب سامنے والا جواب دے گا تو اس میں دعائیں ملیں گی۔ اس لئے سلام بڑی فضیلت کی چیز ہے، اس کا اہتمام کرنا چاہیے۔

اللہ تعالیٰ ہمیں اس کی توفیق عطا فرمائے۔

باب كيفية السلام

سلام کا طریقہ

بِسۡمِ اللّٰهِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِيۡمِ

سلام کے آداب کا بیان چل رہا ہے، اسی سلسلہ میں انہوں نے عنوان قائم کیا ہے کہ سلام کرنے کا طریقہ کیا ہو؟

سلام کے الفاظ کی وضاحت

جو آدمی سلام کی ابتداء کرے وہ ''السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہٗ'' کہے۔ مطلب یہ ہے کہ جس کو سلام کیا جا رہا ہے، چاہے وہ ایک ہو، یا زیادہ: ''علیکم'' جمع کا صیغہ استعمال کیا جائے۔ حالاں کہ ''علیکم'' عربی زبان کے اندر جمع کے لئے استعمال ہوتا ہے، اس کے باوجود اگر سامنے ایک آدمی ہے تب بھی ''علیکم'' ہی کہیں گے، ''علیک'' نہیں کہیں گے، اس کی ایک وجہ یہ بیان کی گئی ہے کہ ایک ہونے کی صورت میں بھی جمع کا صیغہ تعظیم وتکریم کے لئے استعمال کیا جاتا ہے، جیسے: ہماری بول چال میں ایک آدمی ہو تب بھی ''تم'' بولتے ہیں۔

دوسری وجہ یہ بھی ہے کہ جس کو سلام کیا جا رہا ہے اس کے ساتھ فرشتے بھی موجود ہیں جو اس کے اعمال لکھتے ہیں، جن کے متعلق روایتوں میں صراحتاً موجود ہے کہ ہر آدمی کے ساتھ دو فرشتے ہوتے ہیں جو اس کے اعمال لکھنے کے واسطے مقرر کئے گئے ہیں، ایک نیکیاں لکھتا ہے، دوسرا گناہ لکھتا ہے۔ اس کے علاوہ اور بھی بہت سارے فرشتے ہر انسان کے ساتھ ہوتے ہیں جو اس کی حفاظت کے لئے اللہ تبارک وتعالیٰ کی طرف سے مقرر ہیں۔ اس لئے آدمی جب بھی سلام کرے گا تو ''السلام علیکم'' کہے گا کہ تم پر سلام ہو، اس صورت میں صرف اس انسان ہی کی نیت نہ کرے، بلکہ اس کے ساتھ ساتھ ان فرشتوں کی بھی نیت کر لے جو اس کے ساتھ نامۂ اعمال لکھنے، اور اس کی حفاظت کے

لئے لگے ہوئے ہیں۔ اور ظاہر ہے کہ جیسے وہ جواب دیتا ہے، ایسے ہی فرشتے بھی جواب دیں گے اور فرشتوں کی دعا مل جائے گی اور ان کی دعائیں تو مقبول ہوتی ہیں۔ اس لئے سلام میں ان کی بھی نیت کا خیال رکھے۔

جیسے: آدمی جب نماز سے فارغ ہوتا ہے، تو پہلے دائیں طرف ''السلام علیکم ورحمۃ اللہ'' کہہ کر سلام پھیرتا ہے۔ علماء نے لکھا ہے کہ اس وقت اس کو یہ نیت ضرور کرنی چاہیے کہ میری داہنی طرف جتنے بھی لوگ صفوں میں ہیں، اگر امام بھی دائیں طرف ہو تو اس کی مستقل نیت کرے، اور ساتھ ہی ساتھ جتنے بھی فرشتے دائیں طرف ہیں ان سب کو سلام کرتا ہوں، اس صورت میں جتنے بھی آدمیوں اور فرشتوں کی اس نے نیت کی ہوگی، ان تمام کو سلام کرنے کا اجر وثواب ملے گا۔ اسی طرح جب بائیں طرف سلام پھیرے، تو جتنے لوگ بائیں طرف اگلی اور پچھلی صفوں میں ہیں، اور اگر امام بائیں طرف ہے تو امام کے لئے مستقل نیت کرے، اور ساتھ ہی ساتھ جتنے بھی فرشتے اس طرف ہیں ان تمام کے لئے بھی سلام کی نیت کرے۔ تو جمع کا جو صیغہ لایا گیا ہے اس میں ایک فائدہ یہ بھی ہے کہ انسان کے ساتھ ساتھ فرشتوں کی بھی نیت کرلی جائے۔ اس لئے جس کو سلام کیا جارہا ہے وہ اکیلا ہو تب بھی جمع کا صیغہ کا استعمال کریں گے، اور ''السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہٗ'' کہیں گے۔

اور جواب دینے والا جواب میں ''وعلیکم السلام ورحمۃ اللہ وبرکاتہٗ'' کہے، یعنی ''واؤ'' بڑھائے، اور ''علیکم'' کو لفظ ''السلام'' کے اوپر مقدم کرے۔ شریعت نے سلام کرنے اور جواب دینے کے لئے یہی طریقہ سکھایا ہے، اور جواب دینے والا بھی وہی نیت کرے کہ میں اس کو سلام کررہا ہوں، اور جو فرشتے اس کے ساتھ لگے ہوئے ہیں ان کو بھی سلام کررہا ہوں۔

دس، بیس، تیس

۸۵۱:-عن عِمرَان بن الحصین رضی اللہ عنہما قَالَ: جَاءَ رَجُلٌ إِلَى النَّبِيِّ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم، فَقَالَ: السَّلاَمُ عَلَيْكُمْ، فَرَدَّ عَلَيْهِ ثُمَّ جَلَسَ، فَقَالَ النبيُّ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم: عَشْرٌ. ثُمَّ جَاءَ آخَرُ، فَقَالَ: السَّلاَمُ عَلَيْكُمْ وَرَحْمَةُ اللهِ، فَرَدَّ عَلَيْهِ فَجَلَسَ، فَقَالَ: عِشْرُونَ. ثُمَّ جَاءَ آخَرُ، فَقَالَ: السَّلاَمُ عَلَيْكُمْ وَرَحْمَةُ اللهِ وَبَرَكَاتُهُ، فَرَدَّ عَلَيْهِ فَجَلَسَ، فَقَالَ: ثَلاثُونَ. (رواه أبو داود والترمذي، وقال: حديث حسن)

ترجمہ:- حضرت عمران بن حصین رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ ایک آدمی نبئ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا اور کہا: ''السلام علیکم'' آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس کا جواب دیا، پھر وہ آدمی بیٹھ گیا تو حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا: ''عَشْرٌ'' دس۔ پھر دوسرا آدمی آیا اس نے کہا: ''السلام علیکم ورحمۃ اللہ'' حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس کا بھی جواب دیا، جب وہ بیٹھ گیا تو حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: ''عِشْرُونَ'' بیس۔ پھر تیسرا آیا اس نے کہا: ''السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہٗ'' نبئ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس کا بھی جواب دیا، جب وہ بیٹھ گیا تو حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم فرمایا: ''ثَلاثُونَ'' تیس۔

افادات:- پہلے نے فقط ''السلام علیکم'' کہا تھا تو اس کے متعلق فرمایا: دس نیکیاں ملیں۔ دوسرے نے ''ورحمۃ اللہ'' کا اضافہ کیا تو اس کے لئے نیکیوں میں بھی اضافہ ہوا کہ بیس نیکیاں ملیں۔ اور تیسرے نے ''وبرکاتہٗ'' کا بھی اضافہ کیا تو اس کے متعلق فرمایا: تیس نیکیاں ملیں۔

جیسا کہ پچھلی مجلس میں بتلایا تھا کہ جن الفاظ میں سلام کیا گیا ہے انہیں الفاظ میں یا ان سے بہتر الفاظ میں جواب دیا جائے۔ اس لئے کسی نے کہا: ''السلام علیکم'' تو آپ جواب میں کہیں: ''وعلیکم السلام ورحمۃ اللہ''۔ اگر کسی نے کہا: ''السلام علیکم ورحمۃ اللہ'' تو

آپ جواب میں ''وعلیکم السلام ورحمۃ اللہ وبرکاتہٗ'' کہئے۔ اور اگر اس نے سلام میں پورا ہی کہہ دیا ہے، تو آپ جواب میں اتنا ہی کہیں گے۔

جب کوئی سلام کہلائے

۸۵۲:- وعن عائشۃ رضی اللہ عنہا قالت: قَالَ لی رسولُ اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم: هَذَا جِبريلُ يَقْرَأُ عَلَيْكِ السَّلَامَ. قالت: قُلْتُ: وَعَلَيْهِ السَّلَامُ وَرَحْمَةُ اللهِ وَبَرَكَاتُهُ. (متفقٌ عَلَيْهِ)

وهكذا وقع فى بعض رواياتِ الصحيحين: ((وَبَرَكَاتُهُ)) وفى بعضها بحذفِها، وزِيادةُ الثقةِ مقبولة.

ترجمہ:- حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ ایک مرتبہ نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے مجھ سے فرمایا: یہ جبرئیل (یہاں تشریف فرما ہیں اور) تم کو سلام کہہ رہے ہیں۔ تو میں نے جواب میں کہا: ''وعلیہ السلام ورحمۃ اللہ وبرکاتہٗ''۔

افادات:- اس روایت کو لاکر ایک مسئلہ بتلانا چاہتے ہیں کہ کوئی آدمی اگر کسی پر سلام کہلوائے تو اس کو چاہیے کہ جس نے سلام کہلوایا ہے اس کو بھی جواب دے، اور سلام لے کر آنے والے کو بھی شریک کرے۔ جیسے کسی نے آپ کو کہا کہ: فلاں آدمی نے آپ کو سلام کہا ہے، تو آپ یوں کہئے: ''وعلیکم وعلیہ السلام ورحمۃ اللہ وبرکاتہٗ''۔

اب پہلے کس کو ذکر کرے؟ تو دونوں طرح کی باتیں آئی ہیں، بعض حضرات نے کہا کہ یہ سامنے موجود ہے اس لئے پہلے اس کو ''وعلیکم'' کہو، اس کے بعد ''وعلیہ السلام ورحمۃ اللہ وبرکاتہٗ'' کہو۔ لیکن بعض حضرات فرماتے ہیں کہ سلام بھجوانے والا اصل ہے، یہ تو صرف قاصد ہے، اس لئے پہلے ''علیہ'' کہو، پھر ''وعلیکم'' کہو۔

بہر حال! کسی نے سلام کہلوایا ہوتو اس کے جواب دینے کا طریقہ یہی ہے کہ جس نے سلام کہلوایا ہے اس کو بھی جواب دے، اور جو سلام لے کر آیا ہے اس کو بھی ساتھ میں شریک کرے۔

بعض لوگوں کی عادت ہوتی ہے کہ جب کوئی کہتا ہے کہ فلاں نے سلام کہلوایا ہے، تو صرف ''وعلیکم السلام ورحمۃ اللہ وبرکاتہ'' کہتے ہیں۔ جب ''وعلیکم السلام'' بولیں گے تو جو لانے والا ہے، صرف اسی کو جواب ملا، بھیجنے والے کو جواب کہاں ملا؟ اس لئے کہ ''علیکم'' عربی زبان کا لفظ ہے جو سامنے والے (مخاطب) کے لئے بولا جاتا ہے، جس کا مطلب یہ ہوتا ہے کہ تم پر سلامتی ہو اور اللہ کی رحمتیں اور اس کی برکتیں ہوں۔ اب جس نے کہلوایا ہے اس کا تو جواب ہوا ہی نہیں۔ اس لئے ''علیہ'' بھی بولنا چاہیے، جس کا مطلب ہوگا کہ ان پر اور تم پر سلامتی ہو اور اللہ کی رحمتیں اور اس کی برکتیں ہوں۔ اگر ''علیہ'' نہیں کہا تو جس نے سلام کہلوایا ہے اس کا جواب نہیں ہوگا، اس لئے یہ طریقہ سیکھ لینا چاہیے۔

بہت سے ہمارے بھائی اس سلسلہ میں جانتے نہیں اور جواب میں صرف ''وعلیکم السلام'' بولنے پر اکتفاء کرتے ہیں، تو ان پر سلام کے جواب کی ذمہ داری باقی رہ جاتی ہے، اس لئے کہ سلام کرنا سنت ہے، لیکن اس کا جواب دینا واجب ہے۔ لہٰذا جو جاننے والے ہیں ان کو بھی چاہیے کہ جب کبھی ایسی نوبت آئے اور پتہ چلے کہ سلام پہنچانے والے کو جواب دینے کا طریقہ ان کو معلوم نہیں ہے، تو محبت سے ان کو طریقہ سکھا دیں کہ اس کا جواب اس طرح دیا جاتا ہے۔

جب بڑے مجمع کو سلام کرے

۸۵۳:-وعن أنسٍ رضی اللہ تعالیٰ عنہ أنّ النّبيّ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم كانَ إذا تكلم بكلمةٍ أعادها

ثَلاثاً حَتّٰی تُفهَمَ عَنهُ، وَإِذَا أَتَى عَلَى قَوْمٍ فَسَلَّمَ عَلَيْهِمْ سلم عَلَيْهِمْ ثَلاثاً. (رواه البخاری) وهذا مَحْمُولٌ عَلَى مَا إِذَا كَانَ الْجَمْعُ كَثِيراً.

ترجمہ:- حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم جب کوئی کلمہ ارشاد فرماتے تو تین مرتبہ دُہراتے؛ تا کہ لوگ سمجھ جائیں۔اور جب کسی قوم اور مجمع کے پاس تشریف لاتے اور ان کو سلام فرماتے تو تین مرتبہ سلام کرتے۔

افادات:- یعنی اگر مجمع بڑا ہو تو ایک مرتبہ بولنے سے ہوسکتا ہے کہ تمام لوگوں تک آواز نہ پہنچے،اس لئے بعض حضرات تو فرماتے ہیں کہ ایک مرتبہ دائیں طرف کہے، ایک مرتبہ بائیں طرف کہے اور ایک مرتبہ سامنے کہے۔اور بعض حضرات کہتے ہیں کہ ایسے ہی مطلقاً تین مرتبہ کہے۔لیکن یہ طریقہ ہر کلمہ میں نہیں تھا بلکہ جو اہم بات ہوتی تھی کہ وہ لوگوں کو یاد رہ جائے اور اچھی طرح سمجھ لیں،ایسے ہی جملہ کو دو تین مرتبہ دوہراتے تھے،اس لیے کہ ہوسکتا ہے پہلی مرتبہ برابر سننے کو نہ ملا ہو،تو دوسری اور تیسری مرتبہ میں سن لیں۔یہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی عادت شریفہ تھی۔

جب نائمین کو سلام کرے

۸۵۴:- وعن المِقْدَادِ رضی اللہ تعالیٰ عنہ في حديثه الطويل، قَالَ: كُنَّا نَرْفَعُ لِلنَّبِيِّ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نَصِيبَهُ مِنَ اللَّبَنِ، فَيَجِيءُ مِنَ اللَّيلِ، فَيُسَلِّمُ تَسلِيماً لاَ يُوقِظُ نَائِماً، وَيُسْمِعُ اليَقْظَانَ. فَجَاءَ النَّبِيُّ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم فَسَلَّمَ كَمَا كَانَ يُسَلِّمُ. (رواه مسلم)

ترجمہ:- حضرت مقداد رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی ایک لمبی روایت ہے (جس میں پورا قصہ بیان کرتے ہیں جب وہ نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے یہاں مہمان ہوئے تھے،اسی میں یہ بھی فرمایا) کہ ہم نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے لئے آپ کے حصہ کا دودھ رہنے دیتے تھے (یعنی دودھ آتا تو سب اپنا اپنا

حصہ پی لیتے، اور نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے حصے کا دودھ بچا کر رکھ دیتے تھے، جب آپ رات کوتشریف لاتے تو اپنے حصے کا دودھ نوش فرما لیا کرتے تھے) جب آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم رات کو تشریف لاتے (اور ہم لوگ سو گئے ہوتے) تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ایسی آواز سے سلام فرماتے کہ اگر کوئی سویا ہوا ہوتا تو اس کی نیند میں خلل نہ آتا، اور جو بیدار ہوتا وہ سن لیتا۔

افادات:- اس روایت میں معاشرت کا ایک ادب سکھایا ہے کہ آدمی جب کہیں باہر سے رات کے وقت اپنے گھر میں آئے اور گھر کے لوگ سوئے ہوئے ہوں، یا کمرے میں اور بھی ساتھی سوتے ہیں اور وہ سو چکے ہیں؛ تو اس کو چاہیے کہ گھر کا دروازہ اس انداز سے کھول کر گھر میں داخل ہو، سلام کرے، اپنا بستر ٹھیک کرے، اور دوسری اپنی ضرورتیں پوری کرے کہ کسی کی نیند خراب نہ ہو۔

کسی کی نیند خراب کرنا حرام ہے

بعضوں کی عادت ہوتی ہے کہ شور مچاتے ہوئے آتے ہیں، اور صرف اپنے گھر اور کمرے والوں ہی کی نہیں، بلکہ پڑوسیوں تک کی نیند خراب کر ڈالتے ہیں؛ یہ بالکل غلط طریقہ ہے جو جائز نہیں۔ یہ تو لوگوں کو تکلیف پہنچانا ہوا اور لوگوں کو تکلیف پہنچانا حرام ہے، شریعت اس کی اجازت نہیں دیتی۔ نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے تو ہمیں یہ طریقہ بتلایا کہ آپ جب ایسے وقت آئیں تو آپ کو ایسا انداز اختیار کرنا چاہیے کہ جو بیدار ہوں ان کو سلام کی آواز پہنچ جائے تا کہ ان کا حق ادا ہو جائے، اور جو سو رہے ہوں ان کی نیند میں کوئی خلل نہ ہو، اس طرح ان کی بھی رعایت ہو جائے گی۔ یہ آدابِ معاشرت میں سے ہے اور اس کی رعایت کرنا ضروری ہے۔ اس سے اندازہ لگاؤ کہ سلام؛ جس کی شریعت میں بہت زیادہ تاکید ہے اور جو سامنے والے کے لئے دعا کا لفظ ہے، اس کے اندر بھی

اتنا اہتمام کیا گیا، تو دیگر چیزوں میں تو کتنا زیادہ لحاظ کیا جانا چاہیے۔

بعضوں کی عادت ہوتی ہے کہ رات کے وقت زورزور سے ریڈیو اور ٹیپ ریکارڈ بجاتے ہیں، اگر چھٹی کا دن ہوا، تو رات بھر کھیلتے ہیں اور ایسا شور مچاتے ہیں کہ پورے محلے والوں کی نیند خراب کرڈالتے ہیں۔ حالاں کہ سونے کے اوقات میں ایسا کوئی طریقہ اختیار کرنے کی شریعت کسی حال میں بھی اجازت نہیں دیتی جس سے کسی کی نیند خراب ہو، اس لیے کہ کسی کی نیند خراب کرنا حرام ہے۔

ہاتھ سے سلام

۸۵۵:-وعن أسماء بنتِ يزيد رضی اللہ عنہا أنَّ رسول الله صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم مَرَّ فی المَسْجِدِ يَوْماً، وَعُصْبَةٌ مِنَ النِّسَاءِ قُعُودٌ، فَألْوَى بِيَدِهِ بِالتَّسْلِيمِ.

وهذا محمول عَلَى أنَّه صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم جَمَعَ بَيْنَ اللَّفْظِ وَالإشَارَةِ، وَيُؤَيِّدُهُ أنَّ فی رِوَايَةِ أَبِی داود: فَسَلَّمَ عَلَيْنَا.

ترجمہ:- حضرت اسماء بنت یزید رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ایک مرتبہ مسجد میں سے گزرے اور عورتوں کی ایک جماعت وہاں بیٹھی ہوئی تھی، تو آپ نے ہاتھ سے اشارہ کرکے زبان سے سلام کیا۔ علامہ نووی رحمۃ اللہ علیہ نے بھی اس کا یہی مطلب بیان فرمایا ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے زبان سے سلام اور ہاتھ سے اشارہ کیا تھا۔ چناں چہ ابوداؤد شریف کی روایت میں صراحتاً موجود ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے سلام کیا اور ہاتھ سے اشارہ بھی کیا۔

افادات:- کبھی ایسا ہوتا ہے کہ جس کو سلام کیا جارہا ہے وہ کچھ دوری پر ہے، اور اندازہ یہ ہے کہ ہماری آواز وہاں تک نہیں پہنچے گی، اس صورت میں اگر ہاتھ سے بھی اشارہ کردیا جائے جس سے اس کو یہ اندازہ ہوجائے کہ مجھ کو سلام کیا گیا، تو اس کی

اجازت ہے۔ باقی کوئی آدمی اگر زبان سے ''السلام علیکم'' نہیں بولتا، صرف ہاتھ سے اشارہ کر دیتا ہے، تو اس سے سلام والی سنت ادا نہیں ہوگی۔ سلام والی سنت ادا کرنے کے لئے زبان سے بولنا ضروری ہے۔

علیک السلام کہنا

۸۵۶:- وعن أَبي جُرَيٍّ الهُجَيْمِيِّ رضی اللہ تعالیٰ عنہ قَالَ: أتيت رسول الله صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم فقلتُ: عَلَيْكَ السَّلامُ يا رسول الله. قَالَ: ((لاَ تَقُلْ عَلَيْكَ السَّلامُ، فإنَّ عَلَيْكَ السَّلامُ تَحِيَّةُ المَوتَى)) (رواه أبو داود والترمذي، وقال: ((حديث حسن صحيح))، وَقَدْ سبق بِطُولِهِ)

ترجمہ مع تشریح:- حضرت ابو جُرَی ہُجَیمی رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ مَیں نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا اور کہا: ''علیک السلام یا رسول اللہ'' (اُس زمانہ میں مُردوں کے لئے سلام کا یہی طریقہ استعمال کیا جاتا تھا) اس لئے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا: ''علیک السلام'' مت کہو، اس طرح تو مُردوں کو سلام کیا جاتا ہے (بلکہ یوں کہنا چاہیے ''السلام علیکم''۔ اسی طرح سلام کرنا چاہیے، لفظ ''السلام'' پہلے ہو، اور ''علیک'' بعد میں ہو۔ جواب میں ''وعلیکم السلام'' کہیں گے۔)

باب آدب السلام

سلام کے کچھ آداب

سلام کے کچھ اَور آداب

۸۵۷:-عن أَبی ھریرۃ رضی اللہ تعالیٰ عنہ أَنَّ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم قَالَ: ((یُسَلِّمُ الرَّاکِبُ عَلَی المَاشِی، وَالمَاشِی عَلَی القَاعِدِ، وَالقَلِیلُ عَلَی الکَثِیرِ)) متفقٌ عَلَیْہِ.

وفی روایۃ للبخاری: ((والصغیرُ عَلَی الکَبِیرِ)).

ترجمہ:- حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے ارشاد فرمایا: سوار آدمی پیدل چلنے والے کو سلام کرے، چلنے والا بیٹھے ہوئے کو سلام کرے، چھوٹی جماعت بڑی جماعت کو سلام کرے۔ اور ایک روایت میں ہے کہ چھوٹا بڑے کو سلام کرے۔

افادات:- جب راستہ میں دو آدمی ملاقات کر رہے ہیں اور ان کا آمنا سامنا ہو رہا ہے، ان میں ایک پیدل ہے اور دوسرا گھوڑے، یا اسکوٹر یا اور کسی سواری پر سوار ہے؛ تو ادب یہ ہے کہ سوار آدمی پیدل چلنے والے کو سلام کرے۔ چوں کہ سواری کی وجہ سے اس کی حالت پیدل چلنے والے کے مقابلہ میں ذرا اونچی ہے، تو اس خیال سے کہ شاید سواری پر بیٹھنے کی وجہ سے اس کا دماغ آسمان پر نہ پہنچ گیا ہو، اس کو نیچے اتارنے کے لئے کہا جا رہا ہے کہ تم اس کو سلام کرو۔ یوں نہ سمجھو کہ میں قیمتی موٹر میں سوار ہوں، وہ فٹ پاتھ پر چل رہا ہے، وہ مجھے سلام کرے؛ مَیں کیوں سلام کروں؟ شریعت اس کو تواضع سکھا رہی ہے، اس لئے اس کو مکلف کیا گیا۔ لیکن اس کا مطلب یہ بھی نہیں ہے کہ

اگر وہ سلام نہ کرے تو پیدل چلنے والا یوں کہے کہ اس نے سلام نہیں کیا، تو میں بھی سلام نہیں کرتا۔ نہیں بھائی! اگر اس نے نہیں کیا؛ تو اب آپ اس کو سلام کر لیجئے۔ جو سلام میں پہل کرے گا اس کو فضیلت حاصل ہوگی۔

اور ایک ادب یہ بتایا کہ ایک آدمی بیٹھا ہوا ہے اور دوسرا وہاں سے گزر رہا ہے، تو چوں کہ گزرنے والا آنے والے کے حکم میں ہے، جیسے: کوئی آدمی مکان میں داخل ہو تو داخل ہونے والے کو چاہیے کہ جو لوگ مکان میں پہلے سے موجود ہیں ان کو سلام کرے، اسی طرح چلنے والا بھی بیٹھنے والے کے حق میں ایسا ہی ہے کہ وہ آرہا ہے اور یہ پہلے سے موجود ہے؛ اس لئے اس کو چاہیے کہ وہ بیٹھے ہوئے کو سلام کرے۔

اور چھوٹی جماعت بڑی جماعت کو سلام کرے۔ مطلب یہ ہے کہ اِدھر سے آنے والوں کی تعداد زیادہ ہے، اور اُدھر سے آنے والے دو تین آدمی ہیں، تو دو تین آدمیوں کو چاہیے کہ بڑی جماعت کو سلام کرے، اس لئے کہ بڑی جماعت کا زیادہ حق ہے۔

اور جو عمر یا مقام و مرتبہ کے اعتبار سے چھوٹا ہو، تو ظاہر ہے کہ اس کا فرض ہے کہ بڑے کی تعظیم اور ادب بجالائے، اور تعظیم و ادب میں سے یہ بھی ہے کہ اس کو سلام کرے، لیکن اگر چھوٹے نے سلام نہیں کیا تو بڑے کو چاہیے کہ اس کو سلام کرے۔

اب ایک شکل یہ ہے کہ ادھر سے بھی ایک پیدل آرہا ہے، اور اُدھر سے بھی ایک پیدل آرہا ہے، اب حالت کے اعتبار سے کسی ایک کو دوسرے پر فوقیت نہیں دی جاسکتی؛ تو اس صورت میں کیا ہونا چاہیے؟ اسی کو اگلی روایت میں بتلانا چاہتے ہیں۔

سلام میں کون پہل کرے؟

۸۵۸:- وعن أَبِي أُمَامَـةَ صُـدَيِّ بن عجلان البـاهِلي رضی اللہ تعالٰی عنہ قَـالَ قَـالَ

رسولُ اللہ ﷺ: إِنَّ أَوْلَى النَّاسِ بِاللّٰہِ مَنْ بَدَأَهُمْ بِالسَّلَامِ.

ورواہ الترمذی عن أَبِي أُمَامَةَ رضی اللہ تعالیٰ عنہ قِيلَ: يَارسول اللہ! الرَّجُلَانِ يَلْتَقِيَانِ أَيُّهُمَا يَبْدَأُ بِالسَّلَامِ؟ قَالَ: أَوْلَاهُمَا بِاللّٰہِ تَعَالَى (قَالَ الترمذی: هٰذَا حديث حسن)

ترجمہ:- حضرت اُبواُمامہ باہلی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی روایت ہے کہ نبیٔ کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا: جواللہ کا سب سے زیادہ مقرب بندہ ہوگا؛ وہ سلام میں ابتداء کرے گا۔

ایک اورروایت میں ہے: نبیٔ کریم ﷺ سے پوچھا گیا: اے اللہ کے رسول! دوآدمی ملاقات کریں توکون سلام میں ابتداء کرے؟ تونبیٔ کریم ﷺ نے ارشادفرمایا: ان دونوں میں جو اللہ کا مقرب ہوگا؛ وہ سلام میں ابتداء کرے گا۔

افادات:- گویا سلام میں ابتداء کرنے کواللہ تعالیٰ کے قرب کی علامت بتلایا گیاہے؛ تاکہ لوگ اس میں سبقت کرنے سے کام لیں گے۔معلوم ہوا کہ یہ بڑی فضیلت کی چیز ہے۔

سلام اورشیخ الادب رحمۃ اللہ علیہ

حضرت مولانااعزازعلی صاحب رحمۃ اللہ علیہ دارالعلوم دیوبند کے مدرس تھے،اپنے اساتذہ سے ان کے متعلق سنا کہ کوئی بھی ان سے سلام میں سبقت نہیں کرسکتا تھا، چھوٹے سے چھوٹاطالب علم ہو، یابڑے سے بڑا کوئی بھی ہو، ہمیشہ وہی سلام کرتے تھے۔ایک صاحب کہنے لگے کہ ایک مرتبہ مَیں چھپ گیااورجب مولانا آئے تواچانک نکل کرمولانا کو پہلے سلام کردیا۔گویااپنے اس عمل کوفخر کےطور پر بیان کرتے تھے کہ مَیں نے سلام میں ان سے سبقت کی۔توبعض ایسے حضرات بھی ہیں جواس کااہتمام کرتے ہیں،اس لیے کہ یہ بڑی فضیلت کی چیز ہے۔

باب استحباب اعادة السلام على من تكرر لقاءهٗ على قرب بأن دخل ثم خرج، ثم دخل فى الحال، أو حال بينهما شجرة ونحوها

بِسۡمِ اللّٰهِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِيۡمِ

بار بار سلام کرے

یہاں ایک اور ادب بتلاتے ہیں کہ جس سے بار بار ملاقات کی نوبت آئے تو بار بار سلام کرنا چاہیے۔ مثلاً: ایک آدمی کسی ضرورت سے گھر سے باہر نکلا اور پانچ منٹ کے بعد واپس آ گیا تو اس کو چاہیے کہ گھر والوں کو سلام کرے، یوں نہ سوچے کہ ابھی تو میں یہاں سے گیا تھا، اب دوبارہ آیا ہوں؛ تو اب کیا ضرورت ہے کہ میں سلام کروں۔ نہیں! بلکہ یہ بھی مستحب ہے کہ بار بار سلام کرے۔

یا مثلاً دو آدمی جا رہے تھے اور ان کے درمیان میں درخت یا کوئی دیوار حائل ہوگئی، پھر وہ دونوں ملے؛ تو دوبارہ سلام کریں۔ روایت پہلے بھی آ چکی ہے۔

۸۵۹:- عن أَبي هريرة رضی اللہ تعالیٰ عنہ في حديثِ المسيءِ صلاته: أنّه جَاءَ فَصَلّٰى، ثُمَّ جَاءَ إِلَى النَّبِيِّ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم فَسَلَّمَ عَلَيْهِ، فَرَدَّ عَلَيْهِ السَّلَامَ، فَقَالَ: ارْجِعْ فَصَلِّ فَإِنَّكَ لَمْ تُصَلِّ. فَرَجَعَ فَصَلّٰى، ثُمَّ جَاءَ فَسَلَّمَ عَلَى النَّبِيِّ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم، حَتّٰى فَعَلَ ذٰلِكَ ثَلَاثَ مَرَّاتٍ. (متفقٌ عَلَيْهِ)

ترجمہ مع تشریح:- حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ ایک مرتبہ

نبیٔ کریم ﷺ مسجد میں تشریف فرما تھے، ایک آدمی آکر نماز میں مشغول ہوا، نماز سے فارغ ہوکر لوٹ رہا تھا تو حضور ﷺ کو سلام کیا، آپ نے سلام کا جواب دیا (اور چوں کہ اس نے جلد بازی میں نماز پڑھی تھی اس لئے) حضور اکرم ﷺ نے اس کو تاکید فرمائی کہ: جاؤ! دوبارہ نماز پڑھو، اس لئے کہ تم نے (برابر) نماز نہیں پڑھی۔ وہ دوبارہ گیا، نماز پڑھ کر پھر لوٹا (حضور اکرم ﷺ وہیں تشریف فرما تھے) اس نے سلام کیا، حضور اکرم ﷺ نے اس کو دوبارہ نماز پڑھنے کے لئے بھیجا، پھر تیسری مرتبہ اسی طرح ہوا۔

افادات:- جب بھی وہ آدمی حضور اکرم ﷺ کے سامنے آیا، اس آدمی نے سلام کیا اور حضور نے جواب دیا۔ اس نے یہ نہیں سوچا کہ پہلی مرتبہ تو میں سلام کر چکا ہوں؛ اب دوسری مرتبہ سلام کرنے کی ضرورت نہیں ہے۔ اس لئے مستحب یہی ہے۔

۸۶۰: وعنه عن رسول الله ﷺ قَالَ: إِذَا لَقِيَ أَحَدُكُمْ أَخَاهُ فَلْيُسَلِّمْ عَلَيْهِ، فَإِنْ حَالَتْ بَيْنَهُمَا شَجَرَةٌ، أَوْ جِدَارٌ، أَوْ حَجَرٌ، ثُمَّ لَقِيَهُ، فَلْيُسَلِّمْ عَلَيْهِ. (رواه أبو داود)

ترجمہ:- حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی روایت ہے کہ حضور اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا: تم میں سے کوئی جب اپنے بھائی کی ملاقات کرے تو سلام کرے، اگر درمیان میں درخت، کوئی دیوار، یا کوئی پتھر آڑے آجائے، پھر دوبارہ ملاقات ہو؛ تو پھر سلام کر لے۔

افادات:- دو آدمی ساتھ چل رہے تھے، اور درمیان میں کوئی ایسا راستہ آیا کہ اس کو اِدھر سے جانا پڑا اور اس کو اُدھر سے نکلنا پڑا، تو پھر جب دوبارہ ملیں؛ تو سلام کر لیں۔

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

استحباب السلام إذا دخل بيته

گھر میں داخل ہوتے وقت سلام کا اہتمام مستحب ہے

جب کوئی آدمی اپنے گھر میں داخل ہوتو سلام کا اہتمام کرے؛ یہ بھی مستحب ہے۔ بعض لوگ یہ سوچتے ہیں کہ اپنی بیوی کو کیا سلام کرنا؟ گویا اس کو اس لائق بھی نہیں سمجھا کہ اسے سلام کیا جائے؟ ایک آدمی سے کہا کہ بھائی! تم جب گھر میں جاتے ہوتو سلام کرتے ہو؟ تو وہ کہنے لگا (એને શું સલામ કરવાનું?) اس کو کیا سلام کرنا؟ تو یہ بہت بری بات ہے۔ نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی عادتِ شریفہ تھی کہ جب بھی گھر میں تشریف لے جاتے تھے تو گھر والوں کو سلام فرماتے تھے۔

قرآنِ پاک کی یہ آیت شروع باب میں بھی آچکی ہے: ﴿فَإِذَا دَخَلۡتُم بُيُوتًا فَسَلِّمُوا عَلَىٰٓ أَنفُسِكُمۡ تَحِيَّةً مِّنۡ عِندِ ٱللَّهِ مُبَٰرَكَةً طَيِّبَةً﴾ جب تم اپنے گھروں میں جاؤ تو سلام کرو۔ "فَسَلِّمُوا عَلَىٰٓ أَنفُسِكُمۡ" ان کو سلام کررہے ہو گویا خود اپنی ہی ذات کو سلام کررہے ہو۔ بلکہ یہاں تک لکھا ہے کہ کوئی آدمی کسی ایسے گھر میں داخل ہو، جہاں کوئی بھی موجود نہ ہو، یعنی گھر خالی ہے، اور خود ہی تالا کھول کر اندر داخل ہوا ہے، تب بھی اس کو "السلامُ علَیْنا وعَلیٰ عِبادِ اللہِ الصّالِحِیْن" کہنا چاہیے تاکہ وہاں اللہ کے جو نیک بندے؛ جن اور فرشتے وغیرہ ہیں ان پر سلام ہو جائے۔

آسان قیمتی ہدیہ

۸۶۱:- وعن أنسٍ رضی اللہ تعالیٰ عنہ قَالَ قَالَ لی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم: یَا بُنَیَّ! إِذَا دَخَلْتَ

عَلَىٰ أَهْلِكَ، فَسَلِّمْ، يَكُنْ بَرَكَةً عَلَيْكَ، وعلى أَهْلِ بَيْتِكَ.

(رواه الترمذی، وقال: حدیث حسن صحیح)

ترجمہ:-حضرت اُنس رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے مجھے تاکید فرمائی کہ: اے میرے پیارے بیٹے! جب تم اپنے گھر والوں کے پاس جاؤ تو ان کو سلام کرو، یہ تمہارے اور تمہارے گھر والوں کے لئے برکت کا ذریعہ ہوگا۔

افادات:-معلوم ہوا کہ سلام کی وجہ سے گھروں میں برکت ہوتی ہے۔ اگر گھر والوں کو ''السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ'' کہہ کر تین تین دعائیں دیدیں؛ تو ان کے لئے اس سے بڑا ہدیہ اور کیا ہوسکتا ہے!۔

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

السلام علی الصبیان

بچوں کوسلام کرنا

۸۶۲:-عن أنس رضی اللہ تعالیٰ عنہ أَنَّهُ مَرَّ عَلَى صِبْيَانٍ، فَسَلَّمَ عَلَيْهِمْ .وقال: كَانَ رسول الله صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم يَفْعَلُهُ. (متفقٌ عَلَيْهِ)

ترجمہ:- حضرت اُنس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ ایک مرتبہ وہ بچوں کے پاس سے گزرے تو بچوں کوسلام کیا، پھر یہ بات نقل کی کہ: نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اسی طرح کرتے تھے۔

افادات:- معلوم ہوا کہ چھوٹے بچے کو بھی سلام کرنا چاہیے۔اس سے ایک تو آدمی میں تواضع آتی ہے، دوسرا یہ کہ ان بچوں کی تربیت ہوتی ہے، وہ سیکھتے ہیں کہ سلام کس طرح کیا جانا چاہیے۔ نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اپنے بڑے مقام، عظیم مرتبہ اور عظمت کے باوجود اس بات کا اہتمام کرتے تھے؛ تو ہمیں تو اور زیادہ اس کا اہتمام کرنا چاہیے۔اور اگر ہم ایک مرتبہ اہتمام کریں گے تو دوسری مرتبہ بچے خود سبقت کریں گے، اس طرح ان کو تعلیم بھی ہوجاتی ہے۔ اگرچہ اچھا طریقہ تو وہی ہے کہ چھوٹا بڑوں کو سلام کرے، لیکن ان کو سکھانا بھی تو ایک اہم ضرورت ہے، اس لئے ہم اسی نیت سے سلام کرتے رہیں۔

باب سلام الرجل علی زوجته والمرأة من محارمه وعلی أجنبية وأجنبيات لا يخاف الفتنة بهن وسلامهن بهذا الشرط

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

یہاں ایک اور ادب بتلاتے ہیں: آدمی کا اپنی بیوی کو سلام کرنا۔ یا محرم عورت- جیسے ماں، بہن، خالہ، پھوپھی اور نانی، دادی- کو سلام کرنا۔ یا اسی طرح ایک یا کئی اجنبیہ عورتوں کو سلام کرنا، لیکن اجنبی عورتوں کے سلام کے سلسلہ میں یہ قید لگائی کہ جب کسی قسم کے فتنہ کا ڈر اور اندیشہ نہ ہو۔ یا ایسی بوڑھی عورت ہو کہ اس کی طرف دل میں شہوت پیدا ہونے کا سوال ہی نہ ہو؛ تو اس کو بھی سلام کر سکتے ہیں، ایسی عورت کے لیے کتبِ فقہ کے اندر ''عَجُوْزًا شَوْهَاءَ'' کے الفاظ آتے ہیں۔ اور اگر وہ اجنبیہ عورت نوجوان ہے، جس کو سلام کرنے سے دل میں شہوت، یا فتنہ پیدا ہونے کا اندیشہ

ہے؛ تو اس صورت میں سلام نہ کرے۔ اور اگر سلام اس عورت نے کیا ہو تو دل میں جواب دے، زبان سے جواب نہ دے۔ ہاں! اگر اس کے محارم وہاں موجود ہوں اور اس نے سلام کیا ہو، تو اس صورت میں اس کا جواب دینے میں کوئی فتنہ کا اندیشہ نہیں ہے؛ تب گنجائش ہے۔

خاندان کی بوڑھی عورتوں کو سلام کرنا

۸۶۳:-عن سهل بن سعدٍ رضی اللہ تعالیٰ عنہ قال: كَانَتْ فِينَا امْرَأَةٌ-وفي رواية: كَانَتْ لَنَا عَجُوزٌ-تَأْخُذُ مِنْ أُصُولِ السِّلْقِ فَتَطْرَحُهُ فِي الْقِدْرِ، وَتُكَرْكِرُ حَبَّاتٍ مِنْ شَعِيرٍ، فَإِذَا صَلَّيْنَا الْجُمُعَةَ، وَانْصَرَفْنَا، نُسَلِّمُ عَلَيْهَا، فَتُقَدِّمُهُ إِلَيْنَا. (رواه البخاری.) قَوْله: ((تُكَرْكِرُ)) أيْ: تَطْحَنُ.

ترجمہ:- حضرت سہل بن سعد رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ ہمارے خاندان میں ایک عورت تھی۔ دوسری روایت میں ہے کہ وہ بہت بوڑھی تھی، وہ ایک ہنڈیا کے اندر کچھ چقندر اور جَو کے دانے پیس کر پکا کر رکھ لیا کرتی تھی۔ جب ہم جمعہ کی نماز سے فارغ ہونے کے بعد اس کے پاس سلام کے لئے جاتے تھے، تو وہ ہمارے سامنے پیش کر دیا کرتی تھی۔

افادات:- بخاری شریف کی روایت میں ہے کہ ہم جمعہ کے دن کا انتظار کرتے تھے، اور ہمیں اس دعوت کا انتظار رہتا تھا۔ جب ہم سلام کرنے کے لئے جاتے تھے تو وہ ہمارے سامنے وہی کھانا پیش کرتی تھی، اس لئے ہم جمعہ کا دن آنے پر بڑے خوش ہوتے تھے۔

اس روایت کو لا کر یہ بتلاتے ہیں کہ وہ عورت ایسی بوڑھی تھی کہ کسی قسم کے فتنہ میں پڑنے کا اندیشہ نہیں تھا، تو ان کو سلام کرنے کے لئے جاتے تھے۔ اس طرح اگر وہ

محرم ہے، جیسے: دادی، نانی، خالہ، بہن وغیرہ؛ تب بھی کوئی سوال پیدا نہیں ہوتا، ان کو سلام کر سکتے ہیں۔

فتنہ کا اندیشہ نہ ہو تو کسی بھی نامحرم کو سلام کا جواب دینا

۸۶۴:- وعن أُم هَانِئٍ فاخِتَةَ بنتِ أَبي طالب رضی اللہ عنہا قالت: أتيت النبيَّ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم يَوْمَ الفَتْحِ وَهُوَ يَغْتَسِلُ، وَفَاطِمَةُ تَسْتُرُهُ بِثَوْبٍ، فَسَلَّمْتُ...وَذَكَرَتِ الحديث.

(رواه مسلم)

ترجمہ:- حضرت اُم ہانی رضی اللہ عنہا جن کا نام فاختہ ہے (حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی بہن ہیں) فرماتی ہیں کہ فتحِ مکہ کے موقعہ پر جب نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم مکہ مکرمہ تشریف لائے، تو مسجد حرام جانے سے پہلے آپ نے غسل فرمایا۔ حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کپڑے سے پردہ کئے ہوئے تھیں۔ جس وقت حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم غسل فرما رہے تھے، اس وقت میں آئی اور سلام کیا۔ پھر حضرت اُم ہانی رضی اللہ عنہا نے باقی حدیث بیان کی۔

افادات:- حضرت اُم ہانی رضی اللہ عنہا نے کہا: میں نے اپنے خاندان کے ایک آدمی کو پناہ دے رکھی ہے (انہوں نے اپنے دیور کو پناہ دے رکھی تھی) اور میرے بھائی علی (رضی اللہ تعالیٰ عنہ) اس کو قتل کرنا چاہتے ہیں۔ تو نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ تم نے جس کو پناہ دی، اس کو ہم نے بھی پناہ دیدی۔

یہاں تو یہ روایت اس لئے لائے کہ حضرت اُم ہانی رضی اللہ عنہا نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی چچا زاد بہن ہیں، انہوں نے سلام کیا تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس کا جواب دیا۔

۸۶۵:- وعن أسماء بنتِ يزيد رضی اللہ عنہا قالت: مَرَّ عَلَيْنَا النَّبِيُّ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم فِي نِسْوَةٍ فَسَلَّمَ عَلَيْنَا. (رواه أبو داود والترمذي وقال: حديث حسن. وهذا لفظ أبي داود)

ولفظ الترمذی: أَنَّ رسول الله ﷺ مَرَّ فی المَسْجِدِ یَوْماً، وَعُصْبَةٌ مِنَ النِّسَاءِ قُعُودٌ، فَأَلْوَی بِیَدِهِ بِالتَّسْلِیمِ.

ترجمہ: – حضرت اسماء بنت یزید رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ ایک مرتبہ نبیٔ کریم ﷺ ہم عورتوں کے پاس سے گزرے، تو آپ نے ہمیں سلام فرمایا۔

دوسری روایت میں ہے: نبیٔ کریم ﷺ ایک مرتبہ مسجد میں سے گزرے، عورتوں کی ایک جماعت وہاں بیٹھی ہوئی تھی، تو آپ نے ہاتھ سے اشارہ کرکے زبان سے سلام کیا۔

افادات: – یہ روایت اوپر بھی گزر چکی ہے۔ بس! یہاں قید وہی ہے کہ اگر عورتوں کو سلام کرنے میں کوئی فتنہ نہ ہو تو ان کو سلام کرنے کی اجازت ہے، ورنہ نامحرم عورتوں کو سلام نہیں کرسکتے۔

باب تحريم ابتدائنا الكافر بالسلام و كيفية الرد عليهم واستحباب السلام على أهل مجلسٍ فيهم مسلمون و كفار

غیر مسلموں کو سلام میں پہل نہ کرنا اور مخلوط مجمعوں میں سلام کرنا

بِسۡمِ اللّٰهِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِيۡمِ

سلام کا ایک اور ادب بتلاتے ہیں کہ کافروں کو سلام کرنے میں ہماری طرف سے پیش قدمی اور ابتداء نہیں ہونی چاہیے۔ فقہاء لکھتے ہیں کہ کسی دوسرے طریقہ سے غیر مسلم کی خیریت تو پوچھ سکتے ہیں، لیکن ان کو ابتداءً سلام کے الفاظ نہ کہیں۔ اور اگر وہ ''السلام علیکم'' کہیں، تو ان کو جواب میں صرف ''وعلیکم'' کہنا چاہیے، یعنی تم پر۔ اور جس مجلس میں مسلم اور غیر مسلم دونوں ہیں؛ تو مسلمانوں کی نیت سے سلام کر سکتے ہیں۔

۸۶۶:- وعن أَبي هريرة رضی اللہ تعالیٰ عنہ أَنَّ رسول الله صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم قَالَ: لاَ تَبْدَأُوا اليَهُودَ وَلاَ النَّصَارَى بِالسَّلامِ، فَإِذَا لَقِيتُمْ أَحَدَهُمْ فِي طَرِيقٍ فَاضْطَرُّوهُ إِلَى أَضْيَقِهِ.

ترجمہ:- حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا: یہود ونصاریٰ کو سلام کرنے میں پہل مت کرو، اور جب راستہ میں ان سے ملو تو ان کے لئے راستہ مت چھوڑو۔

۸۶۷:- وعن أنسٍ رضی اللہ تعالیٰ عنہ قَالَ قَالَ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم : إِذَا سَلَّمَ عَلَيْكُمْ أَهْلُ الكِتَابِ فَقُولُوا : وَعَلَيْكُمْ. (متفقٌ عَلَيْهِ)

ترجمہ:- حضرت اَنس رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا: اگر اہلِ کتاب تم کو سلام کریں تو جواب میں تم ''وعلیکم'' کہو۔

۸۶۸:- وعن أُسَامَةَ رضی اللہ تعالیٰ عنہ أَنَّ النَّبِيَّ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم مَرَّ عَلَى مَجْلِسٍ فِيهِ أَخْلَاطٌ مِنَ الْمُسْلِمِينَ وَالْمُشْرِكِينَ - عَبَدَةَ الأَوْثَانِ - وَالْيَهُودِ فَسَلَّمَ عَلَيْهِم النبيُّ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم.

(متفقٌ عَلَيْهِ)

ترجمہ:- حضرت اسامہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ایک ایسے مجمع کے پاس گزرے جس میں مسلمان، مشرکین، بت پرست اور یہود؛ سب مخلوط تھے، تو نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس مجمع کو سلام کیا۔

افادات:- پہلی روایت میں یہ بتلایا کہ یہود ونصاریٰ اور غیر مسلموں کو سلام کرنے میں ہماری طرف سے ابتداء نہیں ہونی چاہیے۔ اور جب راستہ میں ان سے ملاقات ہو، تو ان کے لئے راستہ نہ چھوڑو، بلکہ آپ اپنا راستہ چلتے رہو، خاص کر جب کہ وہ ذِمّی - یعنی اسلامی حکومت کے شہری - ہوں؛ تو اس صورت کے اندر اسلام کی سربلندی برقرار رکھنے کے لئے اس طرح کا انداز اختیار کرنا چاہیے جس سے ان کی تعظیم لازم نہ آتی ہو، بلکہ ایسی کوئی شکل اختیار کرنا جائز نہیں ہے جس میں ان کی تعظیم ہو، ایسا کرنا گناہ ہے، اس سے بچا جائے۔

دوسری روایت میں یہ بتلایا کہ اگر وہ سلام کریں؛ مثلاً کسی یہودی نے ''السلام علیکم'' کہا، تو آپ جواب میں صرف ''وعلیکم'' کہیے۔ حضور اکرم ﷺ اسی طرح کہا کرتے تھے۔ یہودی نبیٔ کریم ﷺ کے ساتھ بہت شرارت کرتے تھے۔ روایتوں میں آتا ہے کہ ایک مرتبہ کچھ یہودی آئے اور انہوں نے نبیٔ کریم ﷺ کو شرارت کے طور پر کہا: ''اَلسَّامُ عَلَيْكُمْ'' ''سام'' عربی زبان میں موت کو کہتے ہیں۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ میں ان کا مطلب سمجھ گئی، تو میں نے جواب میں ان کو کہا: ''وَعَلَيْكُمُ السَّامُ وَاللَّعْنَةُ'' نبیٔ کریم ﷺ نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے فرمایا: اری! چھوڑو بھی۔ اللہ تعالیٰ ہر معاملہ میں نرمی کو پسند کرتے ہیں۔ دوسری روایت میں ہے کہ نبیٔ کریم ﷺ نے حضرت عائشہ کو تاکید فرمائی: ''عَلَيْكِ بِالرِّفْقِ'' ذرا نرمی سے کام لو۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں: میں نے عرض کیا: اے اللہ کے رسول! آپ نے سنا نہیں! انہوں نے کیا کہا؟ حضور اکرم ﷺ نے فرمایا: میں نے کیا جواب دیا وہ تم نے نہیں سنا؟ میں نے جواب دیا: ''وَعَلَيْكُمْ'' تم پر بھی۔ (بخاری شریف:۶۳۹۵/باب الدُّعَاءِ عَلَى الْمُشْرِكِينَ/باب لَمْ يَكُنِ النَّبِيُّ ﷺ فَاحِشًا وَ لَامُتَفَحِّشًا) گویا جو چیز تم ہمیں کہہ رہے ہو، ہم اسی کو آپ کی طرف لوٹا رہے ہیں۔ اس لئے کہ اگر کسی کی طرف سے ہمارے ساتھ زیادتی ہو تو قرآنِ پاک کا حکم ہے: ''وَإِنْ عَاقَبْتُمْ فَعَاقِبُوا بِمِثْلِ مَا عُوقِبْتُمْ بِهِ'' اگر بدلہ لینا ہی ہو تو اتنا ہی لے سکتے ہو جتنی اس نے زیادتی کی ہے، اگر کچھ اور آگے بڑھیں گے؛ تو یہ ہماری طرف سے تعدی ہو جائے گی۔ اس لئے ہمارا عمل یہی ہونا چاہیے۔

تیسری روایت میں بتلایا: اگر کسی مجمع میں مسلم اور غیر مسلم دونوں قسم کے لوگ ہوں تو اس صورت میں ''السلام علیکم ورحمۃ اللہ'' کہا جائے لیکن نیت صرف مسلمانوں کو سلام کرنے کی کی جائے گی۔

باب استحباب السلام اذا قام من المجلس وفارق جلساءہٗ أو جلیسہٗ

جب مجلس سے اُٹھے، یا ساتھیوں کو الوداع کہے یا ایک ساتھی سے رخصت ہو؛ تو سلام کرنا چاہیے

بعض لوگ رخصتی کے موقع پر سلام کو درست نہیں سمجھتے، یہاں اس بات کو ثابت کرنا چاہتے ہیں کہ رخصتی کا سلام کرنا چاہیے۔

۸۶۹:- وعن أبی هریرة رضی اللہ تعالیٰ عنہ قَالَ قَالَ رسول الله صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم: إِذَا انْتَهى أَحَدُكُمْ إِلَى الْمَجْلِسِ فَلْيُسَلِّمْ، فَإِذَا أَرَادَ أَنْ يَقُومَ فَلْيُسَلِّمْ، فَلَيْسَتِ الأُولَى بِأَحَقَّ مِنَ الآخِرَةِ. (رواہ أبو داود والترمذی، وقال: حدیث حسن)

ترجمہ:- حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا: جب تم میں سے کوئی آدمی کسی ایسی مجلس میں پہنچے جہاں لوگ بیٹھے ہوئے ہیں؛ تو اس کو چاہیے کہ سلام کرے۔ اور جب وہاں سے واپس لوٹنے کا ارادہ کرے؛ تب بھی سلام کرے، اس لئے کہ پہلے والا سلام، آخری والے سلام سے زیادہ اہم نہیں ہے۔

افادات:- مطلب یہ ہے کہ جس طرح پہلے والا سلام کرنا چاہیے، اسی طرح اخیر میں رخصتی پر بھی سلام کر کے وہاں سے اُٹھے۔

باب الاستیذان وآدابه

کسی کے یہاں جانے پر اجازت لینے کے احکام وآداب

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

سلام کے سلسلہ میں ایک عنوان قائم کیا ہے: جب کوئی آدمی کسی کے گھر جائے تو اجازت لے کر داخل ہونا چاہیے۔ اور اجازت لینے کا طریقہ کیا ہے؟ اس کے احکام بیان کرنا چاہتے ہیں۔

سلام کا بیان جہاں شروع ہوا تھا وہاں بتلادیا تھا کہ اسلام میں ''استیذان'' یعنی کسی کے گھر میں اجازت لے کر داخل ہونے اور بغیر اجازت کے داخل نہ ہونے کا بڑا اہتمام اور تاکید ہے۔ زمانۂ جاہلیت میں عرب میں رواج تھا کہ کوئی آدمی کسی کے گھر جاتا تو یونہی بغیر اجازت کے داخل ہوجاتا تھا، لیکن قرآنِ پاک میں اللہ تبارک وتعالیٰ نے اس سلسلہ میں مستقل پورے دو رکوع (النور، رکوع: ۱۰ و ۱۴) نازل فرمائے ہیں، جس سے اس کی اہمیت کا اندازہ لگایا جاسکتا ہے، اور اس کی باقاعدہ پوری تفصیل بتلائی کہ کون کون لوگ اجازت لیں، کون سے گھروں میں اجازت لینی چاہیے، کون سے اوقات میں اجازت کا اہتمام کرنا چاہیے، خود گھر کے رہنے والوں کو کس طرح اہتمام کرنا چاہیے؛ یہ ساری تفاصیل اس میں بتلائی گئی ہیں۔ ہمارے معاشرے میں پردہ کا چوں کہ وہ اہتمام نہیں ہوتا جو شریعت میں مطلوب ہے، اس لئے استیذان والے سلسلہ میں بھی ہمارے یہاں بڑی کوتاہیاں برتی جاتی ہیں۔ ضرورت اس بات کی ہے کہ اس کی طرف توجہ اور اہتمام کیا جائے۔

اس باب میں جو آیت پیش کی ہے وہ پہلے بھی پیش کرچکے ہیں: ﴿یَاأَیُّهَا الَّذِیۡنَ آمَنُوا لَا تَدۡخُلُوا بُیُوۡتًا غَیۡرَ بُیُوۡتِكُمۡ حَتّٰی تَسۡتَأۡنِسُوا وَتُسَلِّمُوا عَلٰی أَهۡلِهَا﴾ (النور: ۲۷) اے ایمان والو! تم اپنے گھر کے علاوہ کسی دوسرے کے گھر میں داخل نہ ہوؤ جب تک کہ اجازت نہ لے لو، اور گھر والوں کو سلام نہ کرلو۔ معلوم ہوا کہ پہلے اجازت لینی چاہیے

اوراجازت لینے کے لئے سلام کرنا چاہیے۔ایک سلام اجازت طلب کرنے کے لئے ہوتا ہے،اورایک سلام اجازت مل چکنے کے بعد داخل ہونے کے لئے ہوتا ہے۔

جب فاروقِ اعظمؓ نے حضرت اشعریؓ سے گواہ طلب کیے

۸۷۰:-عن أبي موسى الأشعري رضی اللہ تعالیٰ عنہ قَالَ قَالَ رسول الله صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم: الاسْتِئْذَانُ ثَلاثٌ، فَإِنْ أُذِنَ لَكَ وَإِلاَّ فَارْجِعْ. (متفقٌ عَلَيْهِ.)

ترجمہ:- حضرت ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا: اجازت طلب کرنا تین مرتبہ ہے، اگران تین مرتبہ میں تمہیں اجازت مل جائے تو ٹھیک ہے؛ ورنہ آپ واپس لوٹ جایئے۔

افادات:- یہاں ایک قصہ بھی ہے جوانہوں نے چھوڑ دیا ہے۔حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے دورِخلافت میں ایک مرتبہ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ اپنے خلافت کے کاموں میں مصروف تھے،اسی دوران حضرت ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ تعالیٰ عنہ ان کی ملاقات کے لئے حاضر ہوئے اوراجازت طلب کی۔چوں کہ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ اپنے کام میں مصروف تھے اس لئے انہوں نے اس وقت اجازت نہیں دی، خاموش رہے۔ایک مرتبہ اجازت طلب کی، حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے کچھ نہیں کہا، پھر تھوڑی دیر کے بعد دوسری مرتبہ انہوں نے اجازت طلب کی، پھر بھی جواب نہیں ملا، تیسری مرتبہ اجازت طلب کی، پھر بھی جواب نہیں ملا تو وہ واپس تشریف لے گئے۔حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ اپنے کاموں سے جب فارغ ہوئے تو فرمایا: ابھی مَیں نے ابوموسیٰ کی آواز سنی تھی کہ وہ اجازت طلب کررہے تھے، ان کو بلاؤ۔جب آدمی باہر گیا تو دیکھا کہ حضرت ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ تعالیٰ عنہ موجود نہیں ہیں، اس نے آکر کہا کہ وہ تو چلے گئے، حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے کہا: ان کو بلالاؤ۔

آدمی گیا اور بلا لایا۔ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے کہا: تم واپس کیوں چلے گئے؟ انہوں نے کہا: مَیں نے نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم سے سنا ہے کہ اجازت تین مرتبہ طلب کرنی چاہیے، اگر مل جائے تو ٹھیک ہے، لیکن اگر اجازت نہ دی جائے، یا صاف صاف انکار کر دیا جائے کہ آپ واپس تشریف لے جائیے؛ دونوں صورتوں میں واپس لوٹ جانا چاہیے۔ اور حدیث بھی یہی ادب بتلاتی ہے۔ قرآنِ پاک میں بھی ہے: ﴿وَإِن قِيلَ لَكُمُ ارْجِعُوا فَارْجِعُوا (سورۃ:۲۴،النور/ آیۃ:۲۸)﴾ اس آیت میں صاف حکم ہے کہ اگر گھر والے کی طرف سے یہ کہہ دیا جائے کہ آپ اس وقت واپس تشریف لے جائیے، مَیں ملاقات کی پوزیشن میں نہیں ہوں، یا اس وقت میرے پاس ملاقات کے لئے گنجائش اور موقع نہیں ہے، تو آپ برا نہ مانئے، بلکہ واپس تشریف لے جائیے۔

حضرت ابوموسیٰ اَشعری رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے حضرت نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کا یہ ارشاد حضرت عمرؓ کو سنا کر عرض کیا کہ مَیں نے تین مرتبہ اجازت طلب کی تھی اور آپ کی طرف سے اجازت نہیں ملی، اس لئے مَیں واپس چلا گیا۔ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے کہا: تم حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کا جو ارشاد نقل کر رہے ہو؛ اس پر تمہارے پاس کوئی گواہ موجود ہے؟ اگر ہے تو گواہ پیش کرو؛ ورنہ مَیں سزا دوں گا۔ یہ سن کر حضرت ابوموسیٰ اَشعری رضی اللہ تعالیٰ عنہ سوچ میں پڑ گئے اور گھبرائے ہوئے واپس لوٹے کہ مَیں نے تو نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کا یہ ارشاد سنا ہے، دوسرے کن کن لوگوں نے سنا ہے، یہ مجھے معلوم نہیں۔ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کا یہ ارشاد سنا نہیں تھا۔

چناں چہ اس موقعہ پر امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ کتاب الاحکام میں ایک باب لائے ہیں کہ یہ ہو سکتا ہے کہ حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے بڑے بڑے صحابہ کے علم میں حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی کوئی بات نہ آئی ہو، اور اس باب میں امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے یہی قصہ ذکر کیا ہے کہ حضرت

عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا یہ ارشاد معلوم نہیں تھا۔

بہر حال! حضرت ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے جب حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے گواہ کا مطالبہ کیا تو وہ گواہ تلاش کرنے کے لئے نکلے، بخاری شریف میں حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی روایت موجود ہے کہ حضرت اُبی بن کعب رضی اللہ تعالیٰ عنہ جو سید الانصار ہیں، ان کی مجلس لگی ہوئی تھی جہاں سب انصار ہی بیٹھے ہوئے تھے، حضرت ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ تعالیٰ عنہ گھبرائے ہوئے وہاں پہنچے اور کہا: تم میں سے کسی نے نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا یہ ارشاد سنا ہے؟ کہ تین مرتبہ اجازت طلب کرو، اگر مل جائے تو ٹھیک ہے، ورنہ واپس چلے جاؤ۔ اس لئے کہ امیر المؤمنین حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے مجھ سے اس بات پر گواہ طلب کئے ہیں۔ حضرت ابی بن کعب رضی اللہ تعالیٰ عنہ جو اس مجلس کے صدر نشین تھے انہوں نے کہا: یہاں جتنے لوگ موجود ہیں سب نے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا یہ ارشاد سنا ہے، اور آپ کی گواہی کے لئے اس مجلس میں جو سب سے چھوٹی عمر کا آدمی ہے اس کو ہم بھیجیں گے۔ چناں چہ حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ تعالیٰ عنہ جو اس روایت کے راوی ہیں وہ فرماتے ہیں کہ: اس مجلس میں سب سے چھوٹی عمر کا میں ہی تھا، حضرت اُبی بن کعب رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے کہا: ان کے ساتھ جاؤ، اور گواہی دو۔ چناں چہ حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ تعالیٰ عنہ حضرت ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے ساتھ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے پاس گئے اور گواہی دی، تب کہیں ان کی جان چھوٹی۔

گواہ طلب کرنے کی تکوینی وجہ

ہمارے حضرت مفتی صاحب رحمۃ اللہ علیہ اس موقع پر ایک چیز ارشاد فرمایا کرتے تھے کہ: یہاں حضرت ابوموسیٰ اُشعری رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے ساتھ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا جو معاملہ پیش آیا اس کی ایک تکوینی وجہ بھی تھی۔ ہوا یہ تھا کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی حیاتِ طیبہ میں ایک موقعہ

پر قبیلہ اُشعر کے لوگوں نے حضرت ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پاس سواری طلب کرنے کے لئے بھیجا کہ آپ ہمارے لئے سواری طلب کیجئے۔تو حضرت ابوموسیٰ اُشعری رضی اللہ تعالیٰ عنہ حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پاس ایسے موقعہ پر پہنچے کہ حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کسی پر کسی وجہ سے ناراض تھے۔انہوں نے سواری طلب کی اور حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پاس اس وقت سواری نہیں تھی،اس لئے نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے جواب میں ارشاد فرمایا: میرے پاس سواری نہیں ہے۔ پھر حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے قسم کھالی کہ مَیں تمہیں سواری نہیں دوں گا۔ حضرت ابوموسیٰ اُشعری رضی اللہ تعالیٰ عنہ تو واپس چلے آئے،اس کے بعد حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پاس کہیں سے سواری کے جانور آ گئے تو حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ ابھی ابوموسیٰ سواری طلب کرنے کے لئے آئے تھے،ان کو بلاؤ۔ بلوایا گیا پھر فرمایا: سواری کے یہ جانور لے جاؤ،حضرت ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ تعالیٰ عنہ سواری کے جانور لے کر چلے گئے۔

جس وقت حضرت ابوموسیٰ اُشعری رضی اللہ تعالیٰ عنہ سواری طلب کرنے کے لئے آئے تھے اس وقت ان کے ساتھ ان کے قبیلے کے دو آدمی اور بھی ساتھ تھے۔ جب حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے سواری کے جانور عنایت فرمائے اور وہ ان کو لے کر اپنے قبیلے کے لوگوں کے پاس گئے اور ان سے کہا کہ: دیکھو! حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے سواری کے جانور تو عنایت فرما دئے لیکن پہلی مرتبہ جب میں گیا تھا اور سواری طلب کی تھی تو حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے انکار فرمایا تھا اور قسم کھالی تھی کہ میں سواری نہیں دوں گا۔ کہیں ایسا تو نہیں کہ حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اپنی قسم بھول گئے۔اگر ایسی حالت میں یہ سواری کے جانور حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ہمیں عطا فرمائے ہوں،اور ہم حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو لاعلمی میں رکھ کر جانور لے لیں،تو ہمارے لئے اس میں برکت نہیں ہوگی،اس لئے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو خبر کرنی چاہیے۔اور ان دو آدمیوں سے- جو پہلی مرتبہ ان کے ساتھ تھے- کہا: تم میرے ساتھ گواہی دینے کے لئے چلو، تاکہ تم

گواہی دے سکو۔ چناں چہ حضرت ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ تعالیٰ عنہ ان دوآدمیوں کو لے کر حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پاس آئے اور عرض کیا: اے اللہ کے رسول! آپ نے سواری نہ دینے کا ارادہ فرمایا تھا اور اس پر قسم کھائی تھی کہ نہیں دوں گا، اور دونوں گواہ بھی پیش کئے۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ: مجھے اپنی قسم یاد تھی، لیکن یہ سواری کے جانور میں نے نہیں دیئے، اللہ تعالیٰ نے دیئے ہیں۔ اس کے بعد حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: اگر میں کسی بات پر قسم کھالوں اور پھر مجھے یہ پتہ چلے کہ اس کے خلاف میں خیر اور بھلائی ہے؛ تو میں اپنی قسم توڑ دیتا ہوں اور کفارہ دیدیتا ہوں۔

شرّاح فرماتے ہیں کہ کچھ چیزیں تکوینیات کے قبیل سے ہوتی ہیں۔ اس موقعہ پر حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے کوئی گواہ طلب نہیں کئے تھے، لیکن حضرت ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے گواہی کے لئے دوآدمی لے جانے کا اہتمام اپنی طور پر کیا، تو اس کی تکوینی سزا یہ بھگتی کہ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے دورِ خلافت میں ان کے ساتھ یہ معاملہ پیش آیا۔

استیذان کے وقت تاک جھانک نہ کرے

۱۸۷:- وعن سھلِ بنِ سعدٍ رضی اللہ تعالیٰ عنہ قَالَ قَالَ رسول اللّٰہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم: إِنَّمَا جُعِلَ الاسْتِئْذَانُ مِنْ أَجْلِ الْبَصَرِ. (متفقٌ عَلَيْهِ)

ترجمہ:- حضرت سہل بن سعد رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا: اجازت لینے کا حکم نگاہ کو کسی کے گھر میں بلا اجازت ڈالنے سے بچنے کے لئے دیا گیا ہے۔

افادات:- کسی کے گھر میں اس وقت تک داخل نہیں ہونا چاہیے جب تک داخل ہونے کی اجازت نہ مل جائے۔ یہ حکم شریعت نے اس لئے دیا ہے کہ اگر آپ بغیر اجازت کے داخل ہوجائیں گے، تو ہوسکتا ہے کہ وہ آدمی کسی ایسی ہیئت میں بیٹھا ہو جس

حالت میں کوئی اس کو دیکھے، یہ اس کو ناپسند ہو، یا کوئی ایسی چیز اس کے گھر میں موجود ہو جس پر کسی اجنبی کی نگاہ پڑنے کو وہ گوارہ نہ کرتا ہو؛ اس لئے اگر پہلے سے اجازت لے لیں گے تو وہ جن چیزوں کو آنے والے سے چھپا کر رکھنا چاہتا ہے؛ ان کو یہ چھپا دے گا پھر داخل ہونے کی اجازت دے گا۔ اب اگر آپ باہر کھڑے کھڑے اجازت تو طلب کررہے ہیں لیکن ساتھ ہی ساتھ اس کے گھر میں جھانک بھی رہے ہیں جیسا کہ بعضوں کی عادت ہوتی ہے، تو اس اجازت کا کیا فائدہ ہوا؟ اس لئے اس روایت میں اجازت طلب کرنے کا طریقہ بتلایا جارہا ہے کہ اس طرح اجازت نہ لو کہ آپ اندر جھانک رہے ہو، بلکہ دروازہ کے سامنے سے ہٹ کر ایک کنارے پر ایسے کھڑے ہو کر اجازت طلب کرو کہ تمہاری نگاہ بھول سے بھی اندر نہ پڑنے پائے، پھر جب اجازت مل جائے تب ہی گھر میں داخل ہونا چاہیے۔

گھس سکتا ہوں، یا آ سکتا ہوں

۸۷۲:-وعن رِبْعِيِّ بن حِرَاشٍ قَالَ: حَدَّثَنَا رَجُلٌ مِنْ بَنِي عَامِرٍ أَنَّهُ اسْتَأْذَنَ عَلَى النَّبِيِّ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم وَهُوَ فِي بيتٍ، فَقَالَ: أَأَلِجُ؟ فَقَالَ رسول الله صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم لِخَادِمِهِ: أُخْرُجْ إِلَى هَذَا، فَعَلِّمْهُ الاسْتِئْذَانَ. فَقُلْ لَهُ: قُلِ: السَّلامُ عَلَيْكُمْ، أَأَدْخُل؟ فَسَمِعَهُ الرَّجُلُ، فَقَالَ: السَّلامُ عَلَيْكُمْ أَأَدْخُل؟ فَأَذِنَ لَهُ النَّبِيُّ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم فدخلَ. (رواه أبو داود بإسناد صحيح)

ترجمہ:- حضرت ربعی بن حراش رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ قبیلۂ بنو عامر کے ایک آدمی نے مجھے یہ قصہ بیان کیا کہ اس نے نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے گھر میں داخل ہونے کی اجازت چاہی، آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم گھر ہی میں تشریف فرما تھے، اس نے کہا: أَأَلِجُ؟ (جس کا لفظی ترجمہ یوں ہوتا ہے کہ کیا

مَیں اندر گھسوں؟) توحضورِ اکرم ﷺ نے اپنے خادم سے فرمایا: باہر جاؤ اور اس آدمی کو اجازت طلب کرنے کا طریقہ سکھاؤ، اس سے کہو کہ یوں کہے: اَلسَّلَامُ عَلَیْکُمْ، أَأَدْخُلُ؟ ''السلام علیکم'' کیا میں داخل ہوسکتا ہوں؟ اس آدمی نے باہر ہی سے یہ بات سن لی اور فوراً کہا: اَلسَّلَامُ عَلَیْکُمْ، أَأَدْخُلُ؟ ''السلام علیکم'' کیا مَیں داخل ہوسکتا ہوں؟ حضورِ اکرم ﷺ نے فرمایا: جی ہاں! آجاؤ؛ تو پھر وہ داخل ہوا۔

افادات:- کسی چیز کو تعبیر کرنے کے لئے اچھا لفظ استعمال کرنا چاہیے۔ اگر کوئی آدمی یوں کہے: ''کیا مَیں آپ کے گھر میں گھس سکتا ہوں'' اس کے بجائے کہے: ''کیا مَیں آپ کے گھر میں داخل ہوسکتا ہوں'' تو آپ ہی غور کیجئے کہ مفہوم تو دونوں کا ایک ہی ہے، لیکن دوسرے جملہ میں جو ادب ہے وہ پہلے میں نہیں ہے۔ ادب اور تعبیر کے اعتبار سے دونوں میں بڑا فرق ہے۔

یہاں پر اس آدمی نے اجازت طلب کرنے کے لئے ایک تو سلام نہیں کیا، اور پھر ان الفاظ میں اجازت مانگی؛ تو حضورِ اکرم ﷺ نے اپنے خادم کے ذریعہ اس کو اجازت لینے کا طریقہ سکھانے کو فرمایا۔ اس سے یہ بھی معلوم ہوا کہ کوئی آدمی اجازت طلب کرنے کے لئے خلافِ ادب الفاظ وکلمات استعمال کرے تو اس کو اجازت دینے سے روک سکتے ہیں اور اس کو ادب سکھایا جاسکتا ہے۔

یادگار تنبیہ

۸۷۳:-عن كِلْدَةَ بن الحَنْبل رضی اللہ تعالیٰ عنہ قَالَ: أَتَيْتُ النبيَّ ﷺ فَدَخَلْتُ عَلَيْهِ وَلَمْ أُسَلِّمْ، فَقَالَ النَّبِيُّ ﷺ: ارْجِعْ فَقُلْ: السَّلَامُ عَلَيْكُمْ، أَأَدْخُلُ؟

(رواه أبو داود والترمذی، وقال: حديث حسن)

ترجمہ:- حضرت کلدۃ بن حنبل رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ مَیں نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے پاس حاضر ہوا اور بغیر سلام کے آپ کے گھر میں داخل ہوگیا، تو حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے مجھ سے فرمایا: واپس جاؤ اور کہو: السلام علیکم، کیا مَیں آسکتا ہوں؟

افادات:- معلوم ہوا کہ کسی آدمی کی تعلیم وتربیت کی غرض سے اگر اس طرح کا معاملہ کیا جائے تو اس کی اجازت ہے۔ چوں کہ کسی بڑے کی طرف سے بطورِ تنبیہ کے اگر ایسا کیا جاتا ہے، تو یہ تنبیہ ایسی ہوتی ہے کہ پھر زندگی بھر یاد رہ جاتی ہے، اور اس سے اس غلطی کی ہمیشہ کے لئے اصلاح ہوجاتی ہے، اس لئے ایسا بھی کیا جاسکتا ہے۔

باب بيان أن السنة اذا قيل للمستأذن: من انت؟ أن يقول فلان، فيسّمى نفسه بما يعرف به من اسم أو كنية وكراهية قوله أنا ونحوها

اجازت طلب کرنے والے سے جب پوچھا جائے: کون ہو؟ تو جواب میں وہ اپنا نام بتائے، یا وہ لقب، کنیت یا صفت جس سے وہ مشہور ہو۔ ’’مَیں ہوں‘‘ نہ کہے

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

گھر والے کے پوچھنے پر جواب دینے کا مسنون طریقہ

جب کوئی آدمی کسی کے گھر میں جانے کی اجازت طلب کرے، اور گھر والے کی طرف سے پوچھا جائے کہ کون ہو؟ تو جواب میں وہ اپنا نام، یا وہ لقب، کنیت اور صفت جس سے وہ مشہور ہو بتائے۔ مطلب یہ ہے کہ گھر والے کو پتہ چل جائے کہ فلاں آدمی اجازت طلب کر رہا ہے۔ جواب میں یوں نہ کہے کہ: مَیں ہوں۔ یا ایسا لفظ استعمال نہ کرے جس سے گھر والوں کو پتہ نہ چل سکے کہ کون ہے۔ اس لئے کہ گھر والے کے پوچھنے کا مقصد ہی یہ ہوتا ہے کہ معلوم ہو جائے کہ اجازت طلب کرنے والی شخصیت کون ہے، تاکہ وہ فیصلہ کر سکے کہ اس کو اندر آنے کی اجازت دوں یا نہ دوں۔ جب آپ اپنا نام لیں گے تب ہی تو اس کو پتہ چلے گا کہ آپ کون ہیں؟ ''مَیں'' یا کوئی ایسا لفظ جس سے تعارف نہ ہوتا ہو؛ تو مقصد حاصل نہیں ہوگا۔

۸۷۴:- وعن أنس رضی اللہ تعالیٰ عنہ فی حدیثہ المشہور فی الإسراءِ، قَالَ قَالَ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم: ثُمَّ صَعِدَ بِی جِبْرِیلُ إِلَى السَّمَاءِ الدُّنْیَا فَاسْتَفْتَحَ، فَقِیلَ: مَنْ هَذَا؟ قَالَ: جِبْرِیلُ. قِیلَ: وَمَنْ مَعَكَ؟ قَالَ: مُحَمَّدٌ. ثُمَّ صَعِدَ إِلَى السَّمَاءِ الثَّانِیَةِ، فَاسْتَفْتَحَ، قِیلَ: مَنْ هَذَا؟ قَالَ: جِبْرِیلُ. قِیلَ: وَمَنْ مَعَكَ؟ قَالَ: مُحَمَّدٌ. وَالثَّالِثَةِ وَالرَّابِعَةِ وَسَائِرِهِنَّ وَيُقَالُ فِي بَابِ كُلِّ سَمَاءٍ: مَنْ هَذَا؟ فَيَقُولُ: جِبْرِيلُ. (متفقٌ عَلَیْہِ)

ترجمہ:- حضرت أنس رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے حوالہ سے (حدیث کی کتابوں میں) معراج کا مشہور واقعہ نقل کیا گیا ہے جس میں نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا: جب حضرت جبرئیل علیہ السلام مجھے

لے کر آسمانوں کے اوپر پہنچے، اور پہلے آسمان کا دروازہ کھلوایا، تو اندر سے پوچھا گیا: کون ہو؟ حضرت جبرئیل علیہ السلام نے کہا: میں جبرئیل ہوں۔ پوچھا گیا: آپ کے ساتھ کون ہیں؟ حضرت جبرئیل علیہ السلام نے کہا: محمد (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) ہیں۔ پھر دوسرے آسمان کا دروازہ کھلوایا، تو اندر سے یہی پوچھا گیا: کون ہو؟ حضرت جبرئیل علیہ السلام نے جواب میں کہا: میں جبرئیل ہوں۔ پوچھا گیا: آپ کے ساتھ کون ہیں؟ حضرت جبرئیل علیہ السلام نے کہا: محمد (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) ہیں۔ پھر تیسرے چوتھے اور تمام آسمانوں پر یہی صورت پیش آئی کہ (جب دروازہ کھلوانے کے لئے درخواست کی جاتی تو) اندر سے سوال کیا جاتا کہ کون ہو؟ اس کے جواب میں حضرت جبرئیل علیہ السلام کہتے: میں جبرئیل ہوں۔

افادات:- حضرت جبرئیل علیہ السلام اپنا نام لیتے تھے کہ میں جبرئیل ہوں، یہ نہیں کہتے تھے کہ میں ہوں۔ اور یہ بھی معلوم ہوا کہ اگر گھر والے کی طرف سے ساتھ میں آنے والوں کے متعلق پوچھا جائے تو اس کا بھی نام بتلانا چاہیے کہ میرے ساتھ فلاں ہے۔

۸۷۵:- وعن أَبِي ذَرٍّ رضی اللہ تعالیٰ عنہ قَالَ: خَرَجْتُ لَيْلَةً مِنَ اللَّيَالِي، فَإِذَا رسول الله صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم يَمْشِي وَحْدَهُ، فَجَعَلْتُ أَمْشِي فِي ظِلِّ الْقَمَرِ، فَالْتَفَتَ فَرَآنِي، فَقَالَ: مَنْ هَذَا؟ فقلتُ: أَبُو ذَرٍّ. (متفقٌ عَلَيْهِ)

ترجمہ:- حضرت ابوذر رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ میں ایک رات گھر سے باہر نکلا (چاندنی رات تھی) مَیں نے دیکھا کہ نبئ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اکیلے تشریف لے جارہے ہیں، تو مَیں بھی ذرا دور ہٹ کر چاند کی روشنی میں چلنے لگا۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے پیچھے مڑ کر مجھے دیکھا اور پوچھا: کون ہو؟ مَیں نے کہا: ابوذر ہوں۔

افادات:- دیکھو! آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے جب پوچھا: کون ہو؟ تو انہوں نے جواب میں اپنا نام بتلایا۔ بعض لوگ ''مَیں'' بولتے ہیں، یا چپ چاپ رہتے ہیں، کچھ بولتے ہی نہیں؛ یہ بھی غلط ہے۔ جب پوچھا جائے کہ کون ہو؟ تو اپنے متعلق بتلادے۔ یہ قصہ پہلے

بھی کسی موقعہ پر تفصیل سے آچکا ہے کہ اس کے بعد حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: اچھا! میرے ساتھ چلو، تو حضرت ابوذر رضی اللہ تعالٰی عنہ حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ چلے، آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم بستی سے باہر تشریف لے گئے، ایک جگہ حضرت ابوذر رضی اللہ تعالٰی عنہ کو بٹھایا اور فرمایا کہ جب تک میں نہ آؤں، یہاں سے نہ ہٹنا، اس کے بعد حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی حضرت جبرئیل سے ملاقات اور گفتگو ہوئی۔

۸۷۶:-وعن أُمِّ هانيءٍ رضی اللہ عنہا قالت: أتيتُ النَّبِيَّ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم وَهُوَ يَغْتَسِلُ وَفَاطِمَةُ تَسْتُرُهُ، فَقَالَ: مَنْ هٰذِهِ؟ فقلتُ: أنا أُمُّ هَانِيءٍ. (متفقٌ عَلَيْهِ.)

ترجمہ:- حضرت اُم ہانی رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ میں ایک مرتبہ نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پاس آئی تو آپ غسل فرمارہے تھے، حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا پردہ کئے ہوئے تھیں۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے پوچھا: کون ہے؟ مَیں نے کہا: مَیں اُم ہانی ہوں۔ (یہ روایت پچھلی مجلس میں گزر چکی)

''مَیں'' کہنا، صحیح جواب نہیں

۸۷۷:-وعن جابر رضی اللہ تعالٰی عنہ قَالَ: أَتَيْتُ النبيَّ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم فَدَقَقْتُ البَابَ، فَقَالَ: مَنْ هَذَا؟ فَقُلتُ: أَنَا، فَقَالَ: أنَا، أنَا! كَأَنَّهُ كَرِهَهَا. (متفقٌ عَلَيْهِ)

ترجمہ:- حضرت جابر رضی اللہ تعالٰی عنہ فرماتے ہیں کہ مَیں نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پاس حاضر ہوا اور دروازہ کھٹکھٹایا تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے پوچھا: کون ہو؟ مَیں نے کہا: ''مَیں''۔ تو حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: ''مَیں، مَیں'' (کیا کرتے ہو؟) گویا آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس جواب کو ناپسند فرمایا۔

افادات:- اس لئے کہ ''مَیں'' کہنے سے تعارف تو ہوتا نہیں، اس لیے اس جواب پر آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ناپسندیدگی کا اظہار فرمایا کہ: یہ ''مَیں'' کوئی جواب تھوڑا ہی ہے۔

ان سب روایتوں کا خلاصہ یہی ہے کہ جب پوچھا جائے کہ کون ہو؟ تو جواب میں اپنا نام بتلائے؛ تا کہ پوچھنے والا پہچان لے۔

استحباب تشميت العاطس اذا حمد الله تعالیٰ
و کراھة تشمیته اذا لم یحمد الله تعالیٰ
وبیان آداب التشمیت والعطاس والتثاؤب

چھینک کھانے والے کو جواب دینے کا مستحب ہونا؛ اگر وہ الحمدللہ کہے

اگر وہ الحمدللہ نہ کہے تو اس کو جواب نہ دیا جائے

اور چھینک کھانے اور جمائی لینے کے آداب

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

اسبابِ چستی پسندیدہ، اسبابِ سستی ناپسندیدہ

۸۷۸:-عن أَبِی هریرة رضی اللہ تعالیٰ عنہ أَنَّ النبِیَّ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم قَالَ: إِنَّ الله يُحِبُّ العُطَاسَ، وَيَكْرَهُ التَّثَاؤُبَ، فَإِذَا عَطَسَ أَحَدُكُمْ وَحَمِدَ اللهَ تَعَالَى كَانَ حَقّاً عَلَى كُلِّ مُسْلِمٍ سَمِعَهُ أَنْ يَقُولَ لَهُ: يَرْحَمُكَ اللهُ، وَأَمَّا التَّثَاؤُبُ فَإِنَّمَا هُوَ مِنَ الشَّيْطَانِ، فَإِذَا تَثَاءَبَ أَحَدُكُمْ فَلْيَرُدَّهُ مَا اسْتَطَاعَ. فَإِنَّ أَحَدَكُمْ إِذَا تَثَاءَبَ ضَحِكَ مِنْهُ الشَّيْطَانُ. (رواہ البخاری)

ترجمہ:-حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشادفرمایا: اللہ تبارک وتعالیٰ چھینک کو پسند کرتے ہیں، اور جمائی لینے کوناپسند کرتے ہیں، جب کوئی آدمی چھینک کھاکر الحمدللہ کہے تو جومسلمان بھی اس کو سنے اس پر ضروری ہے کہ جواب میں یرحمک اللہ کہے۔ اور جمائی لینا شیطان کے اثر سے ہوا کرتا ہے، اس لئے اگرکسی کو جمائی آنے لگے تو جتنا ہوسکے اس کو روکنے کی کوشش کرے، اس لئے کہ تم میں سے جب کسی کو جمائی آتی ہے (اور وہ اپنا منھ چوڑا کرتا ہے) تو شیطان اس پر ہنستا ہے۔

افادات:- چھینک اور جمائی دونوں غیراختیاری چیزیں ہیں تو پھر اس میں پسندیدگی اور ناپسندیدگی کا کیا مطلب؟ جو چیز آدمی کو غیراختیاری طور پر پیش آئے اس کے بارے میں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کیا بتلانا چاہتے ہیں؟ تو علماء نے لکھا ہے کہ یہ بتلانا چاہتے ہیں کہ جمائی آنے کے کچھ اسباب ہوا کرتے ہیں، جیسے آدمی زیادہ کھائے تو اس کی وجہ سے سستی رہتی ہے اور اسی کے نتیجہ میں جمائی آتی ہے۔ گویا یہ بتلانا چاہتے ہیں کہ آدمی کا ایسے اسباب اختیار کرنا جس کے نتیجہ میں جمائیاں آنے لگیں؛ اس کو پسند نہیں

کیا گیا ہے، اس لئے آدمی زیادہ نہ کھائے اور اپنی طبیعت پر سستی نہ طاری کرے۔

اور چھینک کو جو پسندیدہ قرار دیا گیا ہے وہ اس لئے کہ اطباء لکھتے ہیں کہ چھینک کا آنا صحت کی علامت ہے، اور چھینک کی وجہ سے آدمی کے دماغ کے خلیوں میں جو کچھ رکاوٹیں ہوتی ہیں وہ دور ہو جاتی ہیں، اور آدمی ایک طرح کا نشاط محسوس کرتا ہے۔ چھینک سے پہلے آدمی کی طبیعت میں سستی تھی، چھینک آجانے کے بعد اس کی طبیعت میں نشاط اور چستی آجاتی ہے، اس لئے اس کو پسندیدہ قرار دیا گیا۔

اس سے یہ بھی معلوم ہوا کہ چستی کے اسباب کو اللہ تعالیٰ پسند کرتے ہیں اور سستی کے اسباب کو ناپسند کرتے ہیں۔ اس لئے مؤمن کو بھی اس بات کا اہتمام کرنا چاہیے کہ ہمیشہ ایک دم ایکٹیو (Active) اور چست رہے، اس کو اللہ تعالیٰ پسند کرتے ہیں۔ بعض لوگوں کی عادت ہوتی ہے کہ جب بھی بیٹھیں گے تو ٹانگیں اونچی کر کے اس پر سر رکھ دیں گے کہ نیند اور سستی نہ آتی ہو؛ تب بھی آنے لگے۔ گویا ایسا انداز اختیار کرتے ہیں کہ ”آجا نیند؛ مجھے پکڑ لے، آ سستی؛ میرے اوپر سوار ہو جا“ اس کو شریعت پسندیدہ قرار نہیں دیتی۔ آدمی کو چاہیے کہ سستی کے اسباب کو اپنے سے دور بھگائے۔

اور کوئی آدمی چھینک کھا کر الحمد للہ کہے تو شریعت نے ہمیں یہ تعلیم دی ہے کہ اس کے جواب میں یرحمک اللہ کہا جائے یعنی اللہ تجھ پر رحم کرے۔ یہ چھینک کھانے والے کا جواب ہے۔ رہا جمائی کا معاملہ، جس کو ہم گجراتی میں ”બગાસું“ کہتے ہیں؛ تو وہ شیطان کا اثر ہوا کرتا ہے۔ اس لئے اگر کسی کو جمائی آنے لگے تو جتنا ہو سکے اس کو روکنے کی کوشش کرے، یعنی ایسی تدبیر کرے کہ جمائی نہ آنے پائے۔

ایک لطیفہ

یہاں گجراتی والا جمائی (داماد) مراد نہیں ہے۔ کسی بڑھیا نے کہیں بیان میں سن لیا تھا کہ جمائی آئے تو اس کو روکنے کی کوشش کرو۔ تو جب بھی وہ اپنے داماد کو آتا ہوا دیکھتی تھی تو فوراً دروازہ بند کرلیا کرتی تھی۔

خیر! اگر کسی کو جمائی آنے لگے تو جتنا ہو سکے اس کو روکنے کی کوشش کرے، اس لئے کہ تم میں سے جب کسی کو جمائی آتی ہے اور وہ اپنا منہ چوڑا کرتا ہے تو شیطان اس پر ہنستا ہے۔ دراصل مؤمن کے ساتھ جب کوئی بھی ایسا معاملہ ہوتا ہے جس میں مؤمن کی شان کے خلاف کوئی بات ہو، یا مؤمن کو کوئی تکلیف پہنچتی ہو؛ تو اس پر شیطان کو خوشی ہوتی ہے۔ اور جمائی کے اندر جب آدمی کا منہ کھلتا ہے اور منہ کی ہیئت اور شکل ذرا بگڑ جاتی ہے؛ تو اس پر بھی شیطان خوشی مناتا اور ہنستا ہے۔ اسی لئے آدمی کو جمائی کو روکنے کی کوشش کرنی چاہیے۔ فقہاء نے لکھا ہے کہ آدمی کو جب جمائی آنے لگے تو یہ تصور کرے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور انبیاء کرام علیہم السلام کو جمائی نہیں آتی تھی؛ تو وہ رک جائے گی اور نہیں آئے گی۔ (شامی) اس لئے جمائی کو روکنے کی کوشش کرے، اس کے باوجود اگر آئے تو منہ پر ہاتھ رکھ لے۔

چھینکنے اور جمائی لینے کے آداب

۸۷۹:- وعنه عن النبيِّ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم قَالَ: إِذَا عَطَسَ أَحَدُكُمْ فَلْيَقُلْ: الحَمْدُ لِلّٰهِ، وَلْيَقُلْ لَهُ أَخُوهُ أَوْ صَاحِبُهُ: يَرْحَمُكَ الله. فَإِذَا قَالَ لَهُ: يَرْحَمُكَ اللهُ، فَلْيَقُلْ: يَهْدِيكُمُ اللهُ وَيُصْلِحُ بَالَكُمْ. (رواه البخاري)

ترجمہ:- حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد

فرمایا: تم میں سے جب کسی کو چھینک آئے تو اس کو چاہیے کہ "الحَمْدُ للهِ" کہے، اور اس کا بھائی یا ساتھی (جو وہاں موجود ہو، جب وہ "الحَمْدُ للهِ" سنے تو) جواب میں "يَرْحَمُكَ الله" کہے۔ اور جب یہ "يَرْحَمُكَ الله" کہے تو اب چھینک کھانے والا جواب میں اس کو یہ دعا دے: "يَهْدِيكُمُ اللهُ وَيُصْلِحُ بَالَكُمْ" کہ اللہ تعالیٰ تمہیں ہدایت دے اور تمہاری حالت کو درست رکھے۔

افادات:- چھینک کھانے پر "الحَمْدُ للهِ" کہنا تو مستحب ہے، لیکن اس کے جواب میں "يَرْحَمُكَ الله" کہنا واجب ہے، اگر نہیں کہو گے تو گنہ گار ہو گے، اور "يَهْدِيكُمُ اللهُ وَيُصْلِحُ بَالَكُمْ" کہنا واجب نہیں ہے، بلکہ مستحبات میں سے ہے۔

۸۸۰:-وعن أبي موسى رضی اللہ تعالیٰ عنہ **قال: سمعت رسول الله** صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم **يقول: إِذَا عَطَسَ أَحَدُكُمْ فَحَمِدَ اللهَ فَشَمِّتُوهُ، فَإِنْ لَمْ يَحْمَدِ اللهَ فَلَا تُشَمِّتُوهُ.** (رواه مسلم)

ترجمہ:- حضرت ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ میں نے نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو ارشاد فرماتے ہوئے سنا کہ جب کسی کو چھینک آئے اور وہ "الحَمْدُ للهِ" کہے، تو تم اس کے جواب میں "يَرْحَمُكَ الله" کہو، لیکن اگر وہ "الحَمْدُ للهِ" نہ کہے، تو تم جواب میں "يَرْحَمُكَ الله" بھی مت کہو۔

افادات:- معلوم ہوا کہ اگر چھینکنے والا "اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ" کہے تب ہی ہم کو جواب میں "يَرْحَمُكَ الله" کہنا ہے۔ اور اگر ہم نے اس کا "اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ" کہنا نہ سنا ہو تو یوں کہہ سکتے ہیں: "يَرْحَمُكَ الله، إِنْ حَمِدْتَ اللهَ" یعنی اگر تو نے "اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ" کہا ہے تو میں بھی "يَرْحَمُكَ الله" کہتا ہوں۔ کبھی ایسا ہوتا ہے کہ کوئی آدمی دور ہوتا ہے، اس کی چھینک کی آواز تو ہمیں آئی، لیکن اس نے "اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ" کہا یا نہیں، یہ ہمیں پتہ نہیں چلا، تو ایسے وقت ہم یوں بول سکتے ہیں۔

۸۸۱:-وعن أنس رضی اللہ تعالیٰ عنہ **قال عَطَسَ رَجُلَانِ عِنْدَ النَّبِيِّ** صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم **فَشَمَّتَ**

أَحَدَهُمَا وَلَمْ يُشَمِّتِ الآخَرَ، فَقَالَ الَّذِي لَمْ يُشَمِّتْهُ: عَطَسَ فُلَانٌ فَشَمَّتَّهُ، وَعَطَسْتُ فَلَمْ تُشَمِّتْنِي؟ فَقَالَ: هَذَا حَمِدَ اللهَ، وَإِنَّكَ لَمْ تَحْمَدِ اللهَ. (متفقٌ عَلَيْهِ)

ترجمہ:- حضرت اُنس رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پاس دوآدمیوں کو چھینک آئی، ان میں سے ایک کو تو حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے جواب میں ''یرحمک اللہ'' کہا، اور دوسرے کو نہیں کہا۔ تو جس کو ''یرحمک اللہ'' نہیں کہا تھا، اس نے شکایت کی کہ: اے اللہ کے رسول! آپ نے فلاں کو ''یرحمک اللہ'' کہا، اور مجھے نہیں کہا؟ تو حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا: اس نے ''الحمد للہ'' کہا تھا (اس لئے میں نے ''یرحمک اللہ'' کہا) اور تو نے ''الحمد للہ'' نہیں کہا۔

۸۸۲:- وعن أَبِي هريرة رضی اللہ تعالیٰ عنہ قَالَ: كَانَ رسول الله صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم إِذَا عَطَسَ وَضَعَ يَدَهُ أَوْ ثَوْبَهُ عَلَى فِيهِ، وَخَفَضَ - أَوْ غَضَّ - بِهَا صَوْتَهُ. شك الراوي.

(رواه أبو داود والترمذي، وقال: حديث حسن صحيح)

ترجمہ:- حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو جب چھینک آتی تھی، تو اپنا ہاتھ یا کپڑا اپنے منہ پر رکھ لیتے تھے، اور اپنی آواز کو پست کرتے تھے۔

افادات:- معلوم ہوا کہ جب چھینک آئے تو ہاتھ یا کپڑا منھ پر رکھ لینا چاہیے، اس کی وجہ یہ ہے کہ کبھی ایسا ہوتا ہے کہ چھینک کے اندر بلغم یا تھوک کا کچھ حصہ باہر آتا ہے، اور قریب والے آدمی کے چہرے یا اس کے کپڑوں پر جا گرتا ہے، اور یہ چیز اس کے لئے ناگواری کا باعث ہوتی ہے، اس لئے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا یہی معمول تھا اور تعلیم بھی یہی ہے۔ اور دوسری بات یہ بھی ہے کہ چھینک کی سخت آواز بھی کپڑا رکھنے کی وجہ سے دب جائے گی، اس لئے کہ بعض مرتبہ اس آواز کی وجہ سے چھوٹا بچہ ڈر جاتا ہے اور رونے لگتا ہے، اس لئے آواز کو پست کرنے کی تعلیم ہے۔

۸۸۳:- وعن أَبِي موسى رضی اللہ تعالیٰ عنہ قَالَ: كَانَ الْيَهُودُ يَتَعَاطَسُونَ عِنْدَ

رسول اللهِ ﷺ، يَرْجُونَ أَنْ يَقُولَ لَهُمْ: يَرْحَمُكُمُ الله، فَيَقُولُ: يَهْدِيكُمُ اللهُ وَيُصْلِحُ بَالَكُمْ. (رواه أبو داود والترمذي، وقال: حديث حسن صحيح)

ترجمہ:- حضرت ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ یہودی رسول اللہ ﷺ کی مجلس میں آکر اس امید پر چھینکیں کھایا کرتے تھے کہ حضور اکرم ﷺ جواب میں ان کو ''یرحمک اللہ'' کہیں، لیکن حضور اکرم ﷺ ان کو ''یرحمک اللہ'' نہیں کہتے تھے، بلکہ ''یَهْدِيكُمُ اللهُ وَيُصْلِحُ بَالَكُمْ'' کہا کرتے تھے کہ اللہ تمہیں ہدایت دے اور تمہارا حال ٹھیک کرے۔ (یہودیوں کی شرارتیں چلتی رہتی تھیں۔)

۸۸۴:- وعن أبي سعيد الخدري رضی اللہ تعالیٰ عنہ قَالَ قَالَ رسول الله ﷺ: إِذَا تَثَاءَبَ أَحَدُكُمْ فَلْيُمْسِكْ بِيَدِهِ عَلَى فِيهِ، فَإِنَّ الشَّيْطَانَ يَدْخُلُ. (رواه مسلم)

ترجمہ:- حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا: تم میں سے جب کسی کو جمائی آئے، تو اپنا ہاتھ منہ پر رکھ لے، اس لئے کہ جس وقت منہ کھولتا ہے تو شیطان اندر گھستا ہے۔

افادات:- اس سے یہ بھی معلوم ہوا کہ جمائی آئے اس وقت بھی ہاتھ رکھ لینا چاہیے، اور ادب یہ ہے کہ بایاں ہاتھ رکھے، تاکہ اگر کوئی ملوث کرنے والی چیز ہو تو بایاں ہاتھ ملوث ہو، دایاں ہاتھ ملوث ہونے کی نوبت نہ آئے۔

استحباب المصافحة عند اللقاء وبشاشة الوجه وتقبيل يد الرجل الصالح، وتقبيل ولده شفقة ومعانقة القادم من سفر وكراهية الانحناء

ملاقات کے وقت مصافحہ کا مستحب ہونا
چہرے کو مسکراتا ہوا رکھنا
نیک آدمی کے ہاتھ چومنا، اور اپنی اولاد کو محبت سے بوسہ دینا
اور اگر کوئی آدمی سفر سے واپس آئے تو اس سے معانقہ کرنا
اور جھکنے کا ناپسندیدہ ہونا

۲۵؍رجب المرجب ۱۴۲۲ھ بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ ۱۳؍اکتوبر ۲۰۰۱ء

سلام کا بیان چل رہا ہے اور چوں کہ مصافحہ بھی سلام کی تکمیل ہی ہے، اس لئے جب کسی آدمی سے ملاقات ہو تو سلام کے ساتھ مصافحہ بھی کرنا مستحب ہے۔ اور مسکراتے ہوئے چہرے کے ساتھ سلام کرنا چاہیے، ایسا نہیں کہ سلام تو کر رہے ہیں لیکن منھ بگڑا ہوا ہے، اس سے تو سلام کا سارا مزا ہی کرکرا ہو جاتا ہے۔ اور سلام کے وقت نیک آدمی کا ہاتھ اس کی تعظیم اور ادب کے طور پر چومنا بھی اچھا ہے۔ اور اگر چھوٹا بچہ ہے تو اس کو شفقت اور محبت کی وجہ سے چومنا بھی پسندیدہ ہے۔ اور کوئی آدمی اگر سفر سے آیا ہے تو اس سے معانقہ کرنا۔ اور آدمی سلام اس طرح نہ کرے کہ پورا جھک جائے جس کو فرشی سلام کہتے ہیں۔ اگر جھکنے کی شکل پیدا ہو جائے تو اس کی اجازت نہیں ہے۔

مصافحہ دونوں ہاتھ سے کرنا ہی سنت ہے

۸۸۵:- عن أَبي الخطاب قتادة رضی اللہ تعالیٰ عنہ قَالَ: قُلْتُ لأَنَسٍ: أَكَانَتِ المُصَافَحَةُ فی أَصْحَابِ رسولِ اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم؟ قَالَ: نَعَمْ. (رواہ البخاری)

ترجمہ:- حضرت قتادہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ میں نے حضرت اُنس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے پوچھا: کیا نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے صحابہ کے درمیان مصافحہ کا رواج اور دستور تھا؟ کہا: جی ہاں۔

افادات:- جب دو آدمی آپس میں ملیں اس وقت ان کو دونوں ہاتھوں سے مصافحہ کرنا چاہیے۔ ''مصافحہ'' یعنی ایک آدمی کی ہتھیلی والا حصہ دوسرے آدمی کی ہتھیلی والے حصہ سے ملایا جائے۔ ہتھیلی ''صَفْحَةُ الْيَدِ'' کہلاتی ہے۔ اور مصافحہ کی کامل سنت یہ ہے کہ داہنے ہاتھ سے کیا جائے اور دونوں ہاتھ سے کیا جائے۔

بعض حضرات فرماتے ہیں کہ چوں کہ ایک ہاتھ سے مصافحہ کرنا غیروں کا شعار اور

ان کا طریقہ ہے؛اس لئے اس سے بچا جائے۔

بعض لوگ دو ہاتھوں سے مصافحہ کرنے کو بدعت قرار دیتے ہیں؛ان کی یہ بات صحیح نہیں ہے۔وہ لوگ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی روایت پیش کرتے ہیں۔ حالاں کہ امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے تو مصافحہ کا مستقل باب قائم کیا ہے جس میں مصافحہ کا سنت ہونا بتلایا ہے،اور پھر دوسرا باب قائم کیا: ’’بَابُ الْأَخْذِ بِالْيَدَيْنِ‘‘ یعنی دونوں ہاتھوں سے مصافحہ کرنا،اوراس میں انہوں نے یہ اثر ذکر فرمایا:حضرت حماد بن سلمہ رحمۃ اللہ علیہ جو بہت بڑے محدّث گزرے ہیں،انہوں نے حضرت عبداللہ بن مبارک رحمۃ اللہ علیہ کے ساتھ دونوں ہاتھوں سے مصافحہ کیا۔اور پھر حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی یہ روایت بھی لائے کہ نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے مجھ کو ایسی حالت میں تشہد سکھلائی کہ میرا ہاتھ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے دونوں ہاتھوں میں تھا۔یہ روایت بخاری شریف میں موجود ہے۔(بخاری،حدیث:۶۲۶۵)

’’میرا ہاتھ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے دونوں ہاتھوں میں تھا‘‘ سے استدلال کرتے ہوئے غیر مقلدین یوں کہتے ہیں کہ ایک ہاتھ سے مصافحہ کرنا چاہیے۔ارے بھائی! جب صراحت موجود ہے کہ میرا ہاتھ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے **’’دونوں ہاتھوں‘‘** میں تھا؛ تو اب کچھ بھی کہنے کی گنجائش کہاں باقی رہتی ہے؟اور رہا ان کا یہ کہنا کہ ’’كَفِّي‘‘ ’’میرا ہاتھ‘‘! تو اس میں اس بات کی تصریح کہاں ہے کہ انہوں نے ایک ہی ہاتھ سے مصافحہ کیا تھا۔

دوسری بات یہ ہے کہ اس سے یہ بھی لازم نہیں آتا کہ ان کا ایک ہی ہاتھ ہوگا، خاص کر جبکہ حضراتِ صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ ادب وتعظیم کا جو معاملہ کرتے تھے اس کے پیشِ نظر یہ کیسے ہوسکتا ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تو اپنے دونوں ہاتھ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے سامنے بڑھائیں اور وہ اپنا صرف ایک ہی ہاتھ دیں!۔

یہاں حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے جو کہا، اس کی وجہ دراصل یہ ہے کہ وہ اپنے لئے فخر کی ایک چیز بیان کرر ہے ہیں۔ ویسے تو حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے بھی دونوں ہاتھ تھے، اورانھوں نے بھی دونوں ہاتھ ہی بڑھائے تھے؛ تو اب یہ بھی کہہ سکتے تھے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ایک ہاتھ میرے دونوں ہاتھوں میں تھا۔ اس لئے کہ جب بھی دو آدمی مصافحہ کریں گے، تو ہر ایک کا ایک ہی ہاتھ دوسرے کے دونوں ہاتھوں میں ہوگا۔ اب یہاں تعبیر کی ایک شکل یہ تھی کہ عبداللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ یوں کہتے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا دستِ مبارک میرے دونوں ہاتھوں میں تھا۔ لیکن چوں کہ اپنی سعادت اور فخر کے طور پر ایک چیز بیان کرتے ہیں، اوراس تعبیر میں سعادت زیادہ ہے کہ میرا ہاتھ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے دو ہاتھوں میں تھا، اس لئے انہوں نے یہ تعبیر اختیار کی، اس سے یہ لازم نہیں آتا کہ مصافحہ کے وقت ان کا ایک ہی ہاتھ تھا۔ اور اگر مان لو کہ ایک ہی ہاتھ تھا تب بھی حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے تو دونوں ہاتھ اسی روایت سے ثابت ہورہے ہیں۔

ہمارے شیخ الشیخ حضرت مولانا خلیل احمد سہارنپوری رحمۃ اللہ علیہ بھوپال تشریف لے گئے وہاں کچھ غیر مقلدین ملاقات کے لئے آئے اور ایک ہاتھ سے مصافحہ کرنا چاہا، تو حضرت رحؒ نے دونوں ہاتھ بڑھا کر فرمایا: مصافحہ اس طرح ہوتا ہے۔ اس پر ان میں سے ایک آدمی فوراً بول پڑا کہ حضرت ابن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی روایت کے الفاظ ہیں: ”کَانَ کَفِّیْ بَیْنَ کَفَّیْہِ الخ“، میرا ہاتھ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے دونوں ہاتھوں میں تھا۔ تو حضرت مولانا خلیل احمد صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا: حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے تو دو ہی ہاتھ تھے نا! اب غور کرلو کہ سنت پر ہم عمل کررہے ہیں، یا آپ؟ نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا عمل تو دونوں ہاتھوں سے مصافحہ ہی ثابت ہوتا ہے۔ بہرحال! دونوں ہاتھوں سے مصافحہ کو سنت قرار دیا گیا ہے۔

مصافحہ کے موجد

۸۸۶:-وعن أنس رضی اللہ تعالیٰ عنہ قَالَ: لَمَّا جَاءَ أَهْلُ الْيَمَنِ، قَالَ رسولُ الله صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم: قَدْ جَاءَكُمْ أَهْلُ الْيَمَنِ. وَهُمْ أَوَّلُ مَنْ جَاءَ بِالْمُصَافَحَةِ. (رواه أبو داود بإسناد صحيح)

ترجمہ:- حضرت أنس رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ یمن کے لوگ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے، حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: تمہارے پاس یمن والے آئے، اور یہی وہ لوگ ہیں جو سب سے پہلے مصافحہ کا طریقہ لائے۔

۸۸۷:-وعن البراء رضی اللہ تعالیٰ عنہ قَالَ قَالَ رسولُ الله صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم: مَا مِنْ مُسْلِمَيْنِ يَلْتَقِيَانِ فَيَتَصَافَحَانِ إِلاَّ غُفِرَ لَهُمَا قَبْلَ أَنْ يَفْتَرِقَا. (رواه أبو داود)

ترجمہ:- حضرت براء رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا: دو مسلمان جب آپس میں ملتے ہیں اور مصافحہ کرتے ہیں، تو جدا ہونے سے پہلے دونوں کی مغفرت کر دی جاتی ہے۔

افادات:- دیکھو! مصافحہ کی کتنی بڑی فضیلت ہے! لیکن ساتھ میں سلام بھی کرنا چاہیے، اس لئے کہ مصافحہ تو سلام کی تکمیل ہے، صرف مصافحہ کرے اور سلام نہ کرے؛ ایسا نہیں ہونا چاہیے۔

مصافحہ، معانقہ، بوسہ: کیا کرے، کیا نہیں؟

۸۸۸:-وعن أنس رضی اللہ تعالیٰ عنہ قَالَ: قَالَ رَجُلٌ: يَا رسولَ الله! الرَّجُلُ مِنَّا يَلْقَى أَخَاهُ، أَوْ صَدِيقَهُ، أينحَنِي لَهُ؟ قَالَ: لاَ. قَالَ: أَفَيَلْتَزِمُهُ وَيُقَبِّلُهُ؟ قَالَ: لاَ. قَالَ: فَيَأْخُذُ بِيَدِهِ وَيُصَافِحُهُ؟ قَالَ: نَعَمْ. (رواه الترمذي، وقال: حديث حسن)

ترجمہ:- حضرت أنس رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ ایک آدمی نے عرض کیا: اے اللہ کے

رسول! ہم میں سے کوئی آدمی اپنے مسلمان بھائی یا کسی دوست سے ملاقات کرتا ہے، تو کیا اس وقت جھک سکتا ہے؟ نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا: نہیں۔ اس نے کہا: اس سے معانقہ کر کے اس کو بوسہ دے سکتا ہے؟ تو نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا: نہیں۔ اس آدمی نے پوچھا: اچھا! اس کا ہاتھ پکڑ کر مصافحہ کر سکتا ہے؟ تو نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا: جی ہاں! یہ کر سکتا ہے۔

دست بوسی وقدم بوسی

۸۸۹:- وعن صَفْوَانَ بن عَسَّالٍ رضی اللہ تعالیٰ عنہ قَالَ: قَالَ يَهُودِيٌّ لِصَاحِبِهِ: اذْهَبْ بِنَا إِلَى هَذَا النَّبِيِّ، فَأَتَيَا رسولَ الله صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم، فَسَأَلاهُ عَنْ تِسْعِ آيَاتٍ بَيِّنَاتٍ ...فَذَكَرَ الْحَدِيثَ إِلَى قَوْلِهِ: فقَبَّلا يَدَهُ وَرِجْلَهُ، وقالا: نَشْهَدُ أَنَّكَ نَبِيٌّ.

(رواه الترمذي وغيره بأسانيد صحيحةٍ)

ترجمہ:- حضرت صفوان بن عسال رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ ایک یہودی نے اپنے ایک ساتھی سے کہا: ہمیں اس نبیٔ (یعنی حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کے پاس لے چلو۔ دونوں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے، اور انہوں نے ''تِسع آیاتٍ بَیِّنَاتٍ'' یعنی نو آیاتِ بینات کے متعلق سوال کیا (یہ ایک لمبی روایت ہے جس کو مختصر کرتے ہوئے علامہ نووی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ) حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ان کے سوالات کے جوابات دیئے، تو ان دونوں نے نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے دستِ مبارک اور پاؤں کو بوسہ دیا، اور کہنے لگے: ہم اس بات کی گواہی دیتے ہیں کہ آپ اللہ کے نبی ہیں۔

افادات:- بس! یہاں اس روایت کو لا کر یہ بتلانا چاہتے ہیں کہ انہوں نے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے دستِ مبارک کو بوسہ دیا معلوم ہوا کہ کوئی آدمی قابلِ تعظیم ہو، جیسے: استاذ، باپ، یا کوئی بڑا عالم؛ تو اس کے ہاتھ کو بوسہ دے سکتے ہیں، اسی طریقہ سے ماں باپ کے پاؤں کو بھی بوسہ دے سکتے ہیں، لیکن کوئی ایسی شکل جو عبادت کی ہو، وہ نہ پائی

جانی چاہیے، اس سے بچتے ہوئے اس کی اجازت ہے۔

۸۹۰:-وعن ابن عمر رضی اللہ عنہما قِصَّة ،قَالَ فِيهَا : فَدَنَوْنَا مِنَ النَّبِيِّ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم فَقَبَّلْنَا يَدَهُ (رواه أبو داود)

ترجمہ:- حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے بھی ایک قصہ نقل کیا جاتا ہے (اس قصے کو یہاں انہوں نے چھوڑ دیا ہے) اخیر میں یہ ہے کہ ہم نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے قریب ہوئے اور آپ کے دست مبارک کو بوسہ دیا۔

یہاں یہ روایت اسی نسبت سے لائے ہیں کہ ہاتھ کو بوسہ دیا جا سکتا ہے۔

۸۹۱:-وعن عائشة رضی اللہ عنہا قالت: قَدِمَ زَيْدُ بْنُ حَارِثَةَ الْمَدِينَةَ وَرسولُ الله صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم فِي بَيْتِي، فَأَتَاهُ فَقَرَعَ البَابَ، فَقَامَ إِلَيْهِ النبيُّ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم يَجُرُّ ثَوْبَهُ، فَاعْتَنَقَهُ وَقَبَّلَهُ. (رواه الترمذي، وقال: حديث حسن)

ترجمہ:- حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ حضرت زید بن حارثہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ جب مدینہ منورہ آئے تو (آتے ہی) نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے، اس وقت حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم میرے مکان میں تشریف فرما تھے، انہوں نے آ کر حضور کے مکان کا دروازہ کھٹکھٹایا، تو حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اپنا کپڑا گھسیٹتے ہوئے اٹھے اور حضرت زید کو گلے سے لگایا اور بوسہ دیا۔

افادات:- اس سے معانقہ یعنی گلے سے لگانا اور بوسہ دینے کو بتلانا چاہتے ہیں۔

۸۹۲:-وعن أَبِي ذَرٍّ رضی اللہ تعالیٰ عنہ قَالَ قَالَ لی رسول الله صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم: لَا تَحْقِرَنَّ مِنَ الْمَعْرُوفِ شَيْئاً، وَلَوْ أَنْ تَلْقَى أَخَاكَ بِوَجْهٍ طَلْقٍ. (رواه مسلم)

ترجمہ:- حضرت ابوذر رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے مجھ سے فرمایا: کسی بھی نیکی کے کام کو معمولی نہ سمجھو، چاہے اپنے بھائی سے ہنستے چہرے کے ساتھ ملاقات ہی کیوں نہ ہو۔

افادات:- بعض مرتبہ آدمی کسی کام کو یہ سمجھ کر چھوڑ دیتا ہے کہ یہ چھوٹا سا تو کام

ہے، اس کو کیا کریں! پہلے بھی بتلایا جاچکا ہے کہ نیکی بہر حال نیکی ہے، ہوسکتا ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ کی خوشنودی اور اللہ تعالیٰ کی طرف سے بندے کی مغفرت کا پروانہ حاصل ہونے کا ذریعہ بن جائے۔ اس لئے کہ کب کونسی نیکی اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں قبول ہوتی ہے، اس کے متعلق کوئی بات گارنٹی سے کہی نہیں جاسکتی۔ اس لئے نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے تاکید فرمائی کہ کسی بھی نیکی کے کام کو چھوٹا سمجھ کر چھوڑ مت دو، بلکہ اس کو انجام دیدیا کرو

اس روایت سے یہ بھی معلوم ہوا کہ مسلمان بھائی سے ملاقات کے وقت اپنا چہرہ ہنستا ہوا رکھنا چاہیے، کیوں کہ ملاقات کرنا ایک مستقل نیکی ہے، اور ہنستے ہوئے چہرے کے ساتھ ملنا الگ نیکی ہے، اس پر بھی اللہ تبارک وتعالیٰ کی طرف سے ثواب ملتا ہے، اور اس سے مسلمان بھائی کا جی بھی خوش ہوتا ہے۔

یہ جذبۂ شفقت کا ہی تقاضہ ہے

۸۹۳:- وعن أبي هريرة رضی اللہ تعالیٰ عنہ قَالَ: قَبَّلَ النبيُّ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم الحَسَنَ بنَ عَلِيٍّ رضی اللہ عنہما فَقَالَ الأَقْرَعُ بن حَابِسٍ: إنَّ لِي عَشْرَةً مِنَ الْوَلَدِ مَا قَبَّلْتُ مِنْهُمْ أحَداً. فقَالَ رسول الله صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم: مَنْ لاَ يَرْحَمُ لاَ يُرْحَمُ! (متفقٌ عَلَيْهِ)

ترجمہ:- حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے (اپنے نواسے حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کے صاحبزادے) حضرت حسن بن علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو بوسہ دیا (دیہات کے رہنے والے ایک صحابی حضرت) اقرع بن حابس رضی اللہ تعالیٰ عنہ وہاں موجود تھے، انہوں نے کہا: میرے دس بچے ہیں، لیکن میں نے تو آج تک کسی ایک کو بھی بوسہ نہیں دیا! تو نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: جو آدمی رحم، شفقت اور مہربانی کا معاملہ نہیں کرتا، اس کے ساتھ بھی اللہ تعالیٰ کی طرف سے رحم اور شفقت کا معاملہ نہیں کیا جاتا۔

افادات:- بعض روایتوں میں یہ بھی ہے: ’’أَوَأَمْلِكُ لَكَ أَنْ نَزَعَ اللّٰهُ مِنْ قَلْبِكَ الرَّحْمَةَ.(بخاری شریف: باب رَحْمَةِ الْوَلَدِ وَتَقْبِيلِهِ وَمُعَانَقَتِهِ.) ‘‘تمہارے دل سے اللہ تعالیٰ نے شفقت نکال دی؛ تو اس کا میرے پاس کیا علاج ہے؟ مطلب یہ ہے کہ یہ تو شفقت اورمہربانی کا تقاضہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے بندوں کے دلوں میں یہ جذبہ پیدا کیا ہے، اور اس جذبہ کا تقاضا یہ ہے کہ جب اس کے سامنے کوئی چھوٹا بچہ آتا ہے تو اس کا جی چاہتا ہے کہ محبت سے اس کو بوسہ دے۔

چوں کہ انہوں نے باب کا جو عنوان قائم کیا تھا اس میں بچوں کو محبت سے بوسہ دینا بھی تھا، اسی نسبت سے یہ روایت لائے ہیں۔

كتابُ عيادةِ الْمَرِيْض، وتشييع الميت، والصلاة عليه، وحضور دفنه، والمكث عند قبره بعد دفنه الخ

بیمار کی خبر گیری اور تیمارداری۔ کوئی انتقال کر جائے تو اس کے جنازہ کے ساتھ جانا۔ جنازہ کی نماز پڑھنا۔ تدفین کے وقت حاضر رہنا، دفن کے بعد اس کی قبر کے پاس تھوڑی دیر ٹھہر جانا ''دعائے تَثَبُّت'' یعنی نکیرین کے سوال کے وقت اس کے ثابت قدم رہنے کی دعا کرنا

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

باب عیادۃ المریض

’’عیادت‘‘ حقِ مسلم سمجھ کر کریں، رواجِ سماج سمجھ کر نہیں

بیمار کی عیادت بھی ایک مستقل نیکی کا کام ہے اور جو حقوق ایک مؤمن کے دوسرے پر لازم کئے گئے ہیں ان میں سے ایک یہ بھی ہے۔ اللہ تعالیٰ کی خوشنودی اور رضامندی کا ذریعہ ہے، اور اللہ تعالیٰ نے اس کا حکم دیا ہے؛ یہ سمجھ کر آدمی کو بیمار کی عیادت کے لئے جانا چاہیے۔

ایک بات خاص طور پر یاد رکھنی چاہیے کہ بعض نیکی کے کام وہ ہیں جن کو ہم انجام تو دیتے ہیں، لیکن اپنے معاشرہ کے رواج اور چلن کی وجہ سے جس وقت ان کاموں کو انجام دے رہے ہوتے ہیں تب ہمارے دل میں یہ خیال بھی نہیں ہوتا کہ ہم نیکی کر رہے ہیں، بلکہ عام طور پر ہم ایک رسم و رواج کے طور پر اور بدلہ کی کارروائی کے طور پر کرتے ہیں۔ جیسے: ایک آدمی بیمار ہوا تو ہم سب اس کی خبر گیری کے لئے جاتے ہیں، ہمارے معاشرہ میں یہ سلسلہ ہے، لیکن عام طور پر آدمی سوچتا ہے کہ جب میں بیمار ہوا تھا تو یہ آدمی میری خبر پوچھنے کے لئے میرے گھر آیا تھا۔ میرا بیٹا بیمار ہوا تھا تب بھی آیا تھا، چلو! اب مَیں بھی اس کے پاس ہو آؤں۔ حالاں کہ یہ ایک مؤمن کا حق ہے، اور اللہ تعالیٰ نے ایمان والی نسبت سے اہلِ ایمان کے درمیان ایک عالمی رشتہ قائم کیا ہے، اور ایمان والوں کی مستقل برادری اور پریوار (પરીવાર) بنایا ہے، اسی نسبت سے آپسی حقوق قائم کئے ہیں۔ تو ایک مؤمن کا دوسرے مؤمن پر یہ حق ہے کہ چاہے کوئی اور

پہچان نہ ہو، تب بھی جب معلوم ہو کہ فلاں مسلم بھائی بیمار ہے تو اس کی عیادت اور خبر گیری کے لئے جائے، اور اسی حیثیت سے جانا چاہیے، اسی طرح جنازہ میں شرکت بھی اسی حیثیت سے ہونی چاہیے۔

نیت ٹٹول لیں

بعض چیزیں ایسی ہیں جن کا ہماری سوسائٹی اور سماج میں چلن ہے، ہم ان چیزوں کو انجام دیتے ہیں، جیسے: رشتہ داروں کے ساتھ موقعہ آنے پر بھلائی کا سلوک کرلیتے ہیں، کسی کا انتقال ہوا تو جنازہ میں حاضری دیدیتے ہیں، کوئی بیمار ہوا تو اس کی خبر گیری کے لئے جاتے ہیں، لیکن عام طور پر ایسا مزاج بنتا جارہا ہے کہ یہ کام ہم اللہ تعالیٰ کا حکم سمجھ کر نہیں، بلکہ ایک رسم ورواج اور بدلہ کی کارروائی کے طور پر کرتے ہیں۔ اگر ایسے جذبہ سے کریں گے تو پھر وہ عبادت نہیں کہلائے گی اور اس پر اللہ تبارک وتعالیٰ کی طرف سے اجر وثواب نہیں ملے گا۔

شیطان ہمارا ازلی دشمن ہے، وہ ہماری ہر چیز میں اس بات کی کوشش کرتا ہے کہ ہمیں نقصان پہنچے۔ اب دیکھئے! یہ سب نیکی کے کام ہیں اور ہمیں اس کی تاکید کی گئی ہے نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے بڑے اہتمام سے اس کا حکم دیا ہے جیسا کہ روایتوں میں موجود ہے، اور ہم ان کاموں کو انجام بھی دیتے ہیں، لیکن جس وقت ہم ان کاموں کو انجام دے رہے ہوتے ہیں اس وقت ہمارے دل میں دور دور بھی یہ خیال نہیں ہوتا کہ ہم یہ اس لئے کررہے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کا حکم ہے، نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی سنت ہے، اور شریعت نے مؤمن ہونے کی حیثیت سے ہم پر یہ حق لازم کیا ہے؛ بلکہ دوسرے جذبات اور خیالات کارفرما ہوتے ہیں، تو پھر وہ اجر وثواب اور بڑے بڑے وعدے جو اللہ تعالیٰ کی طرف

سے ان اعمال پر کئے گئے ہیں حاصل نہیں ہوں گے۔ اس لئے بڑی بڑی نیکیاں جن کا آگے ذکر آرہا ہے ان پر اجر وثواب اسی صورت میں حاصل ہوگا جب ہم ان کو اللہ تعالیٰ کا حکم سمجھ کر، اور ایک مؤمن کا حق سمجھتے ہوئے اللہ ہی کے واسطے انجام دیں گے، اگر رسم ورواج یا بدلہ کی کاروائی کے طور پر کریں گے؛ تو یہ چیز حاصل نہیں ہوگی۔ لہٰذا جب ہم وہ کام کرہی رہے ہیں تو اس بات کا خاص اہتمام کرنا چاہیے۔ ہمارے اکابر اس کا بڑا اہتمام کرتے تھے۔

بنیاد وہی ہو

حضرت مولانا بدر عالم صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے متعلق سنا کہ: ایک مرتبہ ایک جنازہ میں جانے سے پہلے سوچنے لگے کہ اس جنازہ میں کس لئے جا رہا ہوں؟ فلاں کا باپ ہے، فلاں کا بھائی ہے، فلاں کا بیٹا ہے؛ اس لئے جا رہا ہوں؟ یا ایک مؤمن کا جنازہ ہے اس لئے جا رہا ہوں۔ عام طور پر جب ہم لوگ جنازوں میں جاتے ہیں، تو اس کے پسِ پردہ یہی چیز مؤثر ہوتی ہے کہ فلاں کے ابا کا انتقال ہوا اس لئے چلو، یعنی اگر یہ اس کا باپ نہ ہوتا تو ہم نہ جاتے۔ حالاں کہ شریعت نے ہمیں جو تعلیم دی ہے اس میں یہ نکتہ ملحوظ رکھنے کے لئے کہا ہے کہ ایک مؤمن ہونے کی حیثیت سے آپ جائیے، اس کے ساتھ ساتھ کسی اور حیثیت کو بھی ملحوظ رکھنے میں کوئی حرج کی بات نہیں ہے، لیکن اصل بنیاد وہی ہونی چاہیے۔

ہمیں حضور نے حکم دیا......

۸۹۴:- عن البَرَاءِ بن عازِبٍ رضی اللہ عنہما قَالَ: أَمَرَنَا رسولُ اللهِ صلی اللہ علیہ وسلم بِعِيَادَةِ الْمَرِيضِ وَاتِّبَاعِ الجَنَازَةِ، وَتَشْمِيتِ العَاطِسِ، وَإِبْرَارِ الْمُقْسِمِ، وَنَصْرِ المَظْلُومِ،

وَإِجَابَةِ الدَّاعِي وَإِفْشَاءِ السَّلَامِ. (متفقٌ عَلَيْهِ)

ترجمہ:- حضرت براء بن عازب رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے ہمیں بیمار کی خبر گیری، جنازوں کے ساتھ چلنے، کوئی آدمی چھینک کھا کر الحمد للہ کہے تو اس کے جواب میں یرحمک اللہ کہنے، قسم دینے والے کو اس کی قسم میں بری کرنے، مظلوم کی مدد کرنے، دعوت دینے والے کی دعوت قبول کرنے، اور سلام کو پھیلانے کا حکم دیا ہے۔

افادات:- چوں کہ بیماری کی حالت میں بیمار کے اندر ایک خاص شکستگی پیدا ہوجاتی ہے، آدمی اپنی طبیعت پر تنگی اور پریشانی محسوس کرتا ہے، آپ جب اس کی عیادت اور خبر گیری کے لئے جائیں گے تو اس کی وجہ سے اس کو خوشی اور فرحت محسوس ہوگی۔

قسم دینے والے کو اس کی قسم میں بری کرنا۔ مثلاً: کسی آدمی نے آپ کو قسم دے کر کسی چیز کا مطالبہ کیا اور آپ اس کا مطالبہ پورا کر سکتے ہیں، اگر آپ اس کام کو انجام نہیں دیں گے تو اندیشہ یہ ہے کہ وہ اپنی قسم میں حانث ہوجائے گا، اور اس پر کفارہ واجب ہوجائے گا؛ تو اس کو اس کی قسم میں حانث ہونے اور کفارہ واجب ہونے سے بچانے کے لئے آپ کو چاہیے کہ وہ کام کردیں۔

یہاں یہ روایت اس لئے پیش کی ہے کہ اس میں پہلے نمبر پر بیمار کی خبر گیری کے لئے جانے کا حکم دیا گیا ہے۔

مسلمان کے مسلمان پر پانچ حقوق

۸۹۵:- وعن أبي هريرة رضی اللہ تعالیٰ عنہ أنّ رسول الله صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم قَالَ: حَقُّ الْمُسْلِمِ عَلَى الْمُسْلِمِ خَمْسٌ: رَدُّ السَّلَامِ، وَعِيَادَةُ الْمَرِيضِ، وَاتِّبَاعُ الْجَنَائِزِ، وَإِجَابَةُ الدَّعْوَةِ، وَتَشْمِيتُ الْعَاطِسِ. (متفقٌ عَلَيْهِ)

ترجمہ:- حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا: ایک مسلمان کے دوسرے مسلمان کے اوپر پانچ حقوق ہیں:- سلام کا جواب دینا (یہ واجب ہے) بیمار کی خبری گیری کرنا۔ جنازہ کے ساتھ جانا۔ دعوت کو قبول کرنا۔ چھینک کھانے والا ''الحمد للہ'' کہے تو ''یرحمک اللہ'' سے جواب دینا۔

افادات:- اگر کوئی خبر گیری کرنے والا نہیں ہے، اور خبر گیری نہ کرنے کی صورت میں اس کے ضائع ہو جانے کا اندیشہ ہے، تو اس کی خبر گیری ضروری ہے، اگر کوئی نہیں کرے گا اور فوت ہو جائے گا تو سب گنہگار رہوں گے۔ اور اگر کوئی ایسا خبر گیری کرنے والا ہے کہ یہ ضائع ہونے سے بچ جائے گا تو دوسروں کے لئے سنت ہے۔

بندہ سے اللہ تعالیٰ کی شکایت

۸۹۶:- وعنه، قَالَ: قَالَ رسولُ الله صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم: إنَّ اللهَ -عزوجل- يَقُولُ يَوْمَ الْقِيَامَةِ: يَا ابْنَ آدَمَ! مَرِضْتُ فَلَمْ تَعُدْنِي! قَالَ: يَا رَبِّ! كَيْفَ أَعُودُكَ وَأَنْتَ رَبُّ الْعَالَمِينَ؟! قَالَ: أَمَا عَلِمْتَ أَنَّ عَبْدِي فُلاَناً مَرِضَ فَلَمْ تَعُدْهُ! أَمَا عَلِمْتَ أَنَّكَ لَوْ عُدْتَهُ لَوَجَدْتَنِي عِنْدَهُ! يَا ابْنَ آدَمَ، اسْتَطْعَمْتُكَ فَلَمْ تُطْعِمْنِي! قَالَ: يَا رَبِّ، كَيْفَ أُطْعِمُكَ وَأَنْتَ رَبُّ الْعَالَمِينَ؟! قَالَ: أَمَا عَلِمْتَ أَنَّهُ اسْتَطْعَمَكَ عَبْدِي فُلانٌ فَلَمْ تُطْعِمْهُ! أَمَا عَلِمْتَ أَنَّكَ لَوْ أَطْعَمْتَهُ لَوَجَدْتَ ذَلِكَ عِنْدِي! يَا ابْنَ آدَمَ، اسْتَسْقَيْتُكَ فَلَمْ تَسْقِنِي! قَالَ: يَا رَبِّ، كَيْفَ أَسْقِيكَ وَأَنْتَ رَبُّ الْعَالَمِينَ؟! قَالَ: اسْتَسْقَاكَ عَبْدِي فُلاَنٌ فَلَمْ تَسْقِهِ! أَمَا عَلِمْتَ أَنَّكَ لَوْ سَقَيْتَهُ لَوَجَدْتَ ذَلِكَ عِنْدِي! (رواہ مسلم)

ترجمہ:- حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد

فرمایا: قیامت کے روز اللہ تعالیٰ انسان سے کہیں گے: اے ابن آدم! میں بیمار ہوا تو میری خبر لینے کے لئے نہیں آیا؟ انسان کہے گا: باری تعالیٰ! میں آپ کی خبر لینے کیسے آتا؟ آپ تو سارے جہانوں کے پالنے والے ہیں، آپ کہاں بیمار ہو سکتے ہیں۔ باری تعالیٰ فرمائیں گے: تجھے معلوم نہیں کہ میرا فلاں بندہ بیمار ہوا تھا، لیکن تو اس کی خبر لینے کے لئے نہیں گیا تھا۔ تجھے معلوم نہیں کہ اگر تو اس کی عیادت کے لئے جاتا، تو مجھے بھی اس کے پاس پاتا (**یعنی میری رضامندی تجھے حاصل ہوتی**)۔

پھر باری تعالیٰ فرمائیں گے: اے انسان! میں نے تجھ سے کھانا مانگا تھا لیکن تو نے مجھ کو کھانا نہیں دیا؟ انسان عرض کرے گا: باری تعالیٰ! میں بھلا آپ کو کیا کھانا دیتا؟ آپ تو سارے جہانوں کے پالنے والے ہیں۔ باری تعالیٰ فرمائیں گے: کیا تجھے معلوم نہیں کہ میرے فلاں بندے نے تجھ سے کھانا مانگا تھا اور تو نے اس کو کھانا نہیں دیا تھا۔ کیا تجھے معلوم نہیں کہ اگر تو اس کو کھانا دیتا تو اس کو میرے پاس پاتا۔ (**یعنی کھانا دینے کا ثواب تجھے یہاں حاصل ہوتا**)۔

پھر باری تعالیٰ کہیں گے: اے انسان! میں نے تجھ سے پانی مانگا تھا تو نے مجھے پانی نہیں پلایا؟ بندہ عرض کرے گا: باری تعالیٰ! میں کیسے آپ کو پانی پلاتا؟ آپ تو سارے جہانوں کے پالنے والے ہیں؟ باری تعالیٰ فرمائیں گے: میرے فلاں بندے نے تجھ سے پانی مانگا تھا لیکن تو نے اسے پانی نہیں پلایا۔ تجھے معلوم نہیں کہ اگر تو اسے پانی پلاتا تو اس کا ثواب یہاں پاتا۔

افادات:- کیسی عجیب وغریب روایت ہے! اس سے اس بات کا پتہ چلتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کا اپنے بندوں کے ساتھ کیسا تعلق ہے کہ اللہ تعالیٰ ایک بیمار کی خبر گیری کے لئے جانے کو اس طرح تعبیر کرتے ہیں کہ گویا میری خبر لینے کے لئے آیا۔ ایک بھوکے کے کھلانے کو تعبیر کرتے ہیں کہ مجھے کھلایا، ایک پیاسے کے پانی پلانے کو تعبیر کرتے ہیں کہ مجھے پلایا۔ یہ چھوٹے چھوٹے اعمال ہیں لیکن ان کاموں کا اللہ تعالیٰ کے یہاں کتنا اونچا مقام ہے! ان پر عمل کرنے سے بڑا مقام حاصل ہوتا ہے۔

بیمار کی عیادت کے فضائل

۸۹۷:-وعن أبي موسیٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہ قال: قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم: عُودُوا المَرِيضَ، وَأَطْعِمُوا الجَائِعَ، وَفُكُّوا العَانِي. (رواہ البخاری) ((العَانِي)): الأسيرُ.

ترجمہ:- حضرت ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا: بیمار کی خبر لو، یعنی تیمارداری کے لئے جاؤ۔ بھوکے کو کھانا کھلاؤ۔ اور قیدی کو چھڑاؤ۔

افادات:- اگر کسی مسلمان بھائی کو دشمنوں نے قید کرلیا ہے تو اس کو چھڑاؤ۔ اس روایت میں بیمار کی خبر لینے کا حکم دیا گیا ہے اس لئے یہاں لائے ہیں۔ بتلانا چاہتے ہیں کہ اللہ تبارک وتعالیٰ نے بیمار کی خبر لینے کا مستقل حکم دیا ہے۔

۸۹۸:-وعن ثوبان رضی اللہ تعالیٰ عنہ عن النبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم قال: إنَّ المُسْلِمَ إِذَا عَادَ أخَاهُ المُسْلِمَ، لَمْ يَزَلْ فِي خُرْفَةِ الْجَنَّةِ حَتَّى يَرْجِعَ. قِيلَ: يَا رَسُولَ اللهِ! وَمَا خُرْفَةُ الجَنَّةِ؟ قَالَ: جَنَاهَا. (رواہ مسلم)

ترجمہ:- حضرت ثوبان رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا: ایک مسلمان جب اپنے بیمار بھائی کی خبر کے لئے جاتا ہے، تو وہ برابر جنت کے خرفہ میں رہتا ہے یہاں تک کہ واپس لوٹے۔ پوچھا گیا کہ جنت کے خرفہ کیا ہیں؟ تو ارشاد فرمایا: جنت کے میوے اور پھل۔

افادات:- گویا اس کے اس عمل پر اس کو اللہ تعالیٰ کے یہاں جنت کے پھل ملیں گے۔

دو منٹ میں ستر ہزار فرشتوں کی بارہ گھنٹوں کے لئے ڈیوٹی

۸۹۹:-وعن علیؓ رضی اللہ تعالیٰ عنہ قال: سَمِعْتُ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم يَقُولُ: مَا مِنْ مُسْلِمٍ يَعُودُ مُسْلِماً غُدْوَةً إلاَّ صَلَّى عَلَيْهِ سَبْعُونَ أَلْفَ مَلَكٍ حَتَّى يُمْسِيَ، وَإِنْ

عَادَهُ عَشِيَّةً إِلاَّ صَلَّى عَلَيْهِ سَبْعُونَ أَلْفَ مَلَكٍ حَتَّى يُصْبِحَ، وَكَانَ لَهُ خَرِيفٌ فِي الْجَنَّةِ. (رواه الترمذی، وقال: حدیث حسن)

((الْخَرِيفُ)): الثَّمرُ الْمَخْرُوفُ، أَيْ: الْمُجْتَنَى.

ترجمہ:- حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کو ارشاد فرماتے ہوئے سنا: جب کوئی مسلمان کسی مسلمان کی عیادت یعنی تیمارداری کے لئے صبح کے وقت جاتا ہے تو شام تک ستر ہزار فرشتے اس کے لئے دعائے رحمت کرتے رہتے ہیں۔ اور اگر شام کو کسی مسلمان کی خبر گیری کے لئے گیا تو صبح تک ستّر ہزار فرشتے اس کے لئے دعا کرتے ہیں۔ اور اس کے لیے جنت میں پھل اور میوے تیار ہوتے ہیں۔

افادات:- دیکھئے! کتنا بڑا ثواب ہے کہ ایک چھوٹا سا عمل اور دو منٹ کا کام ہے لیکن ستّر ہزار فرشتوں کو بارہ گھنٹے کے واسطے کام میں لگا دیا۔

غیر مسلم کی عیادت

۹۰۰:- وعن أنسٍ رضی اللہ تعالیٰ عنہ قَالَ: كَانَ غُلاَمٌ يَهُودِيٌّ يَخْدُمُ النَّبِيَّ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم، فَمَرِضَ، فَأَتَاهُ النَّبِيُّ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم يَعُودُهُ، فَقَعَدَ عِنْدَ رَأْسِهِ، فَقَالَ لَهُ: ((أَسْلِمْ)) فَنَظَرَ إِلَى أَبِيهِ وَهُوَ عِنْدَهُ؟ فَقَالَ: أَطِعْ أَبَا الْقَاسِمِ، فَأَسْلَمَ، فَخَرَجَ النَّبِيُّ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم، وَهُوَ يَقُولُ: ((الْحَمْدُ للهِ الَّذِي أَنْقَذَهُ مِنَ النَّارِ)) (رواه البخاری)

ترجمہ:- حضرت اُنس رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ ایک یہودی لڑکا نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی خدمت کرتا تھا، آپ کے کام کاج کر دیا کرتا تھا، وہ بیمار ہو گیا، جب حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کو معلوم ہوا تو آپ اس کی خبر گیری کے لئے گئے اور اس کے سرہانے بیٹھے اور اس سے کہا: اسلام لے آ۔ (اس کا باپ وہیں موجود تھا) وہ اپنے باپ کی طرف دیکھنے لگا (گویا باپ سے پوچھ رہا تھا کہ میں

ان کی بات مانوں؟) باپ نے کہا: ابوالقاسم جو کہہ رہے ہیں ان کی بات کو مان لو (یعنی ایمان لے آؤ۔ یہودی حضور ﷺ کو ابوالقاسم ہی کہا کرتے تھے) چناں چہ وہ اسلام لے آیا (اس کے بعد اس کا انتقال ہوگیا) نبی کریم ﷺ وہاں سے یہ کہتے ہوئے باہر تشریف لائے کہ اس اللہ کی تعریف ہے جس نے اسے جہنم سے چھٹکارا دیدیا (یعنی موت سے پہلے ایمان کی توفیق دی اور جہنم سے بچ گیا۔)

افادات:- اس سے معلوم ہوا کہ اگر کوئی غیر مسلم پڑوسی ہو، یا کسی غیر مسلم کے ساتھ کاروباری لائن سے، یا کسی اور نسبت سے تعلق ہو، اور وہ بیمار ہوجائے تو اس کی بھی خبر گیری اور تیمارداری کے لئے آدمی کو جانا چاہیے۔

خلاصہ یہ ہے کہ اس باب میں یہی بات بتلانا چاہتے ہیں کہ بیمار کی خبر گیری کرنے کا شریعت نے حکم دیا ہے۔ اور نبی کریم ﷺ کی سنت ہے۔

اب بیمار کے پاس جب خبر گیری کے لئے جائے تو اس کے کیا احکام ہیں، اور وہاں جا کر کیا کہنا چاہیے، اور کس طرح خبر دریافت کرنی چاہیے، اس کو اگلے باب میں بتلا رہے ہیں۔

باب ما یدعیٰ للمریض

بیمار کے لئے کیا دعا کی جائے

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

پھوڑے پھنسی اور زخم کا دم

۹۰۱:-عن عائشة رضی اللہ عنہا أَنَّ النَّبِيَّ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم كَانَ إِذَا اشْتَكَى الإِنْسَانُ الشَّيْءَ مِنْهُ ،أَوْ كَانَتْ بِهِ قَرْحَةٌ أَوْ جُرْحٌ، قَالَ النَّبِيُّ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم بِأُصْبُعِهِ هكذا -وَوَضَعَ سُفْيَانُ بْنُ عُيَيْنَةَ الرَّاوِي سَبَّابَتَهُ بِالأَرْضِ ثُمَّ رَفَعَهَا -وقال: بِسمِ اللهِ، تُرْبَةُ أَرْضِنَا، بِرِيقَةِ بَعْضِنَا، يُشْفَى بِهِ سَقِيمُنَا، بِإِذْنِ رَبِّنَا. (متفقٌ عَلَيْهِ.)

ترجمہ:- حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ جب کوئی آدمی بیمار ہوتا یعنی اس کو کوئی زخم، یا پھوڑا پھنسی ہوتی تو نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اپنی انگلی لعابِ مبارک سے تر کر کے زمین کے اوپر رکھتے (اس پر مٹی لگ جاتی) راوی حضرت سفیان بن عینیہ (جو بڑے محدث ہیں انہوں) نے انگلی زمین پر رکھی پھر اٹھا کر بتلایا (کہ اس طرح کرتے تھے۔ پھر حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اپنی وہ انگلی اس پھوڑے، پھنسی، یا زخم پر رکھتے تھے) اور یہ دعا پڑھتے تھے جس کا ترجمہ یہ ہے: اللہ کے نام سے، ہماری زمین کی مٹی، ہم میں سے کسی کے لعاب کے ذریعہ سے، ہمارے بیمار کو شفا دی جائے گی، اللہ کے حکم سے۔ (تو اس سے وہ زخم ٹھیک ہوجاتا تھا)۔

افادات:- معلوم ہوا کہ کوئی پھنسی یا زخم ہوجائے تو اس موقعہ پر ایسا کیا جائے۔ بیمار خود بھی کر سکتا ہے، اور دوسرا بھی کر سکتا ہے، بشرطیکہ کوئی شرعی رکاوٹ موجود

نہ ہو، جیسے نامحرم عورت ہو، تو وہاں یہ عمل نہیں کریں گے۔

عیادت کی دعا

۹۰۲:-وعنہا أنَّ النَّبِیَّ ﷺ کَانَ یَعُودُ بَعْضَ أَھْلِہِ یَمْسَحُ بِیَدِہِ الْیُمْنٰی، ویقولُ: اللّٰھُمَّ رَبَّ النَّاسِ، أَذْھِبِ الْبَأْسَ، اشْفِ أَنْتَ الشَّافِی لَا شِفَاءَ إِلَّا شِفَاؤُکَ، شِفَاءً لَا یُغَادِرُ سَقَماً. (متفقٌ عَلَیْہِ)

ترجمہ:- حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ نبی کریم ﷺ اپنے گھر والوں میں سے کسی کی عیادت کے لئے جب تشریف لے جاتے تو اپنا داہنا ہاتھ اس کی پیشانی یا جسم پر پھیرتے تھے اور یہ دعا پڑھتے، جس کا ترجمہ یہ ہے: اے اللہ! لوگوں کے پروردگار، بیماری دور کردے اور تندرستی دے، تو ہی تندرستی دینے والا ہے، تندرستی تیری ہی دی ہوئی ہے، ایسی تندرستی دے کہ کوئی بیماری باقی نہ رہ جائے۔

افادات:- یہ دعا بھی پڑھنی چاہیے، ہم لوگ عیادت کے لئے تو جاتے ہیں، لیکن عیادت کے موقعہ پر جو دعائیں پڑھنی چاہییں ان کا اہتمام نہیں کرتے، اس وقت ہمیں یاد ہی نہیں رہتا اور اس کا خیال ہی نہیں آتا کہ یہ دعائیں بھی یاد کرلینی چاہئیں۔ اگر عربی میں یہ دعا یاد نہ ہو تو اس کا ترجمہ اور مفہوم ہی ادا کرلیا کریں؛ تب بھی یہ دعا ہو جائے گی۔ کوئی لمبی دعا نہیں ہے، مختصر سی ہے، یاد کرلینی چاہیے۔

۹۰۳:-وعن أنسٍ رضی اللہ تعالیٰ عنہ أنہ قَالَ لِثابِتٍ رحمہ اللہُ: أَلَا أَرْقِیکَ بِرُقْیَۃِ رسول اللہ ﷺ؟ قَالَ: بَلٰی. قَالَ: اللّٰھُمَّ رَبَّ النَّاسِ، مُذْھِبَ الْبَأْسِ، اشْفِ أَنْتَ الشَّافِی، لَا شَافِیَ إِلَّا أَنْتَ، شِفَاءً لَا یُغَادِرُ سَقَماً. (رواہ البخاری)

ترجمہ:- حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے حضرت ثابت رحمۃ اللہ علیہ سے کہا: میں تم کو نبی کریم ﷺ

والی جھاڑ پھونک نہ کردوں؟ (یعنی حضور اکرم ﷺ کسی بیمار کو جو دعا پڑھ کر دم کرتے تھے اس طرح دم کردوں؟) انہوں نے کہا: کیوں نہیں! ضرور۔ تو حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اوپر والی دعا پڑھی (اور پھر دم بھی کردیا)۔

۹۰۴:- وعن سعد بن أبي وقاص رضی اللہ تعالیٰ عنہ قال: عادني رسول الله ﷺ فقال: أللّٰهمّ اشف سعداً، اللّٰهمّ اشف سعداً، اللّٰهمّ اشف سعداً. (رواہ مسلم)

ترجمہ:- حضرت سعد بن أبي وقاص رضی اللہ تعالیٰ عنہ بیمار ہوئے تو نبیٔ کریم ﷺ ان کی عیادت کے لئے آئے اور آپ نے یہ دعا فرمائی: اے اللہ! سعد کو شفا دے، اے اللہ! سعد کو شفا دے، اے اللہ! سعد کو شفا دے۔

نبوی پین کلر (Pain Killer)

۹۰۵:- وعن أبي عبد الله عثمان بن أبي العاص رضی اللہ تعالیٰ عنہ: أنّه شكا إلى رسول الله ﷺ وجعاً يجده في جسده، فقال له رسول الله ﷺ: ضع يدك على الّذي يألم من جسدك وقل: بسم الله ثلاثاً، وقل سبع مرّات: أعوذ بعزّة الله وقدرته من شرّ ما أجد وأحاذر. (رواہ مسلم)

ترجمہ:- حضرت عثمان بن أبي العاص ثقفی رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ انہوں نے نبیٔ کریم ﷺ سے اپنے جسم میں درد کی فریاد کی (ان کو کسی جگہ درد تھا تو کہا: اے اللہ کے رسول! مجھے یہاں درد رہتا ہے) تو حضور اکرم ﷺ نے ان سے کہا: درد والی جگہ پر ہاتھ رکھ کر پڑھو:- بسم اللہ، بسم اللہ، بسم اللہ۔ پھر سات مرتبہ یہ دعا پڑھو:- أعوذ بعزّة الله وقدرته من شرّ ما أجد وأحاذر، ترجمہ:- اے اللہ! تیری قدرت اور عزت کے واسطے سے میں پناہ چاہتا ہوں اس درد اور تکلیف کے شر سے جس کو میں محسوس کررہا ہوں اور آئندہ مجھے جس کا خطرہ ہے۔

افادات:۔معلوم ہوا کہ خود بیمار ہی اپنا ہاتھ درد والی جگہ پر رکھ کر تین مرتبہ بسم اللہ پڑھے اور پھر سات مرتبہ یہ دعا پڑھے۔

......تو مریض کو شفا ہو ہی جائے گی

۹۰۶:۔وعن ابن عباسٍ رضی اللہ عنہما عن النبیِّ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم قَالَ: مَنْ عَادَ مَرِيضاً لَمْ يَحْضُرْهُ أَجَلُهُ، فقالَ عِنْدَهُ سَبْعَ مَرَّاتٍ: أَسْأَلُ اللهَ العَظِيمَ، رَبَّ العَرْشِ العَظِيمِ، أَنْ يَشْفِيَكَ، إِلاَّ عَافَاهُ اللهُ مِنْ ذَلِكَ المَرَضِ.

رواه أبو داود والترمذی، وقال: ((حديث حسن))، وقال الحاکم: ((حديث صحيح عَلَى شرط البخاری)).

ترجمہ:۔حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا: کوئی آدمی کسی ایسے بیمار کی خبر گیری کے لئے جائے جس کی موت مقدر نہیں ہے (یعنی اس بیماری میں اللہ تعالیٰ نے اس کے لئے موت نہیں رکھی ہے، اور اچھا ہونے والا ہے) اور سات مرتبہ یہ دعا پڑھے:۔أَسْأَلُ اللهَ العَظِيمَ، رَبَّ العَرْشِ العَظِيمِ، أَنْ يَشْفِيَكَ'': میں سوال کرتا ہوں عظمت والے رب سے، اس اللہ سے جو عظمت والے عرش کا مالک ہے؛ وہ تم کو تندرستی دیدے۔ تو اللہ تعالیٰ اس کو اس بیماری سے تندرستی دے ہی دے گا۔

افادات:۔یعنی ابھی موت مقدر نہیں ہے تو تندرستی ضرور مل جائے گی۔ یہ دعا بھی بڑی مختصر سی ہے، اس کو بھی یاد کرلینا چاہیے۔ کوئی بھی دعا یاد کرلو تاکہ بیمار کی خبر گیری کے جو آداب ہیں ان پر عمل کرتے ہوئے اس کے پاس جا کر پڑھ سکو۔

ایک اور دعا

۹۰۷:۔وعنه أَنَّ النبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم دَخَلَ عَلَى أَعْرَابِيٍّ يَعُودُهُ، وَكَانَ إِذَا دَخَلَ عَلَى مَنْ يَعُودُهُ، قَالَ: لاَ بَأسَ؛ طَهُورٌ إنْ شَاءَ اللهُ. (رواه البخاری)

ترجمہ:- حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ایک دیہاتی کے پاس برائے عیادت تشریف لے گئے، اور حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم جب کسی بیمار کی عیادت کے لئے جاتے تو فرمایا کرتے تھے: کوئی گھبرانے کی بات نہیں ہے، اللہ تعالیٰ نے چاہا تو یہ بیماری تمہارے لئے گناہوں سے پاکی کا ذریعہ بنے گی۔

افادات:- اس لئے کہ حدیث میں آتا ہے کہ بندۂ مؤمن کو ذرا سی بھی تکلیف پہنچتی ہے، کانٹا بھی چبھتا ہے تو اللہ تعالیٰ اس کے ذریعہ سے اس کے گناہ کو معاف کرتے ہیں، اور درجات کو بلند کرتے ہیں۔ یہ بیماری بھی آئی تو گھبرانے کی کوئی بات نہیں ہے ،اس بیماری کی وجہ سے اللہ تعالیٰ گناہوں سے پاک کریں گے۔

روح الامین کا الصادق الامین پر دَم

۹۰۸:- وعن أبي سعيد الخدري رضی اللہ تعالیٰ عنہ أن جبريلَ أتَى النَّبِيَّ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم فَقَالَ: يَامُحَمَّدُ اشْتَكَيْتَ؟ قَالَ: نَعَمْ. قَالَ: بِسْمِ اللهِ أَرْقِيكَ، مِنْ كُلِّ شَيْءٍ يُؤْذِيكَ، مِنْ شَرِّ كُلِّ نَفْسٍ أَوْ عَيْنِ حَاسِدٍ، اللهُ يَشْفِيكَ، بِسمِ اللهِ أرقِيكَ. (رواہ مسلم)

ترجمہ:- حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ حضرت جبرئیل علیہ السلام نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پاس آئے اور پوچھا: اے محمد! (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) آپ کو کچھ تکلیف ہے؟ نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: جی ہاں۔ تو انہوں نے یہی دعا پڑھی: "بِسْمِ اللهِ أَرْقِيكَ، مِنْ كُلِّ شَيْءٍ يُؤْذِيكَ، مِنْ شَرِّ كُلِّ نَفْسٍ أَوْ عَيْنِ حَاسِدٍ، اللهُ يَشْفِيكَ، بِسمِ اللهِ أرقِيكَ." : اللہ تعالیٰ کے نام سے دم کرتا ہوں ہر اس چیز پر جو آپ کے لئے تکلیف کا باعث ہے، اور پناہ مانگتا ہوں ہر جاندار کے شر سے، اور حاسد کی نگاہِ بد سے، اللہ تعالیٰ آپ کو شفا دے، پھر اللہ تعالیٰ کے نام سے دم کرتا ہوں۔

افادات:- یہ سب دعائیں یاد نہ ہوں تو اتنا مختصر تو ضرور کہنا چاہیے کہ اللہ تعالیٰ

آپ کو تندرستی دے، جیسے کہ حضرت سعد رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے متعلق حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے دعا کی تھی۔

......تو اسے جہنم نہیں کھائے گی

۹۰۹:-وعن أبي سعيد الخدري وأبي هريرة رضی اللہ عنہما: أَنَّهُمَا شَهِدَا عَلَى رسول الله صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم، أنّه قَالَ: مَنْ قَالَ: لاَ إِلٰهَ إِلاَّ اللهُ وَاللهُ أَكْبَرُ، صَدَّقَهُ رَبُّهُ، فَقَالَ: لاَ إِلٰـهَ إِلاَّ أَنَا وأَنَا أَكْبَرُ. وَإِذَا قَالَ: لاَ إِلٰهَ إِلاَّ اللهُ وَحدَهُ لاَ شَرِيكَ لَهُ، قَالَ: يقول: لاَ إِلٰـهَ إِلاَّ أَنَا وَحدِي لا شَرِيكَ لِي. وَإِذَا قَالَ: لاَ إِلٰهَ إِلاَّ اللهُ لَهُ الْمُلْكُ وَلَهُ الحَمْدُ، قَالَ: لاَ إِلٰهَ إِلاَّ أَنَا لِيَ الْمُلْكُ وَلِيَ الحَمْدُ. وَإِذَا قَالَ: لاَ إِلٰهَ إِلاَّ اللهُ وَلاَ حَوْلَ وَلاَ قُوَّةَ إِلاَّ بِاللهِ، قَالَ: لاَ إِلٰهَ إِلاَّ أَنَا وَلاَ حَوْلَ وَلاَ قُوَّةَ إِلاَّ بِي. وَكَانَ يَقُولُ: مَنْ قَالَهَا فِي مَرَضِهِ ثُمَّ مَاتَ لَمْ تَطْعَمْهُ النَّارُ. (رواه الترمذي وقال: حديث حسن)

ترجمہ:-حضرت ابوسعید خدری اور حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ یہ دونوں نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے متعلق گواہی دیتے ہیں کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا: جب کوئی آدمی کہتا ہے: ”لاَ إِلٰهَ إِلاَّ اللهُ وَاللهُ أَكْبَرُ“ اللہ کے سوا کوئی عبادت کے لائق نہیں اور اللہ ہی بڑا ہے، تو اللہ تعالیٰ بندے کی اس بات کی تصدیق کرتے ہیں، اور فرماتے ہیں: ”لاَ إِلٰـهَ إِلاَّ أَنَا وأَنَا أَكْبَرُ“ میرے علاوہ کوئی عبادت کے لائق نہیں ہے اور میں ہی بڑا ہوں۔ اور بندہ جب یہ کلمات کہتا ہے: ”لاَ إِلٰهَ إِلاَّ اللهُ وَحدَهُ لاَ شَرِيكَ لَهُ“ اللہ کے سوا اور کوئی معبود نہیں، وہی تنہا ہے، اس کا کوئی شریک نہیں۔ تو اللہ تبارک وتعالیٰ فرماتے ہیں: ”لاَ إِلٰهَ إِلاَّ أَنَا وَحدِي لا شَرِيكَ لِي“ میرے علاوہ کوئی عبادت کے لائق نہیں، میں ہی یکتا عبادت کے لائق ہوں، میرے ساتھ کوئی شریک نہیں۔ اور بندہ جب کہتا ہے: ”لاَ إِلٰهَ إِلاَّ اللهُ لَهُ الْمُلْكُ وَلَهُ الحَمْدُ“ اللہ کے سوا کوئی عبادت کے لائق نہیں، ساری حکومت اور سارے اختیارات اللہ ہی کے دستِ قدرت میں ہیں، اور تمام تعریفیں اسی

کے لئے سزاوار ہیں۔ تو اللہ تبارک وتعالیٰ فرماتے ہیں: ”لَا إِلٰهَ إِلَّا أَنَا، لِيَ الْمُلْكُ وَلِيَ الْحَمْدُ“ میرے علاوہ کوئی عبادت کے لائق نہیں، میرے ہی ہاتھ میں سارے اختیارات ہیں اور میں ہی تعریف کے لئے سزاوار ہوں۔ اور جب بندہ یہ کلمات کہتا ہے: ”لَا إِلٰهَ إِلَّا اللّٰهُ وَلَا حَوْلَ وَلَا قُوَّةَ إِلَّا بِاللّٰهِ“ اللہ کے سوا کوئی عبادت کے لائق نہیں اور گناہوں سے بچنے کی قوت اور نیکی کے کام کرنے کی طاقت نہیں، مگر اللہ ہی کی توفیق سے۔ تو اللہ تبارک وتعالیٰ فرماتے ہیں: ”لَا إِلٰهَ إِلَّا أَنَا، وَلَا حَوْلَ وَلَا قُوَّةَ إِلَّا بِي“ میرے علاوہ کوئی عبادت کے لائق نہیں اور گناہوں سے بچنے اور نیکی کے کام کی طاقت میری توفیق کے علاوہ نہیں مل سکتی۔ جب کوئی آدمی یہ کلمات اپنی بیماری کے زمانہ میں کہتا ہے، پھر اس کو موت آجاتی ہے تو جہنم کی آگ اس کو نہیں کھا سکتی۔

اِدھر تعریف، اُدھر پذیرائی

افادات:- دیکھو! جب بندہ اللہ تبارک وتعالیٰ کی شان اور اس کی عظمت و کبریائی کے کلمات کہتا ہے تو اللہ تبارک وتعالیٰ کے یہاں اس کا کتنا اونچا مقام ہے اور کیسی پذیرائی ہوتی ہے؟ ورنہ معمولی درجے کا آدمی کسی بڑے سیٹھ صاحب کی تعریف کرے تو وہ سیٹھ ادھر کان بھی لگانے کی زحمت گوارا نہیں کرتا۔ لیکن یہاں بندے کی طرف سے پیش کی جانے والی تعریف اور توصیف، اور اللہ تعالیٰ کی عظمت و کبریائی کے جو الفاظ ادا کئے جاتے ہیں اس کی اللہ تعالیٰ کے یہاں ایسی پذیرائی ہوتی ہے کہ اللہ تعالیٰ بندے کے ان کلمات کا خود ہی جواب دیتے ہیں اور تصدیق کرتے ہیں۔

یہاں پر اس آخری ارشاد کی وجہ سے لائے ہیں کہ آدمی کو اپنی بیماری کے زمانہ میں ان ہی کلمات کو کہنا چاہیے، اگر اس زمانہ میں موت آگئی تو پھر جہنم کی آگ سے محفوظ رہے گا۔

استحباب سؤال اهل المريض عن حاله

بیمار کے گھر والوں سے بیمار کے متعلق دریافت کرنا

۲؍شعبان المعظم ۱۴۲۲ھ　　بِسۡمِ اللّٰهِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِيۡمِ　　۲۰؍اکتوبر ۲۰۰۱ء

عیادت؛ نہ ہو شکایت

ایک شکل یہ ہے کہ آپ خود بیمار کی عیادت اور خبر گیری کے لئے تشریف لے جائیں، لیکن یہ روزانہ ممکن نہیں ہوتا، اور روزانہ جانا بیمار کے لئے بھی تکلیف کا باعث ہوتا ہے، اس لئے بیماری کے زمانہ میں کبھی کبھار ہی اس کی نوبت آتی ہے۔

پہلے بتلایا تھا کہ بیماری کے زمانہ میں کوئی آدمی کسی کی خبر گیری کے لئے جائے تو اس کو چاہیے کہ زیادہ دیر تک نہیں بیٹھنا چاہیے۔ عیادت کے آداب میں سے یہ ہے کہ بیمار کے پاس تھوڑی دیر ہی بیٹھے۔ حدیثِ پاک میں آتا ہے: ’’اَلْعِيَادَةُ فُوَاقَ نَاقَةٍ‘‘ عیادت؛ اونٹنی کا دودھ دوہنے کے درمیانی وقفہ کے برابر ہوتی ہے۔

’’فُوَاق‘‘ کا ایک مطلب تو یہ بیان کیا گیا ہے کہ صبح کو دودھ دوہا جاتا ہے اور شام کو دوہا جاتا ہے، ان دونوں کے درمیانی وقفہ کو ’’فُوَاق‘‘ کہتے ہیں۔ لیکن یہ وقفہ تو لمبا ہوتا ہے۔ اور ’’فُوَاق‘‘ کا دوسرا مطلب یہ ہے کہ آپ نے دیکھا ہوگا کہ جانور کو دوہنے کے درمیان دوہنے والا اس کے تھن کے سرے پر انگلی رکھ کر دباتا ہے، جب ایک مرتبہ دباتا ہے تو جو دودھ نیچے آیا ہوا ہوتا ہے وہ باہر نکل آتا ہے، پھر دبانے والا تھن کو چند سیکنڈ کے لئے چھوڑ دیتا ہے، پھر دباتا ہے۔ تو چند سیکنڈ کے لئے جو چھوڑا تھا اسی کو عربی میں

''فُوَاق'' کہتے ہیں۔ یہاں یہی مطلب مراد لیا گیا ہے کہ کوئی آدمی کسی بیمار کی خبر گیری کے لئے جائے، تو زیادہ دیر وہاں نہ بیٹھے، بلکہ گیا، چند منٹ میں خیر خیریت معلوم کی، اور واپس لوٹ آیا۔ چوں کہ بیماری کی حالت میں مختلف ضرورتیں ہوتی ہیں، کبھی آرام کا تقاضہ ہوتا ہے، کبھی بیمار کی طبیعت تنہائی چاہتی ہے، اب اگر کوئی آدمی جا کر ایسا بیٹھ گیا کہ اٹھنے کا نام ہی نہیں لیتا؛ تو بیمار کے لئے پریشانی کا باعث ہوتا ہے۔

اے اللہ! عیادت کا طریقہ سکھلا

ملا علی قاری رحمۃ اللہ علیہ نے مرقاۃ میں واقعہ ذکر کیا ہے کہ حضرت سرّی سقطی رحمۃ اللہ علیہ کے پاس کچھ لوگ عیادت کے لئے گئے اور وہاں دعا کی درخواست کی غرض سے بیٹھے رہے، اٹھ ہی نہیں رہے تھے، جب کچھ دیر کے بعد موقعہ ملا تو پھر درخواست کی کہ حضرت! دعا کر دیجئے۔ حضرت نے ہاتھ اٹھا کر دعا کی: اے اللہ! ہم کو بیمار کی عیادت کا طریقہ سکھلا۔ اس طرح گویا ان کو اپنی کوتاہی پر تنبیہ فرمائی۔

دروازہ باہر سے بند کر دینا

ایک اور واقعہ ذکر کیا ہے (اس میں انہوں نے نام نہیں لکھا ہے، لیکن دوسری جگہ میں نے نام بھی پڑھا) کہ حضرت عبداللہ بن مبارک رحمۃ اللہ علیہ کے پاس ایک صاحب عیادت کے لئے گئے، اور ایسے بیٹھے کہ اٹھنے کا نام ہی نہیں لیتے تھے۔ جیسے بعض لوگ فیوی کول (Fevicol) کا ڈبہ لے کر جاتے ہیں، ایسے چپکے رہتے ہیں کہ اٹھتے ہی نہیں۔ تو وہ بھی اٹھنے کا نام نہیں لے رہے تھے۔ جب کافی دیر ہو گئی تو حضرت عبداللہ بن مبارک رحمۃ اللہ علیہ فرمانے لگے: ایک تو بیماری کی تکلیف ہے اور آنے والے بھی عجیب لوگ ہوتے ہیں کہ جلدی جانے کا نام ہی نہیں لیتے۔ اس پر وہ صاحب کہنے لگے: حضرت!

اگر آپ اجازت دیں تو دروازہ بند کردوں؟ حضرت نے کہا: ہاں! بالکل ٹھیک ہے، لیکن باہر سے بند کرنا۔

اس لئے ضروری ہے کہ بیمار کا خیال رکھا جائے۔ ہاں بعض اشخاص ایسے ہوتے ہیں کہ بیمار کے ساتھ ان کا تعلق ایسا ہوتا ہے کہ ان کے دیر تک بیٹھنے کی وجہ سے بیمار کو تکلیف نہیں، بلکہ راحت ہوتی ہے، بلکہ بیمار خود چاہتا ہے کہ یہ بیٹھیں؛ ایسے لوگ اس قاعدہ سے مستثنیٰ ہیں، یعنی ان کے لئے اس بات کی اجازت ہے کہ وہ چاہیں تو دیر تک بیٹھ سکتے ہیں، لیکن اگر ان کو بھی یہ اندازہ ہو کہ بیمار اس وقت تنہائی چاہتا ہے تو وہاں سے اٹھ جانا چاہیے۔

خیر! مَیں یہ عرض کرر ہا تھا کہ ہر وقت بیمار کے پاس آنا جانا ممکن نہیں ہوتا، لیکن یہ بھی نہیں ہونا چاہیے کہ ایک مرتبہ خیریت پوچھ کر آئے تو پھر اس کی کوئی خیریت ہی معلوم نہیں کرتے، بلکہ اس کے گھر والوں سے اس کے متعلق پوچھتے رہنا چاہیے، یہ باب اسی بات کو بتلانے کے لئے قائم کیا ہے کہ یہ بھی مستحب ہے کہ بیمار کے گھر والوں سے بیمار کے متعلق دریافت کرے، مثلاً: آپ کی اہلیہ بیمار تھی، اب کیا حال ہے؟ آپ کا بیٹا بیمار تھا، اب کیسا ہے؟ آپ کے والد صاحب بیمار تھے، اس وقت ان کی طبیعت کیسی ہے؟ اس کا ایک فائدہ تو یہ ہے کہ آدمی پھر ان کے احوال کو مدِ نظر رکھتے ہوئے دعا کرے گا، اور دوسرا یہ کہ جن کی خیرت پوچھی جارہی ہے ان کی بھی تسلی ہوجائے گی۔ چناں چہ اسی کا استحباب اور پسندیدہ ہونا بتلانے کے لئے یہ روایت پیش کی ہے۔

وفات کے دن صبح حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی کیفیت

۹۱۰:- عن ابن عباس رضی اللہ عنہما أَنَّ عَلِيَّ بْنَ أَبِي طَالِب رضی اللہ تعالیٰ عنہ خَرَجَ مِنْ عِنْدِ

رسولِ اللہ ﷺ فی وَجَعِهِ الَّذِی تُوُفِّیَ فِیهِ، فقالَ النَّاسُ: یَاأَبَا الحَسَنِ! کَیفَ أَصبَحَ رَسُولُ اللهِ ﷺ؟ قَالَ: أَصبَحَ بِحَمدِ اللهِ بَارِئاً. (رواہ البخاری)

ترجمہ:- حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ نبیٔ کریم ﷺ کی جس بیماری میں وفات ہوئی، اسی بیماری کے زمانہ میں حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نبیٔ کریم ﷺ کے حجرۂ شریفہ سے باہر نکلے، تو بعض ایسے لوگوں نے- جو اندر نہیں جاسکتے تھے- حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے پوچھا: اے ابوالحسن! اللہ کے رسول ﷺ نے صبح کیسی حالت میں کی؟ (یعنی آپ کی طبیعت کیسی ہے؟) تو حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے کہا: الحمدللہ! آپ نے صحت کی حالت میں صبح کی ہے۔

افادات:- یہ اسی روز کا واقعہ ہے جس دن حضور اکرم ﷺ کی وفات ہوئی، اس دن صبح کے وقت آپ ﷺ کی طبیعت بہت اچھی ہوگئی تھی، لیکن آپ ﷺ کی یہ صحت ہنگامی تھی، اسی دن زوال کے وقت آپ ﷺ کا انتقال ہوگیا۔

باب ما یقول من أیس من حیاته

جس کو اندازہ ہو جائے کہ اب میری موت کا وقت قریب آچکا ہے؛ وہ کیا دعا کرے؟

۹۱۱:- عن عائشة رضی اللہ عنہا قالت: سَمِعْتُ النبیَّ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم وَهُوَ مُسْتَنِدٌ إلَيَّ، يَقُولُ: اللَّهُمَّ اغْفِرْ لِي وارْحَمْنِي، وأَلْحِقْنِي بالرَّفِيقِ الأَعْلَى. (متفقٌ عَلَيْهِ)

ترجمہ:- حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ میں نے نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو یہ فرماتے ہوئے سنا اور آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم مجھ سے سہارا لیے ہوئے تھے: اے اللہ! میری مغفرت فرمادے، اور مجھ پر رحم کر، اور مجھے رفیق اعلیٰ میں پہنچادے۔

افادات:- آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے انتقال سے پہلے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو بٹھا کر اپنے جسم کا سہارا دیئے ہوئے تھیں، اس موقعہ پر نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم یہ دعا مانگ رہے تھے۔

یہ موت مانگنا نہیں ہے

"وأَلْحِقْنِي بالرَّفِيقِ الأَعْلَى" اس دعا میں عافیت کے ساتھ موت مانگی جارہی ہے، یہاں ایک سوال پیدا ہوتا ہے (اور جیسا کہ پہلے بھی آیا تھا) کہ موت کی دعا تو نہیں کرنی چاہیے۔ امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے صحیح بخاری میں مستقل باب قائم کیا ہے جس میں یہ بتلایا ہے کہ موت کی دعا نہیں مانگنی چاہیے، اور اس موقعہ پر جہاں اور روایتیں موت کی

دعا کی ممانعت کے سلسلہ میں پیش کی ہیں، وہیں یہ روایت بھی لائے ہیں۔

بتلانا یہ چاہتے ہیں کہ اس وقت نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی حالت ایسی تھی کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو یقین ہو چکا تھا کہ اب میری موت کا وقت آچکا ہے، اور جب کسی آدمی کو یہ یقین ہو جائے کہ اب میں عنقریب دنیا سے رُخصت ہونے والا ہوں تو اس وقت اگر اچھی موت کی دعا کرتا ہے تو اس میں کوئی حرج کی بات نہیں ہے۔ یہ موت مانگنا نہیں ہے، اس لئے کہ اس کو یہ یقین ہو چکا ہے کہ موت تو آ ہی رہی ہے، البتہ اچھی حالت میں موت آئے اس کی دعا مانگی جا سکتی ہے۔

ممانعت تو اس کی ہے

جس چیز کی ممانعت آئی ہے وہ یہ ہے کہ آدمی مصیبت کی وجہ سے موت کا سوال کرے۔ حالات ایسے آگئے، پریشانی ایسی لاحق ہوئی کہ اس پریشانی سے گھبرا کر سوال کرتا ہے کہ: اے اللہ! مجھے موت دیدے؛ تو اس کو شریعت نے پسند نہیں کیا ہے کہ یہ بزدلی کی علامت ہے۔ مؤمن کی شان تو یہ ہے کہ حالات کا مقابلہ کرے اور حالات کے مناسب تدبیریں اختیار کرے، یہ نہیں کہ گھبرا کر موت کا سوال کرنے لگے۔

موت کی حالت شدت والی ہے

۹۱۲:- وعنها قالت: رَأيتُ رسولَ الله صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم وَهُوَ بِالْمَوْتِ، عِنْدَهُ قَدَحٌ فِيهِ مَاءٌ، وَهُوَ يُدْخِلُ يَدَهُ فِي الْقَدَحِ، ثُمَّ يَمْسَحُ وَجْهَهُ بِالْماءِ، ثُمَّ يَقُولُ: أَللّٰهُمَّ أَعِنِّي عَلَى غَمَرَاتِ الْمَوْتِ وَسَكَرَاتِ الْمَوْتِ. (رواہ الترمذی)

ترجمہ:- حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ میں نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو دیکھا حال یہ کہ آپ موت کے قریب جا چکے تھے (یعنی موت کی حالت آپ پر طاری ہو چکی تھی) آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم

کے پاس ایک پیالہ رکھا ہوا تھا جس میں پانی تھا، اور آپ اپنے دستِ مبارک کو اس پیالہ میں داخل کرتے اور پھر وہ پانی اپنے چہرے کے اوپر لگا لیتے تھے، اور ساتھ ہی ساتھ یہ فرماتے تھے: اے اللہ! موت کی سختیوں اور موت کی شدتوں پر میری مدد فرما۔ (موت کی حالت بڑی سختی اور شدت والی ہوتی ہے اس لئے اس حالت میں اللہ تعالیٰ سے مدد کا سوال کیا۔

باب استحباب وصية أهل المريض ومن يخدمه بالإحسان إليه واحتماله والصبر عَلَى مَا يشق من أمره وكذا الوصية بمن قرب سبب موته بحد أَوْ قصاص ونحوهما

بیمار کے گھر والے اور وہ لوگ جو اس کی خدمت میں لگے ہوئے ہیں، ان کو بیمار کے ساتھ اچھا سلوک کرنے اور اس کو برداشت کرنے اور صبر وتحمل سے کام لینے کی تاکید اور جس آدمی کی موت کا کوئی سبب یقینی ہو جیسے حد جاری کی جانے والی ہے یا جس سزا میں موت یقینی ہے تو اس کے ساتھ اچھا سلوک کرنے کی تاکید

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

جب گھر کے لوگ بیمار کی تیمارداری میں لگے ہوئے ہوتے ہیں تو بعض مرتبہ ایسا ہوتا ہے کہ آدمی کی بیماری طول پکڑ لیتی ہے، اس کے نتیجے میں گھر والوں کی طبیعتوں پر بھی کبھی گرانی ہوجاتی ہے، اور خدمت کرتے کرتے چڑچڑاپن آجاتا ہے؛ تو گھر والوں کو تاکید کی جارہی ہے کہ بیمار کی طرف سے ایسی کچھ صورت پیش آئے تو اس کو برداشت کرو اور اس کے ساتھ اچھا سلوک کرو، چڑچڑے پن والا معاملہ مت کرو۔ وہ تو بیماری کی وجہ سے ایسا کررہا ہے، لیکن آپ اس کے ساتھ اس کے جواب میں ویسا سلوک نہ کرو۔

سماج کے ایک غلط مزاج کی اصلاح

۹۱۳:- عن عِمْران بن الحُصَیْنِ رضی اللہ عنہما أنَّ أمْرَأةً مِنْ جُھَیْنَةَ أتَتِ النَّبِيَّ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم وَھِيَ حُبْلَی مِنَ الزِّنَا، فَقَالَتْ: یَا رسول الله! أَصَبْتُ حَدًّا فَأَقِمْهُ عَلَيَّ. فَدَعَا رسولُ الله صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم وَلِیَّھَا، فَقَالَ: أَحْسِنْ إِلَیْھَا، فَإِذَا وَضَعَتْ فَأْتِنِي بِھَا. فَفَعَلَ، فَأَمَرَ بِھَا النَّبِيُّ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم، فَشُدَّتْ عَلَیْھَا ثِیَابُھَا، ثُمَّ أَمَرَ بِھَا فَرُجِمَتْ، ثُمَّ صَلَّی عَلَیْھَا. (رواہ مسلم)

ترجمہ:- حضرت عمران بن حصین رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ قبیلۂ جہینہ کی ایک عورت نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئی ایسی حالت میں کہ زنا کی وجہ سے حاملہ تھیں۔ اس نے آکر عرض کیا: اے اللہ کے رسول! مَیں نے ایک ایسا گناہ کیا ہے جس کی وجہ سے اللہ تعالیٰ کی مقرر کی ہوئی سزا کی مَیں حقدار ہوں، آپ مجھ پر اس سزا کو جاری کیجئے (چوں کہ اس وقت تو وہ حالتِ حمل میں تھی، اگر اسی حالت میں اس کو سنگسار کیا جاتا تو ظاہر ہے کہ پیٹ میں جو بچہ تھا وہ بھی موت کا شکار ہوجاتا، حالاں کہ اس کا تو کوئی قصور تھا نہیں) اس لئے نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس عورت کے ولی بلاکر (ان کے حوالہ کیا اور) تاکید فرمائی کہ اس کے ساتھ بھلائی کا سلوک

کرنا۔ جب بچہ پیدا ہوجائے تو پھر میرے پاس لے آنا (تاکہ اس پر حد جاری کی جائے) چناں چہ اس کے ولی نے ایسا ہی کیا۔ جب بچہ پیدا ہوگیا تو اس کو لے کر نبئ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں آیا، حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے سنگساری (پتھر مارنے) کا حکم دیا، اس کے کپڑے اچھی طرح باندھ دیئے گئے (تاکہ سنگساری کے دوران کہیں سے ستر کھلنے نہ پائے) اور اس کو سنگسار کردیا گیا، پھر نبئ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس کی نمازِ جنازہ بھی پڑھی۔

افادات:- میں پہلے بھی بتلاچکا ہوں کہ حضرت شیخ نور اللہ مرقدہٗ نے لکھا ہے کہ حضرات صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم کا مقام کتنا اونچا ہے کہ اللہ تبارک وتعالیٰ کے احکام کو جاری کرنے کے لئے انہوں نے اپنے آپ کو برضا ورغبت پیش کیا۔

(اس کی تفصیل حدیث کے اصلاحی مضامین، جلد اول، صفحہ ۱۸۲ تا ۱۹۹ پر آچکی ہے۔ ضرور ملاحظہ فرمالیں۔ مرتب۔)

ہمارے سماج میں ایسا مزاج ہے کہ کسی آدمی سے اگر کسی جرم کا صدور ہوجائے تو اس کو سزا تو دیتے ہی ہیں، لیکن اس کے ساتھ ایسا حقارت اور ذلت آمیز سلوک کیا جاتا ہے کہ اللہ کی پناہ! حالاں کہ شریعت اس کی اجازت نہیں دیتی۔ دیکھو! مجرم کا جرم اپنی جگہ پر ہے، اس جرم کی پاداش میں اللہ تعالیٰ کی طرف سے جو سزا مقرر کی گئی ہے وہ ضرور دیجئے، اس سزا کے اس پر جاری کرنے کے معاملہ میں ذرا بھی رحم نہیں کرنا ہے، لیکن سزا بس سزا تک رہے، اس کے علاوہ باقی جو معاملات تذلیل وتوہین کے کئے جاتے ہیں اور اس کو بے آبرو کیا جاتا ہے، شریعت اس کی بالکل اجازت نہیں دیتی۔ بخاری شریف میں روایت ہے "إِذَا زَنَتْ أَمَةُ أَحَدِكُمْ فَتَبَيَّنَ زِنَاهَا فَلْيَجْلِدْهَا الْحَدَّ، وَلَا يُثَرِّبْ عَلَيْهَا" (باب بیع المدبر) نبئ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا: اگر کسی کی باندی زنا کرے اور اس کا زنا ثابت ہوجائے تو آقا کو چاہیے کہ اس پر حد جاری کرے لیکن اس پر طعن وتشنیع نہ کرے، ہمارے سماج میں طعن وتشنیع والا بہت بڑا روگ ہے، حالاں کہ اس کی کسی بھی حال میں

اجازت نہیں۔

شریعت کی تعلیم کتنی اعلیٰ ہے کہ نبیٔ کریم ﷺ نے اس عورت کے ولی کو بلا کران کے حوالہ کیا اور تاکید فرمائی کہ اس کے ساتھ اچھا سلوک کرنا۔ یہ نہیں فرمایا: اس کو ذلت کے ساتھ رکھیو اور ایک کال کوٹھری میں ڈال دیجیو اور روزانہ اس کو رسوا کیجیو۔ یہی اسلام کی تعلیمات کا حسن ہے جس کو اختیار کرنا چاہیے۔

بَاب جواز قول المريض: أَنَا وجع، أَوْ شديد الوجع أَوْ مَوْعُوكٌ أَوْ وارأساه ونحو ذلك وبيان أنّه لا كراهة في ذلك إِذَا لَمْ يكن عَلىٰ سبيل التسخط وإظهار الجزع

بیمار کا یہ کہنا کہ میں بیمار ہوں، یا مجھے بہت تکلیف ہے، یا مجھے بخار ہے۔ یا یوں کہنا کہ ہائے! سر میں بہت درد ہے اگر کوئی بیمار ایسا کوئی جملہ کہتا ہے اور اس کا مقصد اللہ تعالیٰ کے کسی فیصلے پر ناراضگی کا اظہار کرنا اور بے صبری ظاہر کرنا نہیں ہے، بلکہ اپنی بیماری سامنے والے کو بتلانا اور اپنی کیفیت کو ظاہر کرنا مقصود ہے؛ تو اس میں کوئی حرج کی بات نہیں ہے

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

جب کوئی آدمی بیمار ہوتا ہے تو بیماری کی شدت کی وجہ سے اس کی طبیعت کے اندر بے چینی اور بے صبری پیدا ہوتی ہے، اور اسی بے صبری میں وہ چلّاتا اور شور مچاتا ہے کہ میں مر گیا، مجھے یہ تکلیف ہو رہی ہے، اور یوں ہوا اور توں ہوا۔

دیکھو! شور مچانے کے دو سبب ہو سکتے ہیں، ایک تو یہ کہ شور مچا کر نعوذ باللہ اللہ تعالیٰ کے فیصلے پر ناراضگی کا اظہار کرنا چاہتا ہے، چناں چہ ایسے لوگوں کی زبان سے تو جو جملے اور الفاظ نکلتے ہیں وہ الگ ہی ہوتے ہیں، جیسے: نعوذ باللہ بعض لوگ کہتے ہیں کہ ''کیا مَیں ہی ملا تھا؟''۔''اور کوئی نہیں تھا؟''۔''میرے اوپر ہی یہ مصیبت کیوں آئی؟'' وغیرہ یہ تو بڑی خطرناک چیز ہے اور اس کی شریعت اجازت نہیں دیتی۔

اور اگر کسی آدمی کا مقصد شور مچا کر اللہ تبارک وتعالیٰ کے فیصلے پر ناراضگی کا اظہار کرنا نہیں ہے، بلکہ اپنی تکلیف کو لوگوں کے سامنے ظاہر کرنا ہے۔ جیسے: کوئی کہے: ''مجھے بہت شدید تکلیف ہو رہی ہے، میرے لئے دعا کریں''۔ یا وہ تکلیف برداشت نہیں ہوتی، تو بالکل بے چین ہو کر زبان سے یہ بولتا ہے ''اس کا کوئی علاج اور تدبیر کرو'' اس میں اللہ تعالیٰ کے کسی فیصلے پر ناراضگی مقصود نہیں ہے، تو اس صورت میں اس کی اجازت دی گئی ہے۔

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا شدّتِ بخار

۹۱۴:- عن ابن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ قَالَ: دَخَلۡتُ عَلَى النَّبِيِّ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم وَهُوَ يُوعَكُ، فَمَسِسۡتُهُ، فَقلتُ: إِنَّكَ لَتُوعَكُ وَعَكاً شَدِيداً، فَقَالَ: أَجَلۡ! إِنِّي أُوعَكُ كَمَا يُوعَكُ رَجُلَانِ مِنۡكُمۡ. (متفقٌ عَلَيۡهِ)

ترجمہ:- حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ میَں نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا، آپ شدید بخار میں مبتلا تھے، میَں نے اپنے ہاتھ سے نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے جسمِ اطہر کو چھوا (جو لوگ عیادت کے لئے آتے ہیں تو بخار کی کیا کیفیت ہے، یہ دیکھنے کے لئے آدمی کے بدن کو چھوتے ہیں) تو مجھے محسوس ہوا کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کو شدید بخار ہے۔ چناں چہ میں نے عرض کیا: اے اللہ کے رسول! آپ کو تو بڑا سخت بخار ہے۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے فرمایا: جی ہاں! تم میں سے دو آدمیوں کو جتنا بخار ہوتا ہے، اتنا مجھ اکیلے کو ہوتا ہے۔

افادات:- دیکھو! حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے جب نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم سے کہا کہ آپ کو تو بڑا سخت بخار ہے، تو حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے فرمایا: جی ہاں۔ آپ نے اپنے بخار کو چھپایا نہیں، بلکہ ظاہر فرمایا کہ تم میں سے دو آدمیوں کو جتنا بخار ہوتا ہے، اتنا مجھ اکیلے کو ہوتا ہے۔ چناں چہ روایتوں میں ہے کہ اس پر حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے عرض کیا: اے اللہ کے رسول! آپ کو ثواب بھی تو دوہرا (ڈبل) ملتا ہے نا! تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے ارشاد فرمایا: جی ہاں (بخاری شریف: ۵۶۴۸) (جیسا آدمی ہوتا ہے اسی کے مناسب معاملہ ہوتا ہے) یہاں تو یہ روایت اس لئے لائے ہیں کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے اپنے بخار کا اظہار فرمایا۔

صحابی کا اظہارِ مرض

۹۱۵:- وعن سعدِ بن أبی وقاصٍ رضی اللہ تعالیٰ عنہ قَالَ: جَاءنی رسولُ اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم یَعُودُنِی مِنْ وَجَعٍ اشْتَدَّ بِی، فقلتُ: بَلَغَ بِی مَا تَرَی، وَأنَا ذُو مَالٍ، وَلاَ یَرِثُنِی إلاَّ ابْنَتِی. وذَکر الحدیث. (متفقٌ عَلَیْہِ)

ترجمہ:- حضرت سعد بن اَبی وقاص رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ میری بیماری سخت ہوگئی حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم میری عیادت کے لئے تشریف لائے۔ میَں نے کہا: میری حالت یہاں تک پہنچ

چکی ہے جو آپ دیکھ رہے ہیں (یعنی میں تو اس بیماری میں بالکل مرنے کے قریب ہو گیا ہوں) اور آپ جانتے ہیں کہ میرے پاس مال ہے، اور میرے وارثوں میں میری صرف ایک بیٹی ہی ہے۔ آگے پورا قصہ ہے (یہ قصہ حدیث کے اصلاحی مضامین جلد اول صفحہ ۶۸ تا ۷۱ پر گزر چکا ہے۔ مرتب۔)

افادات:- یہ روایت یہ بتلانے کے لئے لائے ہیں کہ دیکھو! حضرت سعد بن اُبی وقاص رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اپنی بیماری کو ان الفاظ میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے سامنے پیش کیا کہ اے اللہ کے رسول! میری جو حالت ہے وہ آپ دیکھ رہے ہیں، اور میں بیماری میں یہاں تک پہنچ چکا ہوں کہ اب میرے بچنے کی بالکل امید نہیں ہے۔ اور حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس کی کوئی تردید نہیں فرمائی۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے بھی ان کی بات سن کر برقرار رکھا، معلوم ہوا کہ آدمی اپنی حالت اس طرح بیان کر سکتا ہے۔

اُم المؤمنین رضی اللہ عنہا کا اظہارِ دردِ سر

۹۱۶:-وعن القاسم بن محمد قَالَ قالت عائشةُ رضی اللہ عنہا: وَارَأْسَاهُ! فَقَالَ النَّبِيُّ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم: بَلْ أَنَا، وَارَأْسَاهُ!... وذكر الحديث. (رواه البخاری)

ترجمہ:- حضرت قاسم بن محمد فرماتے ہیں کہ ایک مرتبہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے سر میں درد تھا، جب حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ان کے گھر پر پہنچے تو وہ (اپنے سر کے درد کو ظاہر کرتے ہوئے) کہنے لگیں: ہائے میرا سر (یعنی درد کی شدت کی وجہ سے میرا سر بالکل اُڑا جا رہا ہے) یہ سن کر حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے جواب میں ارشاد فرمایا: بلکہ ہائے میرا سر۔ (یعنی مجھے سر درد کی شدید تکلیف ہے۔)

افادات:- یہ قصہ اس زمانہ کا ہے جس میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا مرض الوفات شروع ہو چکا تھا، اسی زمانہ میں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے سر میں درد تھا، پھر حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم

نے یہ بھی فرمایا: اگر اس بیماری میں تمہارا انتقال ہو گیا تو میں موجود ہوں، میں تمہاری جنازہ کی نماز پڑھ لوں گا اور تمہارے لئے دعائے مغفرت کروں گا۔ (سنن بیہقی: ۱۷۰۳۱)

یہاں تو صرف اتنا بتلانا ہے کہ دیکھو! حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے سامنے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے اپنے سر کے درد کی تکلیف کو ان الفاظ میں پیش کیا، اور حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے بھی ان کو اپنے سر کے درد کی تکلیف بتلائی۔ معلوم ہوا کہ کسی آدمی کو کوئی تکلیف ہو تو اپنی وہ تکلیف سامنے والے کو بتلانے کے لئے اگر ظاہر کرتا ہے؛ تو یہ کوئی بری بات نہیں ہے۔ بس! اتنا ہے کہ اس میں شکایت کا پہلو نہیں ہونا چاہیے۔ اس کو آدمی اس انداز سے بیان نہ کرے کہ نعوذ باللہ اللہ تعالیٰ کے فیصلے پر شکایت کا احساس ہونے لگے۔

باب تلقین المحتضر: لَآ إِلٰہَ إِلَّا اللّٰہُ

جس کی موت کا وقت قریب ہو اس کو

”لَآ إِلٰہَ إِلَّا اللّٰہُ“ کی تلقین کرنا

یہ بھی آداب اور مستحبات میں سے ہے۔

۹۱۷:- عن معاذ رضی اللہ تعالیٰ عنہ قَالَ قَالَ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم: مَنْ کَانَ آخِرَ کَلَامِہٖ لَآ إِلٰہَ إِلَّا اللّٰہُ دَخَلَ الْجَنَّۃَ. (رواہ أبو داود والحاکم، وقال: صحیح الإسناد)

ترجمہ:- حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا: جس کا آخری کلام ”لَآ إِلٰہَ إِلَّا اللّٰہُ“ ہو؛ وہ جنت میں داخل ہوگا۔

افادات:- اب ظاہر ہے کہ اس کا آخری کلام ”لَآ إِلٰہَ إِلَّا اللّٰہُ“ ہو جائے، اس کے لئے کوشش کے طور تلقین کی جائے گی۔ چناں چہ آگے اسی کو پیش کرتے ہیں۔

۹۱۸:- وعن أَبي سعید الخدری رضی اللہ تعالیٰ عنہ قَالَ قَالَ رسولُ اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم: لَقِّنُوا مَوْتَاکُمْ لَآ إِلٰہَ إِلَّا اللّٰہُ. (رواہ مسلم)

ترجمہ:- حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا: اپنے مرنے والوں کو ”لا الٰہ الاّ اللہ“ کی تلقین کرو۔

افادات:- یعنی جس کی موت کا وقت قریب آ گیا ہو اور اندازہ یہ ہو کہ اب نزع شروع ہو چکا ہے، تو اس کو ”لا الٰہ الاّ اللہ“ کی تلقین کرنی چاہیے۔ اور تلقین کا طریقہ یہ ہے کہ جو لوگ اس کے پاس بیٹھے ہوئے ہیں، وہ ذرا آواز سے اس طرح کلمہ پڑھتے رہیں کہ

اس کے کان میں آواز پہنچے، تاکہ ان کو پڑھتا ہوا سن کر خود ہی ''لا اِلٰہ اِلاَّ اللہ'' پڑھے۔

کتابوں میں لکھا ہے کہ اس سے یوں کہا نہ جائے کہ تم کلمہ پڑھو، تلقین کا یہ طریقہ نہیں ہے، اس لئے کہ کبھی موت کی شدت اور سختی ایسی ہوتی ہے کہ اگر اس کو کلمہ پڑھنے کے لئے کہا جاتا ہے تو اس شدت کی وجہ سے آدمی انکار کر دیتا ہے۔ اس لئے یوں نہیں کہنا چاہیے کہ ''لا اِلٰہ اِلاَّ اللہ'' پڑھو، بلکہ وہاں موجود لوگ ذرا آواز سے پڑھتے رہیں، ان کو پڑھتا ہوا سن کر ان شاء اللہ وہ بھی پڑھ لے گا۔

باب ما یقوله بعد تغمیض المیت

جب کسی کا انتقال ہوجائے تو کتابوں میں لکھا ہے کہ آداب میں سے یہ ہے کہ اس کی آنکھیں اگر کھلی ہیں تو بند کردی جائیں۔ منہ کھلا ہے تو کپڑے کی پٹی کو ٹھوڑی کے نیچے سے لے کر سر کے اوپر باندھ دیا جائے، تاکہ منہ کھلا نہ رہ جائے۔ اسی طرح پیٹ کے اوپر کوئی وزنی چیز رکھ دی جائے تاکہ پیٹ پھولنے نہ پائے۔ اور اعضاء: ہاتھ پاؤں وغیرہ کو سیدھا کردیا جائے، اس لئے کہ فوری طور پر روح نکلی ہے تو اس کا جسم نرم ہے، اس وقت اعضاء ٹھیک ہوسکتے ہیں، اگر اس وقت ٹھیک کرنے کا اہتمام نہیں کیا گیا تو پھر تھوڑی دیر کے بعد جب جسم مکمل طور پر ٹھنڈا ہوجائے گا، پھر اس کے اعضاء کو سیدھا کرنا چاہیں گے، تب بھی نہیں کرسکیں گے۔ اس لئے آداب میں سے یہ ہے کہ مرنے والے کے جسم کو اچھی ہیئت میں کرلیا جائے، یہاں آنکھیں بند کرنے والی چیز کو حدیث سے ثابت کرتے ہیں۔

موت کے وقت اور بعد کیا کرے؟ کیا نہیں؟

۹۱۹:- عن أم سلمة رضی اللہ عنہا قالت: دَخَلَ رسولُ الله صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم عَلَى أَبِي سَلَمَةَ وَقَدْ شَقَّ بَصَرُهُ، فَأَغْمَضَهُ، ثُمَّ قَالَ: إِنَّ الرُّوحَ إِذَا قُبِضَ، تَبِعَهُ الْبَصَرُ. فَضَجَّ نَاسٌ مِنْ أَهْلِهِ، فَقَالَ: لَا تَدْعُوا عَلَى أَنْفُسِكُمْ إِلَّا بِخَيْرٍ، فَإِنَّ الْمَلَائِكَةَ يُؤَمِّنُونَ عَلَى مَا تَقُولُونَ. ثُمَّ قَالَ: أَللّٰهُمَّ اغْفِرْ لِأَبِي سَلَمَةَ، وَارْفَعْ دَرَجَتَهُ فِي الْمَهْدِيِّينَ، وَاخْلُفْهُ فِي عَقِبِهِ فِي الْغَابِرِينَ، وَاغْفِرْ لَنَا وَلَهُ يَا رَبَّ الْعَالَمِينَ، وَافْسَحْ لَهُ فِي قَبْرِهِ، وَنَوِّرْ لَهُ فِيهِ. (رواہ مسلم)

ترجمہ:- حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم حضرت ابوسلمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے پاس تشریف لائے اوران کی آنکھیں پھٹی کی پھٹی تھیں (یعنی ان کا انتقال ہوگیا تھا اور آنکھیں کھلی رہ گئی تھیں) نبئ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ان کی آنکھوں کواپنے دستِ مبارک سے بند کیا اور فرمایا: آدمی کی روح جب قبض کی جاتی ہے تواس روح کو جاتے ہوئے آنکھیں دیکھتی ہیں (اسی لئے آنکھیں کھلی رہ جاتی ہیں، لہٰذا آدمی کے انتقال کے بعداس کی آنکھوں کو بند کرنے کا اہتمام کیاجائے۔اس بات سے) گھر والوں نے (سمجھ لیا کہ حضرت اُبوسلمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا انتقال ہوگیاہے،اس لئے انہوں) نے شورمچایاتوحضورِاکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے گھر والوں کوتنبیہ فرمائی کہ اپنے لئے اس موقعہ پراچھائی ہی کی دعا کرنی چاہیے (ایسی مصیبت کے موقعہ پر بعض مرتبہ عورتیں دعا کے ایسے الفاظ اپنی زبان سے نکالتی ہیں جو بجائے فائدہ کے نقصان کا سبب بنتے ہیں) اس لئے کہ فرشتے تمہاری دعاؤں پرآمین کہتے ہیں،اس کے بعد حضوراکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے یہ دعافرمائی: اے اللہ! ابوسلمہ کی مغفرت فرما،اور ہدایت پائے ہوئے لوگوں میں ان کے درجہ کو بلند فرما،اور جولوگ پیچھے رہ گئے ہیں توان کا جانشین بن جا (مطلب یہ ہے کہ ان کے ذریعہ جوضرورت پوری ہوتی تھی توان ضرورتوں کی خزانۂ غیب سے کفالت فرمالے) اے سارے جہانوں کے پروردگار! ہماری بھی مغفرت فرمااوران کی بھی مغفرت فرما،اوران کی قبرکو کشادہ فرمااوران کے لئے ان کی قبرمیں روشنی کردے۔

افادات:- اس لئے ہمارے اکابراس بات کی تاکید کرتے ہیں کہ جب کسی کی موت سے متعلقین اورقریبی رشتہ داروں (جیسے باپ کاانتقال ہواتواس کی اولاد۔یا شوہرکاانتقال ہواتوبیوی وغیرہ) پرایک خاص کیفیت ہوتی ہے،اس کیفیت میں ان کو اللہ تعالیٰ کی طرف ایک خاص تعلق اوررجوع نصیب ہوتاہے،اس لئے ان حالات سے فائدہ اٹھالینا چاہیے اورایسے موقع پراچھی اچھی دعائیں کرلینا چاہیے، یہ دعائیں قبول

ہونے کا وقت ہوتا ہے۔

حضرت شیخ رحمۃ اللہ علیہ فرمایا کرتے تھے کہ: لوگ اس حالت و کیفیت اور وقت کو رونے دھونے میں ضائع کر دیتے ہیں، حالاں کہ یہی وہ وقت ہوتا ہے کہ آدمی اللہ تعالیٰ کی طرف متوجہ ہوکر جو مانگنا ہو مانگ لے۔ ایسی قیمتی چیزوں کو ہم خود ہی نادانی میں ضائع کر دیا کرتے ہیں، ایسا نہیں ہونا چاہیے اور رونے دھونے کی بجائے مرنے والے کے لئے اس طرح کی دعا مانگنی چاہیے، یہی چیز ہے جس کا فائدہ ہوتا ہے۔

باب ما یقال عند المیت

وَمَا یقوله من مات له میت

جب کسی کا انتقال ہو جائے اور آپ وہاں پہنچیں

تو آپ کو کیا کہنا چاہیے؟

اور جس کے کسی عزیز کا انتقال ہوا ہو؛

وہ خود کیا کہے؟

اس دعا کی برکت سے بہت بہتر بدل ملا

۹۲۰:-وعن أُم سَلَمة رضی اللہ عنہا قالت قَالَ رسول الله صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم :إِذَا حَضَرتُمُ المَرِيضَ أَو المَيِّت، فَقُولُوا خَيْراً، فَإِنَّ المَلائِكَةَ يُؤَمِّنُونَ عَلَى مَا تَقُولُونَ. قالت: فَلَمَّا مَاتَ أَبُو سلَمة، أَتَيْتُ النَّبِيَّ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ،فقلت: يَا رسولَ الله! إِنَّ أَبَا سَلَمَة قَدْ مَاتَ، قَالَ: قُولِي: اللَّهُمَّ اغْفِرْ لِي وَلَهُ، وَأَعْقِبْنِي مِنْهُ عُقْبى حَسَنَةً. فقلتُ: فَأَعْقَبَنِي اللهُ مَنْ هُوَ خَيْرٌ لِي مِنْهُ: مُحَمَّداً صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم .

رواه مسلم هكذا: ((إِذَا حَضَرتُمُ المَرِيضَ، أَو المَيِّتَ))، عَلَى الشَّكِّ، ورواه أَبُو داود وغيره: ((الميت)) بلا شَكٍّ.

ترجمہ:- حضرت اُم سلمہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ نبیٔ کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا: جب تم کسی بیمار یا کسی مرنے والے کے پاس پہنچو (یعنی جس کے اوپر موت کے حالات طاری ہو چکے ہوں اور وہ سکرات کے عالم میں ہو، روح قبض کی جا رہی ہے) تو وہاں اپنی زبان سے اچھی بات اور دعائیہ کلمات کہو، اس لئے کہ اس وقت آپ جو بات کہتے ہیں، فرشتے اس پر آمین کہتے ہیں۔ حضرت اُم سلمہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں: جب میرے شوہر ابوسلمہ کا انتقال ہوا، تو میں نبیٔ کریم ﷺ کے پاس حاضر ہوئی، اور عرض کیا: اے اللہ کے رسول! ابوسلمہ کا انتقال ہو گیا، تو حضور اکرم ﷺ نے فرمایا: یوں کہو: اے اللہ! تو میرے اور ان کے گناہوں کو معاف فرما، اور مجھے ان کا اچھا بدلہ اور اچھا جانشین عطا فرما۔ حضرت اُم سلمہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ نبیٔ کریم ﷺ کی اس تلقین اور ارشاد پر مَیں نے یہ دعا پڑھ لی، تو اللہ تعالیٰ نے اس دعا کی برکت سے میرے شوہر ابوسلمہ کے بدلہ میں ایسی ذات (یعنی نبیٔ کریم ﷺ) عطا فرمائی جو اُن سے بہت اچھی تھی۔

افادات:- بیمار کی عیادت کے لئے جائے تو وہاں اچھے کلمات کہنے چاہئیں کہ اللہ تعالیٰ تندرستی دے، اطمینان رکھو، اچھے ہو جاؤ گے۔ اور کسی کی موت کا وقت ہو تو وہاں بھی اس کے مناسب اچھے کلمات کہنے چاہئیں، جیسے اپنے کسی عزیز کا انتقال ہو جائے تو یوں کہنا چاہیے: اے اللہ! میرے گناہوں کو بھی معاف فرما دے اور اس کے بھی گناہوں کو معاف فرما دے۔

''وَأَعْقِبْنِي مِنْهُ عُقْبىً حَسَنَةً'':- اگر فوت شدہ کوئی ایسی چیز ہے کہ جس کا دنیا میں بدل مل سکتا ہے، مثلاً: شوہر ہے، بیوی ہے، اولاد ہے؛ تو ظاہر ہے کہ اللہ تعالیٰ اس کا بدل دنیا میں دے سکتے ہیں، اس لیے دعا مانگی گئی کہ اس سے اچھا بدل عطا فرما۔ اور اگر وہ کوئی ایسی چیز ہے جس کا بدل نہیں ہے، جیسے: ماں باپ؛ کہ ان کا کوئی بدل نہیں ہوسکتا، اس لئے اس دعا میں ''عُقْبىً حَسَنَةً'' کہا گیا، اس کا مطلب یہ ہے کہ اس کا

اچھا معاوضہ عطا فرما۔ یعنی اگر دنیوی اعتبار سے بدل مل سکتا ہے تو وہ دے، ورنہ اُخروی اعتبار سے اچھا اجر وثواب عطا فرما۔

"فَأَعْقَبَنِي اللّٰهُ مَنْ هُوَ خَيْرٌ لِي مِنْهُ: مُحَمَّداً صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم":۔ اللہ تعالیٰ نے اس کا بہت اچھا بدل نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی شکل میں عطا فرمایا، اس لئے کہ عدت کے بعد حضرت اُم سلمہ رضی اللہ عنہا نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے نکاح میں آئیں۔

دوسری روایت میں ہے، وہ فرماتی ہیں کہ جس وقت مَیں یہ دعا مانگ رہی تھی تو اپنے جی میں سوچ رہی تھی کہ ابوسلمہ سے اچھا مجھے کون ملے گا؟ لیکن جب نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ نکاح ہوا، تب پتہ چلا کہ واقعی اس دعا کی برکت سے بہت بہتر بدل ملا۔

حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس موقعہ پر جو دعا ہمیں بتلائی ہے، ہمیں تو ایمان ویقین کے ساتھ اس دعا کو پڑھنا چاہیے اور اس دعا کے اثرات کا انتظار کرنا چاہیے، باری تعالیٰ فرماتے ہیں: "أَنَا عِنْدَ ظَنِّ عَبْدِي بِي"، بندہ اللہ تعالیٰ کے ساتھ جیسی امید قائم کرتا ہے، اللہ تعالیٰ ویسا ہی معاملہ اس کے ساتھ کرتے ہیں۔ اسی لئے دعا کے آداب میں سے ایک ادب یہ بھی بتلایا گیا ہے کہ جب دعا کرے تو اس یقین کے ساتھ دعا کرے کہ میری دعا ضرور قبول ہوگی۔

۹۲۱:- وعنها قالت سَمِعْتُ رسولَ الله صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم يقول: مَا مِنْ عَبْدٍ تُصِيبُهُ مُصِيبَةٌ، فَيَقُولُ: إِنَّا لِلّٰهِ وَإِنَّا إِلَيْهِ رَاجِعُونَ، اللَّهُمَّ أْجُرْنِي فِي مُصِيبَتِي وَاخْلُفْ لِي خَيْراً مِنْهَا، إِلَّا أَجَرَهُ اللّٰهُ تَعَالَى فِي مُصِيبَتِهِ وَأَخْلَفَ لَهُ خَيْراً مِنْهَا. قالت: فَلَمَّا تُوُفِّيَ أَبُو سَلَمَةَ قلتُ كَمَا أَمَرَنِي رسولُ الله صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم فَأَخْلَفَ اللّٰهُ لِي خَيْراً مِنْهُ رسولَ الله صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم. (رواه مسلم)

ترجمہ:- حضرت اُم سلمہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ میں نے نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو ارشاد

فرماتے ہوئے سنا: جب کسی بندہ کو کوئی مصیبت پہنچتی ہے اور وہ یہ پڑھتا ہے: ''إِنَّا لِلّٰهِ وَإِنَّا إِلَيْهِ رَاجِعُونَ'' اے اللہ! اس مصیبت میں تو مجھے ثواب عطا فرما، اور اس مصیبت کی وجہ سے مجھے جو نقصان پہنچا ہے اس کا مجھے اچھا بدلہ دے؛ تو اللہ تعالیٰ اس کو اس کی اس مصیبت میں اجر وثواب عطا فرماتے ہیں، اور جو نقصان ہوا اس کا اچھا بدلہ دنیا اور آخرت میں عطا فرماتے ہیں۔ چناں چہ حضرت اُم سلمہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ جب ابوسلمہ کا انتقال ہوا تو نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے جیسا مجھے حکم دیا ویسا ہی میں نے پڑھا، تو اللہ تعالیٰ نے ان کے بدلہ میں مجھے نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم عطا فرمائے۔

افادات:- کسی کا انتقال ہو جانا بھی مصیبت کی ایک قسم ہے۔ یہ روایت پہلی روایت کے مقابلہ میں عام ہے، وہاں تو صرف موت کا تذکرہ تھا، اِس روایت میں ہر مصیبت کا تذکرہ ہے۔ جیسے تجارت میں گھاٹا اور خسارہ ہو گیا، کوئی چیز ٹوٹ گئی، کوئی نقصان ہو گیا، کوئی چیز گم ہو گئی؛ یہ سب اس میں آجاتا ہے۔

ہم ان دعاؤں کا اہتمام نہیں کرتے، چھوٹی چھوٹی چیزیں ہیں ان کو سیکھ لینا چاہیے۔ تکلیفیں ومصیبتیں اور حالات تو ہر وقت آتے ہی رہتے ہیں، اور ہم لوگ شکایتیں کرتے رہتے ہیں کہ یوں ہوا، فلاں ہو گیا، نقصان وگھاٹا ہو گیا، جب یہ دعا یاد کر لیں گے اور حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ارشاد کے مطابق یقین کے ساتھ اس کو پڑھیں گے تو ان شاء اللہ اجر بھی ملے گا اور جو نقصان ہوا ہے اس کا بدلہ بھی عطا فرمائیں گے۔

بچہ کے انتقال پر صبر کی عظیم فضیلت

۹۲۲:- وعن أَبي موسى رضی اللہ تعالیٰ عنہ أَنَّ رسول الله صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم قَالَ: إِذَا مَاتَ وَلَدُ العَبْدِ قَالَ اللهُ تَعَالَى لِمَلائِكَتِهِ: قَبَضْتُمْ وَلَدَ عَبْدِي؟ فيقولونَ: نَعَمْ. فيقولُ قَبَضْتُمْ ثَمَرَةَ فُؤَادِهِ؟ فيقولونَ: نَعَمْ. فيقولُ: مَاذَا قَالَ عَبْدِي؟

فیقولون: حَمِدَكَ وَاسْتَرْجَعَ فیقول اللهُ تَعَالَى: ابْنُوا لِعَبْدِي بَيْتاً في الجَنَّةِ، وَسَمُّوهُ بَيْتَ الحَمْدِ. (رواه الترمذي، وقال: حديث حسن)

ترجمہ:- حضرت ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا: جب کسی کا بچہ انتقال کر جاتا ہے، تو اللہ تعالیٰ اپنے فرشتوں سے پوچھتے ہیں: تم نے میرے بندہ کے بچے کی روح قبض کرلی؟ فرشتے عرض کرتے ہیں: جی ہاں۔ تو باری تعالیٰ پوچھتے ہیں: تم نے میرے بندہ کے دل کے ٹکڑے کو لے لیا؟ فرشتے عرض کرتے ہیں: جی ہاں۔ تو اللہ تعالیٰ پوچھتے ہیں: اچھا! تو میرے بندہ نے کیا کہا؟ فرشتے کہتے ہیں: باری تعالیٰ! اس بندہ نے تو تیری تعریف کے کلمات کہے، اور ''انا للہ وانا الیہ راجعون'' پڑھا۔ باری تعالیٰ فرماتے ہیں: میرے بندہ کے لئے جنت میں ایک مکان بناؤ، اور اس مکان کا نام ''بیت الحمد'' رکھو۔

افادات:- دیکھو کتنا بڑا بدلہ ملا! یہاں دیکھنے کی چیز یہ ہے کہ بندہ کے ساتھ اللہ تعالیٰ کو کیسا تعلق ہے! بندہ تو ایسے موقعہ پر شور مچاتا ہے، آہ وواویلا کرتا ہے، شکوے شکایتیں کرتا ہے۔ اُدھر اللہ تعالیٰ سب جانتے ہوئے بھی فرشتوں سے پوچھتے ہیں کہ کیا ہوا، اور بندہ نے زبان سے کیا جملے کہے؟ معلوم ہوا کہ یہ جو حالات پیش آتے ہیں؛ یہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے آزمائش ہیں۔ ایک مُحِب اپنے محبوب کو، یا محبوب اپنے مُحِب کو آزماتا ہے۔ تو بندہ جب ایمان کا دعویٰ کرتا ہے تو اللہ تعالیٰ اس کو ان حالات کے ذریعہ آزماتے ہیں۔ اور وہ جانتے ہیں کہ اس نے کیا کہا ہے، لیکن چوں کہ فرشتوں کے سامنے بندہ کی تعریف کا اظہار مقصود ہوتا ہے۔

یہ وہی فرشتے ہیں جنہوں نے انسان کی پیدائش کے وقت کہا تھا: ''أَتَجْعَلُ فِيهَا مَنْ يُّفْسِدُ فِيهَا وَيَسْفِكُ الدِّمَآءَ'' باری تعالیٰ! آپ روئے زمین پر ایسے انسانوں کو پیدا کرنے جا رہے ہیں جو دنیا میں خون بہائیں گے اور فساد پھیلائیں گے؟

حدیثِ پاک میں آتا ہے کہ بندہ جب بھی کوئی نیکی کا کام کرتا ہے تو اللہ تعالیٰ فرشتوں سے پوچھتے ہیں: تم تو کہتے تھے کہ فساد مچائے گا۔ تمہارے دعوے کا کیا ہوا؟

جب کسی کے بچے کی روح قبض کی گئی تو وہی فرشتے جو روح قبض کرنے کے لئے گئے تھے، ان ہی سے باری تعالیٰ پوچھتے ہیں: میرے بندہ کے جگر کے ٹکڑے کی روح قبض کرلی تو اس نے کیا کہا؟ فرشتے گواہی دیتے ہیں، گویا ان کی گواہی نوٹ کروائی جاتی ہے۔ حالاں کہ باری تعالیٰ تو سب جانتے ہیں لیکن ان پر حجت و دلیل قائم کرنے کے لئے ان سے ہی بلوایا جاتا ہے۔ تو وہ کہتے ہیں: باری تعالیٰ! اس نے کوئی شکوہ شکایت نہیں کی، اور تیرے فیصلے پر راضی رہا اور تیری حمد بیان کی۔ باری تعالیٰ اس کے لئے جنت میں ایک گھر بنواتے ہیں جس کا نام ''بیت الحمد'' ہوتا ہے۔

ان تعلیمات کو عام کرو

نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی یہ ساری تعلیمات اگر ہر وقت ہمارے پیشِ نظر رہیں تو ہمیں جو حالات، تکلیفیں اور مصائب پیش آتے ہیں اور مختلف طریقوں سے ہم جو آزمائے جاتے ہیں اور ان مواقع پر ہم جو جزع فزع اور شکوے شکایتیں کرتے ہیں اس کی نوبت ہی نہ آئے۔ ایسے مواقع پر حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی یہ حدیث ہمارے سامنے آئے گی اور ہم یقین کے ساتھ اس پر عمل کریں گے تو اللہ تعالیٰ کی طرف سے بہتر ہی معاملہ ہوگا۔

حضرت اُمِّ سلمہ رضی اللہ عنہا کا واقعہ دیکھئے کہ ایک عورت ہے لیکن حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ان کو ایک بات بتلادی کہ مصیبت آئی تو یہ پڑھ لو، اللہ تعالیٰ کی طرف سے اجر ملے گا اور اس کا اچھا بدلہ بھی ملے گا۔ چناں چہ انہوں نے اسی یقین کے ساتھ وہ دعا پڑھی، تو فرماتی ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے مجھے ان سے اچھا شوہر نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی شکل میں عطا فرمایا۔

بہرحال! اصل کمی وکمزوری ہماری ہے کہ ہم حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ان تعلیمات سے ناواقف ہیں، جانتے ہی نہیں۔ ضرورت اس بات کی ہے کہ ہر ہر موقعہ پر ان تعلیمات پر عمل کریں کسی بھی حال میں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ہمیں بغیر ڈائرکشن (Direction) کے تنہا چھوڑا ہی نہیں ہے، ہر ہر موقعہ پر کیا کرنا چاہیے وہ موجود ہے، اب یہ ہماری کمزوری اور ناواقفیت ہے کہ ہم ان تعلیمات کو جانتے نہیں ہیں، نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ آہ وواویلا کرتے ہیں اور شکوے شکایتوں میں مشغول ہوجاتے ہیں اور اپنا ہی نقصان کرتے ہیں۔

لہٰذا یہ ساری چیزیں سن کر ان کو نوٹ کرنا چاہیے اور یاد رکھنا چاہیے، لوگوں کو بتلانا چاہیے اور ان کو عام کرنا چاہیے۔ آج ہمارے معاشرہ اور سماج میں سے یہ ساری چیزیں نکل گئیں، پرانے زمانہ میں لوگوں میں یہ چیزیں تھیں کہ کوئی معاملہ پیش آتا تو بڑے بتلاتے تھے کہ اس موقعہ پر یہ پڑھو، یہ کرو۔ اور آج تو جو لوگ جانتے ہیں وہ بھی کسی کو سکھانے کے لئے تیار نہیں ہیں، ان تعلیمات کو ہر ہر گھر میں عام کرنے کی ضرورت ہے۔ جہاں ایسا کوئی معاملہ پیش آئے، وہاں اگر دوسری باتیں ہوں تو فوراً ان کو متوجہ کرو کہ اس موقعہ پر حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی تعلیم یہ ہے، اس لئے یوں کہو، پھر دیکھو کہ اس کا اثر کیا ہوتا ہے؟

مصیبت کے وقت کا مراقبہ

۹۲۳:-وعن أَبي هريرة رضی اللہ تعالیٰ عنہ أَنَّ رسول الله صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم قَالَ: يقولُ اللهُ تَعَالَى: مَالِعَبْدِي الْمُؤمِن عِنْدِي جَزَاءٌ إِذَا قَبَضْتُ صَفِيَّهُ مِنْ أَهْلِ الدُّنْيَا، ثُمَّ احْتَسَبَهُ إِلَّا الْجَنَّةَ. (رواہ البخاری)

ترجمہ:- حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا: باری تعالیٰ فرماتے ہیں (یہ حدیثِ قدسی ہے) جب میں کسی بندہ کی دنیا کی چیزوں میں سے کسی بھی پسندیدہ چیز کو لے لیتا ہوں، اور وہ بندہ اس پر ثواب کی امید رکھتا ہے؛ تو میرے اس بندہ کے لئے میرے یہاں جنت کے علاوہ اور کوئی بدلہ نہیں ہے۔

افادات:- ''صَفِيَّهُ'' پسندیدہ اور محبوب چیز؛ اس میں اولاد بھی آجاتی ہے اور دوسری جو محبوب چیزیں ہوتی ہیں وہ بھی سب آجاتی ہیں۔ اسی لئے روایتوں میں آتا ہے کہ اللہ تعالیٰ جب کسی کی بینائی لے لیتے ہیں اور وہ آدمی صبر کرتا ہے تو اللہ تعالیٰ اس کو جنت دیتے ہیں۔

ہمارے اکابر میں حضرت گنگوہی نور اللہ مرقدہٗ گزرے ہیں، اخیر عمر میں حضرت کو موتیا نکل آیا تھا، اور اس زمانہ میں موتیا کا آپریشن اتنا آسان نہیں ہوتا تھا جتنا آج کل ہوتا ہے۔ لوگوں نے کہا کہ اس کا آپریشن کرنا پڑے گا جس میں لیٹے رہنا پڑے گا اور سجدہ بھی اشارہ سے کرنا پڑے گا۔ حضرت نے فرمایا: نہیں بھائی! مجھے یہ گوارہ نہیں کہ سجدہ اشارہ سے کروں۔ لوگوں نے کہا: حضرت! صرف ایک دن کا معاملہ ہے۔ تو اس پر فرمایا: اللہ تعالیٰ نے مجھے بغیر اختیار کے ایک بشارت عطا فرمائی ہے؛ تو اب میں اس کو کیوں چھوڑ دوں؟

''ثُمَّ احْتَسَبَهُ'' کسی عمل پر اللہ تعالیٰ سے ثواب کی امید رکھنا ''احتساب'' کہلاتا ہے۔ یہ سوچنا کہ اللہ تعالیٰ کی دی ہوئی چیز تھی، میرے پاس امانت تھی، جب تک میرے پاس رہی؛ تب تک رہی، اب اس نے مجھ سے لے لی، اس میں اس کی مصلحتیں ہیں، وہ مالک ومختار ہے، لہٰذا اس پر مجھے صبر کرنا چاہیے، اس پر اللہ تعالیٰ مجھے اجر وثواب دے گا۔ کوئی بھی مصیبت آنے پر یہ سوچ لینا چاہیے۔

جو دیا وہ بھی اللہ تعالیٰ کا، اور جو لے گا وہ بھی اللہ ہی کا

۹۲۴:-وعن أسامة بن زيدٍ رضی اللہ تعالیٰ عنہ قَالَ: أرسَلَتْ إحدى بَنَاتِ النَّبِيِّ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم إِلَيْهِ تَدْعُوهُ وَتُخْبِرُهُ أَنَّ صَبِيّاً لَهَا -أَوِ ابناً- فِي المَوْتِ. فَقَالَ للرسول: ارْجِعْ إِلَيْهَا، فَأَخْبِرْهَا أَنَّ لِلّٰهِ تَعَالَى مَا أَخَذَ وَلَهُ مَا أَعْطَى، وَكُلُّ شَيْءٍ عِنْدَهُ بِأَجَلٍ مُسَمّى، فَمُرْهَا، فَلْتَصْبِرْ وَلْتَحْتَسِبْ))...وذكر تمام الحديث. (متفقٌ عَلَيْهِ)

ترجمہ:- حضرت اسامہ بن زید رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی صاحبزادیوں میں سے ایک نے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پاس ایک آدمی کے ذریعہ آپ کو بلانے کے لئے پیغام بھیجا (یہ حضرت زینب رضی اللہ عنہا تھیں جو نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی بڑی صاحبزادی ہیں، ان کا ایک چھوٹا بیٹا ایسا بیمار ہوا کہ بالکل جاں کنی کے عالم میں تھا، سانس تیز چلنے لگی، ان کو اندازہ ہوگیا کہ اب یہ زندہ نہیں رہے گا تو انہوں نے ابّا پر کہلوایا کہ آپ تشریف لائیے) میرا بچہ بالکل آخری حالت میں ہے، تو حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اسی قاصد کے ذریعہ یہ بات کہلوائی کہ بھائی! تم بیٹی کے پاس جاؤ اور ان کو بتلاؤ کہ جو دیا، وہ بھی اللہ تعالیٰ کا ہے، اور جو لے گا وہ بھی اللہ تعالیٰ ہی کا ہے۔ ہر چیز کا اللہ تعالیٰ کے یہاں ایک وقت مقرر ہے، اس لئے میری بیٹی سے کہہ دو کہ صبر سے کام لے اور اللہ تعالیٰ سے اس پر ثواب کی امید رکھے (اس پر ملنے والا اجر وثواب اس نعمت کے مقابلہ میں بہت زیادہ ہے)۔

وذکر تمام الحدیث۔

افادات:- اولاد کے ہم مالک تو ہیں نہیں، یہ تو اللہ تعالیٰ کی ایک نعمت ہے جس سے ہمیں ایک مدت کے لئے خوش ہونے اور فائدہ اُٹھانے کا موقعہ دیا گیا ہے، اولاد جب چھوٹی ہوتی ہے تو آدمی اس سے خوش ہوتا ہے، اور جب بڑی ہوتی ہے تو اس سے راحت پہنچتی ہے۔ اور در حقیقت یہ اسی کی چیز تھی، اب اسی نے لے لی۔

ایک عورت کے صبر کا عجیب قصہ

حضرت اُم سُلَیم رضی اللہ عنہا حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی والدہ تھیں۔ روایتوں میں آتا ہے کہ انہوں نے حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے والد کے انتقال کے بعد حضرت ابوطلحہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے نکاح کیا، ایک بچہ پیدا ہوا جو بیمار تھا، اسی دوران حضرت ابوطلحہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کہیں سفر میں نکلے، رات کو جب واپس آئے تو بچہ کا انتقال ہو چکا تھا۔ سفر سے آتے ہی پوچھا کہ بچہ کا کیا حال ہے؟ تو حضرت اُم سُلَیم نے جواب دیا: پہلے سے زیادہ آرام میں ہے (اور واقعہ بھی یہی ہے کہ پہلے تو بیماری کی تکلیف میں تھا، جب انتقال ہو گیا تو اس بیماری کی تکلیف سے آرام میں ہو گیا) اس جواب سے وہ یوں سمجھے کہ طبیعت ٹھیک ہے۔

حضراتِ شُرَّاح نے اس موقعہ پر لکھا ہے کہ اس سے معلوم ہوا کہ عورتوں کو چاہیے کہ شوہر جب گھر میں آئے تو ایسی کوئی خبر جو اس کی طبیعت پر فوری اثر کرنے والی ہو، اس کے سامنے نہ رکھے، وہ ذرا اطمینان حاصل کر لے، اس کے بعد کہے۔

خیر! انہوں نے کہا: کھانا لاؤ، تو کھانا پیش کیا، کھانے سے فارغ ہونے کے بعد کہا: بستر کا انتظام کرو، ان کو ضرورت تھی وہ پوری کی، اس وقت تک بھی بتایا نہیں کہ اس بچہ کا انتقال ہو چکا ہے، جب ضرورت سے فارغ ہوئے اور آرام ہو گیا تو پھر صبح سے پہلے کہا: بچے کا انتقال ہو گیا ہے اس کے غسل اور کفن دفن کا انتظام کرو۔

دوسری روایت میں یہ بھی ہے کہ یہ خبر دینے سے پہلے انہوں نے حضرت ابوطلحہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے پوچھا: کوئی آدمی کوئی چیز امانت کے طور پر تمہیں دے، پھر تم سے وہ چیز واپس مانگے؛ تو کیا آپ ناراض ہوں گے؟ انہوں نے کہا: نہیں! کیوں ناراض ہوؤں گا؟ اس کی چیز ہے، وہ اس کا مالک ہے، جب مانگے گا تو ضرور واپس کروں گا۔ تو

پھر حضرت اُم سُلَیم رضی اللہ عنہا نے کہا: اللہ تعالیٰ نے ہمیں ایک بچہ بطور امانت کے دیا تھا، وہ اس کا مالک تھا، اس نے ہم سے واپس لے لیا، اب اس کے کفن دفن کا انتظام کرو۔ حضرت ابوطلحہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو بڑا ناگوار گزرا کہ میں نے یہ سب کرلیا تب تک تم نے بتایا نہیں؟ پھر صبح حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں یہ قصہ عرض کیا، تو حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ان کو برکت کی دعا دی۔ روایتوں میں ہے کہ اس صحبت سے ایک بیٹا پیدا ہوا جس کا نام عبداللہ رکھا جس کی اولاد میں نو بڑے عالم پیدا ہوئے۔ (بخاری ومسلم)

(یہ قصہ حدیث کے اصلاحی مضامین، جلد ۱/ص: ۳۲۳ تا ۳۳۰ پر تفصیل سے موجود ہے۔ مرتب۔)

اس روایت میں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم یہی ارشاد فرماتے ہیں کہ: ہمارے پاس جو کچھ بھی ہے وہ سب اللہ تعالیٰ کا دیا ہوا ہے، اگر کوئی چیز گئی تو یوں سوچو کہ اللہ تعالیٰ نے واپس لے لی۔ ”وَكُلُّ شَيْءٍ عِنْدَهُ بِأَجَلٍ مُسَمًّى “اور ہر چیز کا اللہ تعالیٰ کے یہاں ایک وقت مقرر ہے۔ کسی کو اللہ تعالیٰ نے اولاد دی، تو اس کے لئے ایک وقت مقرر ہے، اس کی زندگی طے ہے، جتنے دن وہ لے کر دنیا میں آیا ہے اتنے ہی دن رہے گا۔ اور کوئی چیز ہے، جیسے: آپ کو موٹر کار دی، اس کا بھی اللہ تعالیٰ کی طرف سے ایک وقت مقرر ہے وہیں تک وہ آپ کے پاس رہے گی۔ مکان، دوکان، جاندار، بے جان؛ ہر چیز کا یہی قاعدہ ہے۔ اللہ تعالیٰ نے انسانوں کو جتنی بھی چیزیں دے رکھی ہیں؛ ہر ایک چیز کے واسطے اللہ تعالیٰ کے پاس ایک وقت مقرر ہے۔ انسان کی آنکھیں، ہاتھ، پاؤں، اعضاء بدن، مال ودولت، مکان، دوکان، تجارت، فیکٹری؛ یہ ساری چیزیں ایک مقررہ وقت تک کے لئے دی جاتی ہیں، جب وہ وقت ختم ہوجائے گا تو اللہ تعالیٰ واپس لے لے گا۔

یہ روایت پہلے (۱/ ۲۶۳ تا ۲۶۶) آچکی ہے۔ جب نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس قاصد کے ذریعہ صاحبزادی کو صبر کا پیغام بھجوایا تو اس کے جواب میں ان صاحبزادی صاحبہ

نے قسم دے کر دوبارہ پیغام بھیجا کہ میں آپ کو قسم دیتی ہوں کہ آپ ضرور تشریف لائیے، تو نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ان کے پاس تشریف لائے اور دوسرے بڑے بڑے صحابہ بھی ساتھ ہو لئے، جب آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اپنی صاحبزادی کے پاس پہنچے تو اس چھوٹے بچہ کو۔جس کی جاں کنی کی حالت تھی۔ اُٹھا کر آپ کے گود میں دیا گیا، اس وقت اس کی سانس بہت تیز چل رہی تھی۔اس کی یہ حالت دیکھ نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی آنکھ سے آنسو ٹپکا، تو حضرت سعد بن عبادہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے عرض کیا: اے اللہ کے رسول! یہ کیا؟ وہ یہ سمجھے کہ اللہ کے رسول ہیں اس لئے ایسے وقت آپ کی آنکھوں سے آنسو نہیں نکلنے چاہئیں۔تو حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: محبت وشفقت کا جذبہ اللہ تعالیٰ نے ہر انسان کے دل میں رکھا ہے؛ یہ اسی کا اثر ہے۔وہ انسان ہی کیا جس کے دل میں محبت وشفقت کا جذبہ نہ ہو؟ روایتوں میں آتا ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اس بچہ کو گود میں لینے کے بعد سانس کی وہ تیزی ختم ہوگئی اور بچہ ٹھیک وتندرست ہو گیا، بعد میں وہ زندہ بھی رہا۔

اس روایت پر ''فیض الباری'' میں حضرت علامہ انور شاہ صاحب کشمیری رحمۃ اللہ علیہ نے یہ بات ارشاد فرمائی ہے کہ: اس بچہ کی جاں کنی کی بالکل اخیری حالت تھی لیکن نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے گود میں دینے کے بعد وہ ٹھیک ہو گیا؛ تو یوں کہا جا سکتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ذریعہ سے بھی مردوں کو زندہ کیا ہے۔

باب جواز البکاء عَلَی المیت بغیر ندب وَلا نیاحۃ

مرنے والے کے اوپر بغیر آہ وواویلا اور نوحہ کے ارادہ ونیت کے رونا جائز ہے

زمانۂ جاہلیت میں رونے کی کچھ شکلیں تھیں، ایک شکل نوحہ کی تھی۔ جو پرانے لوگ ہیں جنہوں نے غیر مسلموں کو دیکھا ہوگا وہ سمجھیں گے کہ ان کے یہاں جب کسی کا انتقال ہوتا ہے، تو خاص رونے کے لئے عورتیں جمع ہوتی ہیں، وہ باتیں کرتے ہوئے آتی ہیں اور جہاں محلّے کا نکڑ آتا ہے کہ زور زور سے رونا شروع کر دیتی ہیں، چھوٹے بچے ساتھ میں ہوتے ہیں وہ بھی گھبرا جاتے ہیں کہ اچانک کیا ہوگیا۔ پھر گھومتے ہوئے سینہ کوٹتی ہیں، اپنے چہرے پر طمانچے لگاتی ہیں، بالوں کو بکھیرتی ہیں اور ترنم کے ساتھ رونے کی آوازیں نکالتی ہیں؛ یہ نوحہ کہلاتا ہے جو حرام ہے۔ اور اسی میں یہ بھی ہوتا تھا کہ جو عورت کسی کے یہاں رونے جاتی تھی اس کو نوٹ کیا جاتا تھا۔ جیسے: شادی بیاہ کے موقعہ پر نوٹ کیا جاتا ہے کہ فلاں نے کتنا دیا، تاکہ جب اس کے یہاں شادی بیاہ کا موقعہ ہو تو اتنا ہی دیا جائے، اسی طرح یہاں بھی نوٹ کیا جاتا تھا کہ کون سی عورت ہمارے یہاں رونے آئی، تاکہ جب اس کے یہاں موقعہ آئے تو ہم بھی رونے کے واسطے اس کے وہاں جائیں، یہ بھی حرام ہے اور یہ بھی اس زمانہ کا ایک خاص انداز تھا۔

اور جس کے گھر پر جتنی زیادہ عورتیں نوحہ کرتیں اس کو اتنا ہی بڑا آدمی سمجھا جاتا تھا، بلکہ لوگ وصیت کرتے تھے کہ میرے مرنے کے بعد نوحہ کرنے کا خوب اہتمام کرنا، تاکہ لوگوں کو پتہ چلے کہ بڑی شخصیت تھی۔ حضور اکرم ﷺ نے اس سے منع فرمایا ہے۔

دوسری شکل ''ندبہ'' کی تھی۔ اس میں نوحہ کی طرح پروفیشنل طریقہ سے رونا تو نہیں ہوتا، لیکن انداز وہی ہوتا ہے کہ مرنے والے پر زور زور سے کہا جاتا ہے کہ آپ تو میرے لئے ماویٰ وملجا تھے، اور اس زمانہ میں بولتے تھے: ''وَاجَبَلَاهْ، وَارَأْسَاهْ، وَامَلْجَاهْ'' ہائے میرا پہاڑ، ہائے میرے سرتاج، ہائے میری پناہ۔ آپ تو ایسے تھے، اور یوں کرتے تھے، آپ تو ہاتھ لگا دیتے تھے تو یوں ہوجاتا تھا؛ اور پورا ایک سلسلہ چلتا تھا؛ یہ ندبہ کہلاتا ہے۔ شریعت میں اس کی بھی اجازت نہیں ہے، یہ بھی حرام ہے۔

تو یہ دونوں چیزیں ممنوع ہیں، باقی کسی کے انتقال کی وجہ سے دل میں غم کا ہونا ضروری ہے، اس غم کی وجہ سے آنکھ کے آنسو نکل آئیں، تو اس سے شریعت نے منع بھی نہیں کیا ہے، یا شدتِ غم کی وجہ سے رونے کی آواز کا بلند ہوجانا بھی منع نہیں ہے۔ اس باب میں یہی بتلانا چاہتے ہیں:-

رونے کی وجہ سے میت کو عذاب دیا جاتا ہے؟

أَمَّا النِّيَاحَةُ فَحَرَامٌ وَسَيَأْتِي فِيهَا بَابٌ فِي كِتَابِ النَّهْيِ، إِنْ شَاءَ اللّٰهُ تَعَالَى. وَأَمَّا الْبُكَاءُ فَجَاءَتْ أَحَادِيثُ بِالنَّهْيِ عَنْهُ، وَأَنَّ الْمَيِّتَ يُعَذَّبُ بِبُكَاءِ أَهْلِهِ ،وَهِيَ مُتَأَوَّلَةٌ وَمَحْمُولَةٌ عَلَى مَنْ أَوْصَى بِهِ، وَالنَّهْيُ إِنَّمَا هُوَ عَنِ الْبُكَاءِ الَّذِي فِيهِ نَدْبٌ، أَوْ نِيَاحَةٌ، وَالدَّلِيلُ عَلَى جَوَازِ الْبُكَاءِ بِغَيْرِ نَدْبٍ وَلَا نِيَاحَةٍ أَحَادِيثُ كَثِيرَةٌ، مِنْهَا:

علامہ نووی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ نوحہ حرام ہے، اور آگے جہاں ممنوع باتوں کا بیان آئے گا وہاں اس سلسلہ میں مستقل باب لائیں گے۔ رونے کے سلسلہ میں بہت سی روایتوں میں ممانعت آئی ہے۔ بعض روایتوں میں آتا ہے: "إِنَّ الْمَيِّتَ لَيُعَذَّبُ بِبُكَاءِ أَهْلِهِ عَلَيْهِ (بخاری شریف: باب قَوْلِ النَّبِيِّ ﷺ يُعَذَّبُ الْمَيِّتُ بِبَعْضِ بُكَاءِ أَهْلِهِ عَلَيْهِ إِذَا كَانَ النَّوْحُ مِنْ سُنَّتِهِ)" مرنے والے کو اس کے گھر والوں کے رونے کی وجہ سے عذاب ہوتا ہے۔ اس سے معلوم ہوا کہ مطلقاً رونا جائز نہیں۔ لیکن دوسری روایتوں کو سامنے رکھتے ہوئے علماء نے لکھا ہے کہ اُس زمانہ میں لوگ باقاعدہ وصیت کرتے تھے کہ میرے مرنے کے بعد روئیو، تاکہ لوگوں کو پتہ چلے۔ تو جس آدمی نے وصیت کی ہو اور اس کے نتیجہ میں لوگ روئیں تو وہ گنہ گار ہوگا، اور لوگوں کے رونے پر اس مرنے والے کو عذاب بھی ہوگا۔ دوسری شکل یہ ہے کہ اس نے وصیت تو نہیں کی، لیکن کسی علاقہ میں مرنے والے کی موت کے بعد اس طرح رونے کا رواج ہے، اور مرنے والے کو معلوم ہے کہ ایسا ہوتا ہے، تو علماء نے لکھا ہے کہ اس کے لئے ضروری ہے کہ وصیت کر جائے کہ میرے مرنے کے بعد رونا مت۔ اس کی وصیت کے باوجود بھی وہ روئیں گے تو اس صورت میں مرنے والے کو ان شاء اللہ کوئی نقصان نہیں ہوگا۔ اور اگر اس کو معلوم ہے کہ لوگ روتے ہیں، اس کے باوجود اس نے ممانعت کی وصیت نہیں کی؛ تو اس صورت میں وہ گنہ گار ہوگا اور لوگوں کے رونے کی وجہ سے اس کو عذاب بھی ہوگا۔

اس لیے غور کرنے کی بات یہ ہے کہ رونے والے اس پر رو رہے ہیں اور یوں سمجھتے ہیں کہ ہم اس کی خیر خواہی کر رہے ہیں، لیکن اُلٹا اس کے لئے عذاب کا ذریعہ بن رہے ہیں۔

عذاب تو زبان کی وجہ سے ہوتا ہے

۹۲۵:-عن ابن عمر رضی اللہ عنہما أَنَّ رسول الله صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم عاد سَعْدَ بْنَ عُبَادَةَ، وَمَعَهُ عَبْدُ الرَّحْمانِ بْنُ عَوفٍ، وَسَعدُ بْنُ أَبِي وَقَّاصٍ، وَعَبْدُ اللهِ بْنُ مَسْعُودٍ رضی اللہ عنہم، فَبَكَى رسولُ الله صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم، فَلَمَّا رَأى الْقَوْمُ بُكَاءَ رسولِ الله صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم بَكَوْا، فَقَالَ: أَلاَ تَسْمَعُونَ؟ إِنَّ اللهَ لاَ يُعَذِّبُ بِدَمْعِ العَينِ، وَلاَ بِحُزْنِ القَلبِ، وَلَكِنْ يُعَذِّبُ بِهٰذَا أَوْ يَرْحَمُ. وَأَشَارَ إِلَى لِسَانِهِ. (متفقٌ عَلَيْهِ)

ترجمہ:- حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم حضرت سعد بن عبادہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی عیادت کے لئے تشریف لائے، اس وقت آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ عبدالرحمٰن بن عوف، سعد بن أبی وقاص اور عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہم بھی تھے، ان کی حالت دیکھ کر نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم روئے، جب لوگوں نے آپ کا رونا دیکھا تو لوگ بھی رونے لگے۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا: کیا تم لوگ سنتے ہو؟ اللہ تعالیٰ آنکھ کے آنسو اور دل کے غم کی وجہ سے عذاب نہیں دیتا، لیکن اس کی وجہ سے عذاب دیتا ہے، یا رحم فرماتا ہے۔ یہ کہتے ہوئے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے زبان کی طرف اشارہ فرمایا۔

افادات:- مطلب یہ ہے کہ مرنے والے کی موت پر آنکھوں میں آنسو آگئے، دل میں غم کی کیفیت پیدا ہوئی، تو یہ کوئی گناہ کی بات نہیں ہے، یہ تو فطری اور طبعی چیز ہے، لیکن زبان سے جو آہ وواویلا اور شکوہ شکایت کرتے ہیں، اس پر اللہ تعالیٰ کی طرف سے پکڑ اور گرفت ہوگی۔

ہر انسان کے دل میں جذبۂ رحمت رکھا ہے

۹۲۶:-وعن أُسَامَةَ بن زَيدٍ رضی اللہ عنہما أَنَّ رسول الله صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم رُفِعَ إِلَيْهِ ابنُ

ابْنَتِهِ وَهُوَ فِي الْمَوتِ، فَفَاضَتْ عَيْنَا رسولِ اللهِ ﷺ، فَقَالَ لَهُ سَعدٌ: مَا هٰذَا يَا رسولَ الله؟! قَالَ: هٰذِهِ رَحْمَةٌ جَعَلَهَا اللهُ تَعَالَى فِي قُلُوبِ عِبَادِهِ، وَإِنَّمَا يَرْحَمُ اللهُ مِنْ عِبَادِهِ الرُّحَمَاءَ. (متفقٌ عَلَيْهِ)

ترجمہ:- حضرت اسامہ بن زید رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ نبیٔ کریم ﷺ کے پاس آپ کی بیٹی کا بیٹا (یعنی نواسہ) اُٹھا کر دیا گیا اور بالکل موت کی حالت میں تھا، اس کی یہ کیفیت دیکھ کر نبیٔ کریم ﷺ کی مبارک آنکھ میں آنسو آ گئے، حضرت سعد بن عبادہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کہنے لگے: اے اللہ کے رسول! یہ کیا؟ (وہ یوں سمجھے کہ یہ چیز کہیں شانِ نبوت کے خلاف تو نہیں) نبیٔ کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا: اے سعد! یہ تو محبت اور رحمت وشفقت کا جذبہ ہے جو اللہ تبارک وتعالیٰ نے اپنے بندوں کے دلوں میں ودیعت فرمایا ہے، اور اللہ تعالیٰ اپنے بندوں میں سے انہیں بندوں کے ساتھ رحمت کا معاملہ کرتے ہیں جو دوسروں کے ساتھ رحمت کا معاملہ کرے۔

افادات:- حدیثِ پاک میں آتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کی صفتِ رحمت کے سو حصے ہیں اور اس میں سے ایک حصہ دنیا میں رکھا ہے، اسی کی وجہ سے جانور بھی اپنے بچوں سے محبت رکھتے ہیں۔ ہر انسان کے دل میں جذبۂ رحمت رکھا ہے، اس کا تقاضہ ہے کہ کوئی آدمی جب کسی کو بھی تکلیف کی حالت میں دیکھتا ہے، چاہے وہ کوئی بھی ہو، اپنا بچہ ہو، یا کسی اور کا بچہ ہو، بلکہ بعض مرتبہ کسی جانور کو بھی تکلیف کی حالت میں جب دیکھتا ہے؛ تو اس کا دل نرم ہو جاتا ہے اور پسیج جاتا ہے۔

غمگین ہونا اور آنسو نکلنا برا نہیں

۹۲۷:- وعن أنسٍ رضی اللہ تعالیٰ عنہ أَنَّ رسولَ الله ﷺ دَخَلَ عَلَى ابْنِهِ إِبْرَاهِيمَ - رضی اللہ تعالیٰ عنہ - وَهُوَ يَجُودُ بِنَفسِهِ، فَجَعَلَتْ عَيْنَا رسولِ الله - ﷺ - تَذْرِفَانِ.

فَقَالَ لَهُ عبدُ الرحمٰنِ بن عَوف: وأنت يَا رسولَ الله؟! فَقَالَ: يَا ابْنَ عَوْفٍ! إنَّهَا رَحْمَةٌ. ثُمَّ أتْبَعَهَا بأُخْرَى، فَقَالَ: إنَّ العَيْنَ تَدْمَعُ والقَلب يَحْزنُ، وَلاَ نَقُولُ إلاَّ مَا يُرْضِي رَبَّنَا، وَإنَّا لِفِرَاقِكَ يَا إبرَاهِيمُ لَمَحزُونُونَ. (رواه البخاری، وروی مسلم بعضه)

ترجمہ:- حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اپنے صاحبزادے حضرت ابراہیم رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے پاس تشریف لائے ایسی حالت میں کہ ان کی روح قبض ہورہی تھی (ان کی یہ کیفیت دیکھ کر) نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی آنکھوں سے آنسو نکل آئے، یہ دیکھ کر حضرت عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے عرض کیا: اے اللہ کے رسول! آپ بھی رورہے ہیں؟ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا: اے ابن عوف! یہ تو محبت وشفقت کا تقاضہ ہے (جو اللہ تعالیٰ نے انسان کے دل میں رکھی ہے، ایسی کیفیت دیکھ کر غیر اختیاری طور پر آنسو آہی جاتے ہیں) پھر (دوسری بات ارشاد فرمائی کہ آنکھ آنسو گراتی ہے، دل غم کرتا ہے، اور ہم وہی بات کہیں گے جو ہمارے رب کو خوش کرنے والی ہو، اے ابراہیم! ہم تمہاری جدائی پر غمگین ہیں۔

افادات:- خلاصہ یہ ہوا کہ کسی کی موت پر اگر آنکھوں سے آنسو نکلیں، دل میں غم ہو، تو یہ کوئی بری بات نہیں ہے۔ بعض مرتبہ شدت غم میں آواز ذرا تیز ہوجاتی ہے وہ بھی ممنوع نہیں ہے، ہاں بہ تکلّف ایسا نہ کرے۔

الکف عن ما یری من المیت من مکروہ

میت میں کوئی نامناسب بات نظر آئے تو اس کو چھپانا چاہیے

میت کے سلسلہ میں احکام چل رہے تھے، ایک باب قائم کیا ہے کہ مرنے والے کے جسم میں ناپسندیدہ بات، یا کوئی بری چیز دیکھے تو اس کو لوگوں کے سامنے ظاہر کرنے سے بچنا چاہیے۔ چناں چہ اس سلسلہ میں روایت لائے ہیں۔

۹۲۸:- وعن أبي رافع أسلم مولى رسول الله ﷺ أنَّ رسولَ الله ﷺ قَالَ: مَنْ غَسَّلَ مَيتاً فَكَتَمَ عَلَيْهِ، غَفَرَ اللهُ لَهُ أربَعِينَ مَرَّةً.

(رواہ الحاکم، وقال: صحیح علی شرط مسلم)

ترجمہ:- حضرت ابو رافع رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ نبیٔ کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا: کسی آدمی نے میت کو غسل دیا اور غسل کے دوران کوئی ناگوار اور نامناسب چیز اس کے علم میں آئی اور اس نے اس کو چھپایا تو اللہ تعالیٰ چالیس مرتبہ اس کی مغفرت فرمائیں گے (کسی گناہ کو چالیس مرتبہ بھی کیا ہوگا پھر بھی اس کو معاف کردیں گے)

افادات:- مثلاً: میت کے جسم سے بدبو آئی، یا اس کے چہرہ کے اندر سیاہی آگئی، یا چہرہ مسخ ہوگیا، یا بعض مرتبہ بدن میں کیڑے پڑ جاتے ہیں۔ مطلب یہ ہے کہ غسل کے دوران ایسی کوئی نامناسب چیز میت میں نظر آگئی؛ تو لوگوں کے سامنے اس کو ظاہر نہیں کرنا چاہیے، بلکہ اس کو چھپائے۔ اسی لیے غسل دینے میں شریک ہونے

والوں کے لیے بتایا گیا ہے کہ وہ امانتدار اور صالح قسم کے لوگ ہونے چاہئیں، تاکہ ایسی کوئی چیز نظر آجائے تو اس کو ظاہر نہ کریں۔ اور اس کی بڑی فضیلت ہے کہ جو آدمی ایسی چیز کو چھپائے گا تو اللہ تعالی چالیس مرتبہ اس کی مغفرت فرمائیں گے یعنی اگر کسی گناہ کو چالیس مرتبہ کیا ہوگا پھر بھی اس کو معاف کردیں گے۔

ویسے علماء نے لکھا ہے کہ اگر کوئی آدمی بدعت، یا کسی حرام اور کبیرہ گناہ کا ارتکاب علانیہ طور پر کرتا تھا، مثلاً: کوئی آدمی گویّا (Pop Singer) تھا، یا کھلّم کھلاّ سودخور تھا، یا لوگوں کے اوپر ظلم ڈھاتا تھا، اور ایسے آدمی کے مرنے کے وقت اس کے جسم میں کوئی ایسی چیز نظر آئے، تو اس کو چھپایا نہ جائے، بلکہ اس کو ظاہر کیا جائے؛ تاکہ لوگ اس قسم کے جرم سے بچیں، جب لوگوں کے سامنے یہ چیز آئے گی کہ یہ آدمی ایسا کرتا تھا تو ایسا ہوگیا؛ تو ان کو عبرت ہوگی۔ ورنہ عام طور پر ایسی چیزیں نظر آئے تو اس کو ظاہر نہ کرے بلکہ اس کو چھپائے۔ ہاں! اگر کوئی اچھی چیز نظر آئے، مثلاً: اس کے جسم میں سے خوشبو آئی، یا چہرہ کے اندر نورانیت نظر آئی، تو اس کو پوشیدہ رکھنے کی ضرورت نہیں ہے بلکہ اس کو ظاہر کرنا چاہیے۔

الصلاة عَلَى الميت وتشييعه
وحضور دفنه وكراهة اتباع النساء الجنائز
وَقَدْ سَبَقَ فَضْلُ التَّشْيِيعِ

نماز جنازہ کا بیان
جنازہ کے ساتھ جانا اور تدفین میں شریک ہونا
اور عورتوں کا دفن میں شریک ہونا مکروہ ہے

بِسْمِ اللهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

نمازِ جنازہ اور تدفین میں شریک ہونے کی فضیلت

۹۲۹:-عن أبي هريرة رضي الله تعالى عنه قَالَ قَالَ رسولُ الله صلى الله عليه وآله وسلم: مَنْ شَهِدَ الجَنَازَةَ حَتَّى يُصَلَّى عَلَيْهَا، فَلَهُ قِيرَاطٌ، وَمَنْ شَهِدَهَا حَتَّى تُدْفَنَ، فَلَهُ قِيرَاطَانِ. قِيلَ: وَمَا القِيرَاطَانِ؟ قَالَ: مِثْلُ الجَبَلَيْنِ العَظِيمَيْنِ. (متفقٌ عَلَيْهِ)

ترجمہ:-حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا: جو آدمی جنازہ میں حاضر ہوا، یہاں تک کہ نماز پڑھنے تک اس کے ساتھ شریک رہا، اس کو ایک قیراط

ثواب ملے گا۔ اور جو نماز کے بعد دفن میں بھی شریک رہا، اس کو دو قیراط ثواب ملے گا۔ پوچھا گیا: قیراط سے کیا مراد ہے؟ تو نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے جواب میں ارشاد فرمایا: دو بڑے پہاڑوں کے برابر۔

افادات:- قیراط ایک درہم کے چھٹے حصہ کو بھی کہا جاتا ہے۔ لیکن یہاں قیراط سے دو بڑے پہاڑوں کے برابر مقدار مراد ہے یعنی ثواب کا بہت بڑا حصہ۔ تو جو آدمی جنازہ کی نماز میں بھی شریک رہا اور دفن میں بھی شریک ہوا؛ اس کو دو قیراط کے برابر ثواب ملے گا۔ اس سے معلوم ہوا کہ صرف جنازہ کی نماز پر اکتفاء نہ کیا جائے، بلکہ اگر موقعہ اور وقت ہو تو آدمی کو چاہیے کہ دفن میں بھی شریک ہو جائے۔

آج کل عام مزاج یہ بن گیا ہے کہ جنازہ کی نماز میں شریک ہو کر چلے جاتے ہیں۔ اگر کوئی ضروری کام ہے تو بات دوسری ہے، لیکن اس میں بھی حکم یہ ہے کہ جنازہ کی نماز کے بعد اگر جانا چاہتے ہیں تو جنازہ کے ولی سے اجازت لینی چاہیے یعنی اس کو کہہ کر جائے۔ اگر اس کو کہے بغیر جائے گا تو کوئی حرام کام نہیں ہوگا اور گناہ بھی نہیں ہوگا، لیکن آداب میں سے ہے، اور اچھا تو یہ ہے کہ دفن میں شریک ہو جائے۔ اس میں کوئی زیادہ وقت بھی نہیں لگتا، بیس پچیس منٹ کا معاملہ ہوتا ہے، اور اتنا بڑا ثواب مل جاتا ہے۔

حضرت عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہما جنازہ کی نماز میں شریک ہو کر چلے جاتے تھے، جب یہ روایت سامنے آئی تو بڑا افسوس کرتے ہوئے کہنے لگے: لَقَدْ ضَيَّعْنَا قَرَارِيطَ كَثِيرَةً (صحیح بخاری: ۱۳۲۵/ صحیح مسلم: ۲۲۳۲) ہم نے تو بہت سے قیراطوں کا نقصان کر دیا۔ وہ حضرات اس کا اہتمام کرتے تھے۔

۹۳۰:- وعنه أَنَّ رسولَ الله صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم قَالَ: مَنِ اتَّبَعَ جَنَازَةَ مُسْلِمٍ إِيمَاناً وَاحْتِسَاباً وَكَانَ مَعَهُ حَتَّى يُصَلَّى عَلَيْهَا وَيُفْرَغَ مِنْ دَفْنِهَا فَإِنَّهُ يَرْجِعُ مِنَ الأَجْرِ بِقِيرَاطَيْنِ كُلُّ قِيرَاطٍ مِثْلُ أُحُدٍ، وَمَنْ صَلَّى عَلَيْهَا، ثُمَّ رَجَعَ قَبْلَ أَنْ تُدْفَنَ،

فَإِنَّهُ يَرْجِعُ بِقِيرَاطٍ. (رواہ البخاری)

ترجمہ: -حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی روایت ہے کہ نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا: جو آدمی کسی مسلمان کے جنازہ میں ایمان اور احتساب کے ساتھ گیا، اور جنازہ کے ساتھ رہا یہاں تک کہ نماز پڑھی گئی اور دفن سے بھی فارغ ہو گیا؛ تو وہ آدمی دو قیراط لے کر واپس لوٹتا ہے، اور ہر قیراط اُحد پہاڑ کے برابر ہے۔ اور جس آدمی نے نماز پڑھی اور دفن سے پہلے لوٹ آیا؛ تو وہ ایک قیراط لے کر لوٹے گا۔

افادات: -کسی بھی عمل کے قبول ہونے کے لیے ایمان شرط ہے، اگر ایمان نہیں ہے تو وہ عمل اللہ تعالیٰ کے یہاں قبول ہی نہیں ہوتا۔ اور ایمان کے ساتھ احتساب بھی ہو، ''احتساب'' یعنی وہ عمل خالص اللہ تعالیٰ کے خاطر کرنا، اور اس امید کے ساتھ اس عمل کو انجام دینا کہ اس پر اللہ تعالیٰ مجھے ثواب دیں گے؛ اسی کا نام ''احتساب'' ہے۔ تو اگر کوئی آدمی جنازہ کے ساتھ گیا اور یہ دونوں شرطیں ہیں تو وہ فضیلت حاصل ہوگی۔ اگر یہ ارادہ ہے کہ فلاں کو دِکھانے کے لیے جانا پڑے گا، تو پھر وہ بات نہیں رہے گی۔

اس سے معلوم ہوا کہ آدمی کو چاہیے کہ جب جنازہ کے ساتھ جائے تو نماز اور دفن دونوں میں شریک رہے۔ بعض لوگ جنازہ کے ساتھ جاتے ہیں لیکن نماز میں شریک نہیں ہوتے، الگ کھڑے ہو جاتے ہیں، ان سے پوچھا جاتا ہے کہ کیا بات ہے، الگ کیوں کھڑے ہو؟ تو کہتے ہیں: وضو نہیں ہے؛ تو ان کو کوئی ثواب نہیں ملے گا۔

عورتوں کو قبرستان جانے سے روکا گیا

۹۳۱: -وعن أم عطية رضي الله عنها قالت: نُهِينَا عَنِ اتِّبَاعِ الجَنَائِزِ، وَلَمْ

يُعْزَمْ عَلَيْنَا. (متفقٌ عَلَيْهِ) ومعناه: وَلَمْ يُشَدَّدْ فِي النَّهْيِ كَمَا يُشَدَّدُ فِي الْمُحَرَّمَاتِ.

ترجمہ:- حضرت ام عطیہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ ہم (عورتوں) کو جنازوں کے ساتھ جانے سے منع کیا گیا، اور یہ ممانعت کوئی پکی نہیں۔ (جیسے: حرام چیزوں سے شدت اور قوت کے ساتھ روکا جاتا ہے، بلکہ ناپسند قرار دیا گیا۔)

افادات:- عورتوں کو جنازہ کے ساتھ جانا اور قبرستان میں جانا کیسا ہے؟ اس سلسلہ میں احناف کے یہاں دونوں باتیں لکھی گئی ہیں۔ بعضوں نے اس کو حرام بتایا ہے، اس لئے کہ عام طور پر جب عورتیں کسی قبر پر جاتی ہیں تو اگر وہ کسی رشتہ دار کی قبر ہوئی تو نوحہ کرے گی، روئے دھوئے گی، حالاں کہ رونے دھونے سے منع کیا گیا ہے، اور نوحہ حرام ہے۔ اور اگر اللہ کے کسی نیک بندے اور بزرگ کی قبر ہوگی تو بدعت میں مبتلا ہوگی، اس سے حاجتیں مانگے گی۔ اس لئے منع کیا گیا ہے کہ عورتوں کو قبرستان نہیں جانا چاہیے۔

اور بعض علماء فرماتے ہیں کہ اگر اس کی طرف سے ان دو باتوں کا خطرہ نہ ہو، اور جوان بھی نہیں ہے بلکہ بوڑھی ہے؛ تو اس صورت میں جانے کی گنجائش ہے۔ لیکن پھر بھی بہتر بات یہی کہی گئی کہ عورتوں کو قبرستان جانے سے روکا جائے۔

باب استحباب تکثیر المصلین علی الجنازۃ وجعل صفوفھم ثلاثۃ فاکثر

نمازِ جنازہ میں شریک ہونے والوں کی تعداد کا زیادہ ہونا پسندیدہ ہے

اور صفیں تین یا اس سے زیادہ بنائی جائیں؛ یہ بھی اچھا ہے

ویسے ایک بات ضرور ہے کہ کسی کے جنازہ میں بہت زیادہ لوگ شریک ہوں تو اس کی مغفرت کا ذریعہ بنتا ہے، لیکن زیادہ لوگوں کو جنازہ میں شریک کرنے کے لیے تدفین میں تاخیر کرنے کی شریعت اجازت نہیں دیتی۔ مستقل باب لاکر اس کا حکم بتائیں گے، بلکہ فقہ کی کتابوں میں تو یہاں تک مسئلہ لکھا ہے کہ اگر کسی کا جمعہ کے دن انتقال ہو گیا جنازہ تیار ہو گیا، اور ساری تیاریاں بھی مکمل ہو گئیں، اس کے بعد محض اس لیے نمازِ جنازہ کو جمعہ کی نماز کے وقت تک مؤخر (لیٹ) کرنا کہ جمعہ کی نماز میں زیادہ لوگ آئیں گے اور جنازہ میں زیادہ لوگ شریک ہوں گے؛ تو فقہاء اس کی بھی اجازت نہیں دیتے۔ ہاں! اتنی تاخیر تو کی جاسکتی ہے کہ غسل اور کفن سے فارغ ہو جائیں اور ادھر قبر تیار ہو جائے، اتنا وقت تو لگانا ہی پڑے گا، اس کے بغیر تو بات بنے گی ہی نہیں، لیکن سب تیاریاں مکمل ہو چکنے کے بعد زیادہ لوگ آویں اس لیے تاخیر کرنے کی شریعت اجازت نہیں دیتی۔

سوآدمی جنازہ پڑھیں تو مغفرت

۹۳۲:-عن عائشة رضی اللہ عنہا قالت: قَالَ رسولُ الله صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم: مَا مِنْ مَيِّتٍ يُصَلِّي عَلَيْهِ أُمَّةٌ مِنَ الْمُسْلِمِينَ، يَبْلُغُونَ مِئَةً كُلُّهُمْ يَشْفَعُونَ لَهُ إِلاَّ شُفِّعُوا فِيهِ.

ترجمہ:- حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا: وہ میت جس کے اوپر مسلمانوں کی ایک جماعت نے نماز پڑھی جن کی تعداد سو کے برابر ہو جائے کہ ان میں سے ہر ایک اس کی سفارش کرتا ہے (یعنی دعائے مغفرت کرتا ہے) تو اللہ تعالیٰ ان کی سفارش کو قبول کر لیتے ہیں اور اس دعا پر مرنے والے کی مغفرت کر دی جاتی ہے۔

افادات:- جو بھی جنازہ کی نماز پڑھنے والا ہوتا ہے وہ جنازہ کے لئے دعائے مغفرت ہی کرتا ہے، گویا یہی اس کے لیے سفارش ہوئی۔ تو معلوم ہوا کہ کسی کے جنازہ میں سو آدمی شریک ہوئے تو یہ اس کے لیے مغفرت کا پروانہ ہے۔ یہ مسلم شریف کی روایت ہے۔

چالیس آدمی جنازہ پڑھیں تو مغفرت

۹۳۳:-عن ابن عباسٍ رضی اللہ عنہما قَالَ: سَمِعْتُ رسول الله صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم يقول: مَا مِنْ رَجُلٍ مُسْلِمٍ يَمُوتُ، فَيَقُومُ عَلَى جَنَازَتِهِ أَرْبَعُونَ رَجُلاً لاَ يُشْرِكُونَ بِاللهِ شَيْئاً إِلاَّ شَفَّعَهُمُ اللهُ فِيهِ. (رواہ مسلم)

ترجمہ:- حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ میں نے نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو ارشاد فرماتے ہوئے سنا: کسی مسلمان کا انتقال ہو جائے اور اس کے جنازہ پر چالیس آدمی نماز کے لیے کھڑے ہوں جو ایسے ہوں کہ، اللہ کے ساتھ کسی کو شریک نہ ٹھہراتے ہوں (یعنی مسلمان ہوں) تو اللہ تعالی مرنے والے کے حق میں ان کی سفارش قبول فرما لیتے ہیں اور اس کی مغفرت

فرمادی جاتی ہے۔

افادات: -اوپر والی روایت میں سو کی تعداد بتائی تھی اور اس روایت کے مطابق تو چالیس پر بھی یہ فضیلت حاصل ہوجاتی ہے۔

جس کے جنازہ میں تین صفیں ہوں

۹۳۴:-وعن مرثد بن عبد الله اليزني، قال: كان مالك بن هبيرة رضی اللہ تعالیٰ عنہ إذا صلّى على الجنازة، فتقالّ الناس عليها، جزّأهم عليها ثلاثة أجزاء، ثمّ قال: قال رسول الله ﷺ: مَنْ صلّى عليه ثلاثة صفوف فقد أوجب.

(رواه أبو داود والترمذي، وقال: حديث حسن)

ترجمہ: -حضرت مرثد بن عبداللہ فرماتے ہیں کہ حضرت مالک بن ہُبیرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ جب جنازہ کی نماز پڑھاتے اور لوگ کم نظر آتے تو ان کے تین حصے بنا لیتے تھے اور فرماتے تھے کہ: نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا: جس آدمی پر تین صفوں نے نمازِ جنازہ پڑھی، تو اس کے لیے جنت واجب ہوجائے گی۔

افادات: -شرّاح نے لکھا ہے کہ اگر صرف سات آدمی ہیں، تو ایک آدمی امام بنے، پہلی صف میں تین آدمی، دوسری صف میں دو، اور تیسری صف میں ایک آدمی کھڑا ہوجائے۔اس طرح سات آدمیوں سے بھی تین صفیں پوری ہوجائیں گی، اور اگر زیادہ ہوں تو پھر کوئی مسئلہ ہی نہیں۔بہرحال! تین صفوں پر بھی یہ فضیلت حاصل ہوجائے گی۔

نماز جناہ کی دعائیں

اب کیا دعائیں پڑھی جائیں؟ تو ایک دعا تو وہی ہے جو بالغ مرد وعورت کے لئے پڑھی جاتی ہے: أَللّٰهُمَّ اغْفِرْ لِحَيِّنَا وَمَيِّتِنَا، وشَاهِدِنَا وَغَائِبِنَا وَصَغِيرِنَا

وَ كَبِيرِنَا، وَذَكَرِنَا وَأُنْثَانَا، اللَّهُمَّ مَنْ أَحْيَيْتَهُ مِنَّا فَأَحْيِهِ عَلَى الإِسْلاَمِ، وَمَنْ تَوَفَّيْتَهُ مِنَّا فَتَوفَّهُ عَلَى الإِيمَان، "اور بھی دعائیں ہیں جو آگے آرہی ہیں۔

۹۳۵:- عن أبي عبد الرحمان عوف بن مالك رضی اللہ تعالیٰ عنہ قَالَ: صَلَّى رسول الله صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم عَلَى جَنازَةٍ، فَحَفِظْتُ مِنْ دُعَائِهِ، وَهُوَ يَقُولُ: أَللّٰهُمَّ اغْفِرْ لَهُ وَارْحَمْهُ، وَعَافِهِ وَاعْفُ عَنْهُ، وَأَكْرِمْ نُزُلَهُ، وَوَسِّعْ مُدْخَلَهُ، وَاغْسِلْهُ بِالْمَاءِ وَالثَّلْجِ وَالْبَرَدِ، وَنَقِّهِ مِنَ الْخَطَايَا كَمَا نَقَّيْتَ الثَّوْبَ الأَبْيَضَ مِنَ الدَّنَس، وَأَبْدِلْهُ دَاراً خَيْراً مِنْ دَارِهِ، وَأَهْلاً خَيراً مِنْ أَهْلِهِ، وَزَوْجاً خَيْراً مِنْ زَوْجِهِ، وَأَدْخِلهُ الْجَنَّةَ، وَأَعِذْهُ مِنْ عَذَابِ الْقَبْرِ، وَمِنْ عَذَابِ النَّارِ" حَتَّى تَمَنَّيتُ أن أكُون أنَا ذٰلِكَ الْمَيِّت.

(رواہ مسلم)

ترجمہ:- حضرت ابوعبدالرحمن عوف بن مالک رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ نبئ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ایک جنازہ کی نماز پڑھائی، اس نماز میں نبئ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے جو دعا فرمائی وہ میں نے یاد کرلی ۔نبئ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم یہ دعا پڑھ رہے تھے: **ترجمہ:-** یااللہ! تو اس کے گناہوں کو معاف فرما، اور اس پر رحم فرما، اس کو عافیت عطا فرما، اس سے درگذر فرما، میزبانی میں اس کا اکرام فرما، اس کی قبر کو کشادہ فرما، اس کے گناہوں کو پانی سے اور برف سے اور اُولوں سے دھودے۔ اس کو گناہوں سے بالکل پاک کردے، جیسے: سفید کپڑے کو میل کچیل سے پاک صاف کیا جاتا ہے، یہاں اس کا جو گھر تھا اس کے بدلہ میں اس سے اچھا گھر اس کو عطا فرما، اس کے گھر والوں سے اچھے گھر والے دے، اس کی بیوی سے اچھی بیوی دے، اس کو جنت میں داخل کردے اور اس کو عذابِ قبر اور جہنم سے بچائے رکھیو۔ حضرت عوف بن مالک رضی اللہ تعالیٰ عنہ (جو اس روایت کے نقل کرنے والے ہیں) فرماتے ہیں کہ (جب نبئ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی یہ دعا میں نے سنی تو) میں دل میں تمنا کرنے لگا: کاش! اس میت کی جگہ پر میری میت ہوتی (تاکہ نبئ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی یہ دعائیں مجھے نصیب ہوتیں)۔

افادات:- ''وَأَكْرِمْ نُزُلَهُ'' کوئی مہمان جب کسی کے یہاں جاتا ہے تو شروع میں اس کے سامنے بطور اکرام کے جو کچھ پیش کیا جاتا ہے اس کو ''نُزُل'' کہتے ہیں، گویا یہ عالَمِ برزخ میں پہنچا ہے تو اللہ تعالیٰ کی طرف سے اس کے ساتھ اکرام کا معاملہ کیا جائے۔

''وَوَسِّعْ مُدْخَلَهُ'' ''مُدْخَل'' یعنی داخل ہونے کی جگہ، اس سے قبر مراد ہے۔

گنہگار کو چین نصیب نہیں ہوتا

''وَاغْسِلْهُ بِالْمَاءِ وَالثَّلْجِ وَالْبَرَدِ'' علامہ ابن قیم رحمۃ اللہ علیہ نے لکھا ہے کہ: پانی کے ساتھ ''اَلثَّلْجِ'' برف، اور ''اَلْبَرَدِ'' اولوں کا تذکرہ کیا ہے، حالاں کہ کسی بھی گندگی اور میل کچیل کو دور کرنے کے لئے صرف پانی کافی ہے، لیکن گویا یہاں یہ بتلایا گیا ہے کہ عام طور پر لوگ یہ سمجھتے ہیں کہ بارش کے ساتھ آسمان سے جو اُولے گرتے ہیں ان کا کوئی مصرف نہیں ہے۔ دوسری بات یہ بھی ہے کہ آدمی جب گناہ کرتا ہے تو جہاں اس کے قلب کے اندر گندگی پیدا ہوتی ہے، وہیں ایک طرح کی حرارت اور گناہ کی گرمی بھی پیدا ہوتی ہے، جس کی وجہ سے گنہگار کو بے چینی ہوتی ہے، گنہگار کو کبھی چین اور سکون نصیب نہیں ہوتا، جب تک وہ توبہ کرکے اللہ تعالیٰ کو راضی نہ کرلے وہاں تک یہ کیفیت دور نہیں ہوتی، اور وہی اس کو بے چین کئے رہتی ہے۔ تو یہاں برف اور اُولوں کا تذکرہ کیا، گویا گناہوں کے نتیجہ میں جو حرارت اور بے چینی پیدا ہوتی وہ بھی اللہ تعالیٰ دور کردے۔

پہلی دعا کے ساتھ یہ دعا بھی پڑھ لی جائے، اور اُس دعا کو چھوڑ کر صرف یہ دعا بھی پڑھ سکتے ہیں، اور دونوں دعائیں بھی پڑھ سکتے ہیں۔

دیگر مختلف دعائیں

۹۳۶:-وعن أَبي هريرة وأبي قتادة وأبي إبراهيم الأشهلي، عن أبيه-وأبوه صحابيٌّ-رضي الله عنهم-عن النبيّ ﷺ: أَنَّهُ صَلَّى عَلَى جَنَازَةٍ، فَقَالَ: أَللّٰهُمَّ اغْفِرْ لِحَيِّنَا وَمَيِّتِنَا، وَصَغِيرِنَا وَكَبِيرِنَا، وَذَكَرِنَا وَأُنْثَانَا، وشَاهِدِنَا وَغَائِبِنَا، اللّٰهُمَّ مَنْ أَحْيَيْتَهُ مِنَّا فَأَحْيِهِ عَلَى الإِسْلاَمِ، وَمَنْ تَوَفَّيْتَهُ مِنَّا فَتَوَفَّهُ عَلَى الإِيمَان، اللّٰهُمَّ لاَ تَحْرِمْنَا أَجْرَهُ، وَلاَ تَفْتِنَّا بَعْدَهُ.

(رواه الترمذي من رواية أَبي هريرة والأشهلي. ورواه أَبو داود من رواية أَبي هريرة وأبي قتادة. قَالَ الحاكم: ((حديث أَبي هريرة صحيح عَلَى شرط البخاري ومسلم))، قَالَ الترمذي: ((قَالَ البخاري: أَصَحُّ رواياتِ هَذَا الحديث رواية الأَشْهَلِيّ، قَالَ البخاري: وأصح شيء في هَذَا الباب حديث عَوْفِ ابن مَالِكٍ))

ترجمہ:- حضرت ابوہریرہ، حضرت ابوقتادہ اور ابوابراہیم اشہلی اپنے والد سے جو صحابی تھے- رضوان اللہ علیہم اجمعین- نقل کرتے ہیں کہ نبیٔ کریم ﷺ نے ایک جنازہ کی نماز پڑھائی اور آپ نے یہ دعا فرمائی: اے اللہ! تو مغفرت فرمادے ہمارے زندوں کی، اور معاف فرمادے ہمارے مردوں کے گناہوں کو۔ ہمارے چھوٹوں اور بڑوں کے گناہوں کو۔ ہمارے مردوں اور عورتوں کے گناہوں کو۔ اور ہمارے جو موجود ہیں ان کو اور جو موجود نہیں ہیں ان کو۔ اے اللہ! تو ہم میں سے جس کو زندہ رکھے اس کو اسلام پر زندہ رکھیو۔ اور ہم میں سے جس کو موت دے اس کو ایمان پر موت عطا فرمائیو۔ اے اللہ! اس کے مرنے پر ہم جو صبر کریں اس کے اجر وثواب سے ہمیں محروم نہ کیجیو، اور اس کے دنیا سے رخصت ہونے کے بعد ہمیں فتنہ میں نہ ڈالیو۔

افادات:- جتنے بھی ظاہری اعمال ہیں: نماز، روزہ، حج وغیرہ ان پر اسلام کا اطلاق ہوتا ہے، اور زندگی میں یہ سارے اعمال انجام دیئے جاتے ہیں، اس

لیے زندگی کے ساتھ لفظِ اسلام کو جوڑا۔ اور موت کے وقت اعمال کرنے کا وقت باقی نہیں رہتا، ایمان ایسی چیز ہے جس کا تعلق دل کے یقین سے ہے، اس لیے یہاں ایمان کا تذکرہ کیا۔ اور اللہ کے مقبول بندے جب دنیا سے رخصت ہوتے ہیں تو اس کے بعد ایسے حالات پیدا ہوجاتے ہیں جو لوگوں کے لیے باعثِ فتنہ ہوتے ہیں، اس لیے اس دعا میں اس کو بھی شریک کرلیا ہے کہ اس کے بعد فتنہ میں مبتلا نہ کرنا۔

۹۳۷:-وعن أبي هريرة رضی اللہ تعالیٰ عنہ قَالَ: سَمِعْتُ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم يقول: إِذَا صَلَّيْتُمْ عَلَى الْمَيِّتِ، فَأَخْلِصُوا لَهُ الدُّعَاء. (رواه أبو داود)

ترجمہ:- حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ میں نے نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو ارشاد فرماتے ہوئے سنا: جب تم میت کے اوپر نماز جنازہ پڑھو؛ تو سچے دل سے اس کے لئے دعا کرو (اللہ تعالیٰ اس کو قبول فرمالیتے ہیں)

۹۳۸:-وعنه عن النبيِّ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم في الصَّلاَةِ عَلَى الجَنَازَةِ: أَللّٰهُمَّ أَنْتَ رَبُّهَا، وَأَنْتَ خَلَقْتَهَا، وَأَنتَ هَدَيْتَهَا لِلإِسْلاَمِ، وَأَنتَ قَبَضْتَ رُوحَهَا، وَأَنْتَ أَعْلَمُ بِسِرِّهَا وَعَلاَنِيَتِهَا، وَقَدْ جِئْنَاكَ شُفَعَاءَ لَهُ، فَاغْفِرْ لَهُ. (رواه أبو داود)

ترجمہ:- حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے جنازہ کی نماز میں یہ دعا بھی پڑھی: اے اللہ! اس میت کا تو ہی رب اور پروردگار ہے، تو نے ہی اس کو پیدا کیا، اور تو نے ہی اس کو اسلام کی ہدایت عطا فرمائی، تو نے ہی اس کی روح کو قبض کیا، تو اس کے چھپے اور کھلے گناہوں کو بخوبی جانتا ہے۔ اے اللہ! ہم تیرے حضور میں اس کی سفارش کرنے کے لئے حاضر ہوئے ہیں؛ لہٰذا تو اس کے گناہوں کو معاف کردے۔

۹۳۹:-وعن وَاثِلَةَ بنِ الأَسْقَعِ رضی اللہ تعالیٰ عنہ قَالَ: صَلَّى بِنَا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم عَلَى رَجُلٍ مِنَ الْمُسْلِمِينَ، فَسَمِعْتُهُ يَقُولُ: أَللّٰهُمَّ إِنَّ فُلاَنَ ابْنَ فُلاَنٍ فِي ذِمَّتِكَ

وَحَبْلِ جِوَارِكَ، فَقِهِ فِتْنَةَ الْقَبْرِ، وَعَذَابَ النَّارِ، وَأَنْتَ أَهْلُ الْوَفَاءِ وَالْحَمْدِ؛ اللّٰهُمَّ فَاغْفِرْ لَهُ وَارْحَمْهُ، إِنَّكَ أَنْتَ الْغَفُورُ الرَّحِيمُ. (رواه أبوداود)

ترجمہ:- حضرت واثلہ بن اسقع رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ہم کو ایک مسلمان کی نماز جنازہ پڑھائی، تو میں نے آپ کو یہ دعا کرتے ہوئے سنا: اے اللہ! فلاں بن فلاں (یہاں مرنے والے کا نام لیا) تیرے حضور میں آیا ہے، ہم نے اسے تیرے عہد و پیمان میں دیا، اور ہم اسے تیرے حوالہ کرتے ہیں، لہٰذا تو اس کی قبر کے فتنہ اور جہنم کے عذاب سے حفاظت فرمائیو۔ اے اللہ! تو وعدہ کو پورا کرنے والا اور تعریف کے لائق ہے۔ اے اللہ! تو اس کو بخش دے، اس پر رحم فرما، بیشک تو ہی معاف کرنے والا، رحم کرنے والا ہے۔

۹۴۰:- وعن عبد الله بن أبي أوفى رضي الله عنهما: أَنَّهُ كَبَّرَ عَلَى جَنَازَةِ ابْنَةٍ لَهُ أَرْبَعَ تَكْبِيرَاتٍ، فَقَامَ بَعْدَ الرَّابِعَةِ كَقَدْرِ مَا بَيْنَ التَّكْبِيرَتَيْنِ يَسْتَغْفِرُ لَهَا وَيَدْعُو، ثُمَّ قَالَ: كَانَ رسول الله صلى الله عليه وآله وسلم يَصْنَعُ هٰكَذَا.

وفي رواية: كَبَّرَ أَرْبَعاً فَمَكَثَ سَاعَةً حَتّٰى ظَنَنْتُ أَنَّهُ سَيُكَبِّرُ خَمْساً، ثُمَّ سَلَّمَ عَنْ يَمِينِهِ وَعَنْ شِمَالِهِ. فَلَمَّا انْصَرَفَ قُلْنَا لَهُ: مَا هٰذَا؟ فَقَالَ: إِنِّي لَا أَزِيدُكُمْ عَلَى مَا رَأَيْتُ رسولَ الله صلى الله عليه وآله وسلم يَصْنَعُ، أَوْ: هٰكَذَا صَنَعَ رسول الله صلى الله عليه وآله وسلم.

(رواه الحاكم، وقال: حديث صحيح)

ترجمہ:- حضرت عبد اللہ بن اُبی اُوفیٰ رضی اللہ عنہما نے اپنی ایک بیٹی کے جنازہ پر جو نماز پڑھائی اس میں چار تکبیریں کہیں، چوتھی تکبیر میں اتنی دیر کھڑے رہے جتنی دو تکبیروں کے درمیان میں کھڑے رہتے ہیں اور اس میں میت کے لیے دعائے مغفرت کرتے رہے، پھر فرمایا: نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اسی طرح کرتے تھے۔

دوسری روایت میں ہے کہ چوتھی تکبیر کے بعد اتنی دیر ٹھہرے کہ ہمیں یہ خیال ہوا کہ

پانچویں تکبیر کہیں گے، لیکن پھر بغیر تکبیر کہے ہی سلام پھیر دیا۔ جب پیچھے مڑے تو ہم نے کہا: یہ کیا کیا؟ (یعنی چوتھی تکبیر کے بعد اتنا زیادہ توقف کیوں کیا؟) تو اس پر فرمایا: میں نے کچھ زیادہ نہیں کیا، بلکہ جتنا نبیٔ کریم ﷺ کو کرتے ہوئے دیکھا؛ ویسا ہی کیا۔

افادات:- اس سے یہ بتانا ہے کہ چوتھی تکبیر کے بعد بھی دعا کر سکتے ہیں۔

باب الاسراع بالجنازة

جنازہ کوجلدی لے جانا

۹۴۱:- عن أبي هريرة رضي الله تعالى عنه عن النبي صلى الله عليه وآله وسلم قال: أسرعوا بالجنازة، فإن تك صالحة، فخير تقدمونها إليه، وإن تك سوى ذلك، فشر تضعونه عن رقابكم. (متفق عليه)

وفي رواية لمسلم: ((فخير تقدمونها عليه)).

ترجمہ:- حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے منقول ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا: جنازہ کوجلدی سے لے چلو۔ اگر وہ نیک ہے تو ایک بھلائی کی چیز ہے جس کی طرف تم اس کو بڑھا رہے ہو، اور اگر وہ برا ہے تو ایک برائی ہے جس کو تم اپنی گردنوں سے اتار رہے ہو۔

افادات:- جنازہ کو جلدی سے جلدی لے جانے کا حکم ہے، لیکن اتنی جلدی نہیں ہونی چاہیے کہ میت ہلنے لگے، بلکہ اس بات کا خیال رکھنا چاہیے کہ ایسی تیزی ہو کہ میت پُرسکون رہے۔

اگر وہ نیک ہے تو اس کی نیکی کا بدلہ دلوانے کے لئے جلدی پہنچانا چاہیے۔ اور اگر وہ برا ہے تو پھر کیوں برائی کا بوجھ اپنے کندھوں پر اٹھائے رکھتے ہو، جتنا جلدی نیچے اتارو، اتنا اچھا ہے۔

۹۴۲:- وعن أبي سعيد الخدري رضي الله تعالى عنه قال: كان النبي صلى الله عليه وآله وسلم يقول: إذا وضعت الجنازة، فاحتملها الرجال على أعناقهم، فإن كانت صالحة، قالت:

قَدِّمُونِي، وَإِنْ كَانَتْ غَيْرَ صَالِحَةٍ، قَالَتْ لِأَهْلِهَا: يَا وَيْلَهَا أَيْنَ تَذْهَبُونَ بِهَا؟ يَسْمَعُ صَوْتَهَا كُلُّ شَيْءٍ إِلَّا الْإِنْسَانَ، وَلَوْ سَمِعَ الْإِنْسَانُ لَصَعِقَ. (رواه البخاری)

ترجمہ:- حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا: جب جنازہ لے جانے کے لئے رکھا جاتا ہے اور لوگ اس کو اپنے کندھوں پر اٹھاتے ہیں تو اگر وہ نیک ہوتا ہے تو وہ اپنے اٹھانے والوں سے کہتا ہے: مجھے جلدی سے آگے بڑھاؤ۔ اور اگر وہ نیک نہیں ہوتا تو اٹھانے والوں سے کہتا ہے: ہائے افسوس! تم مجھے کہاں لے جارہے ہو؟ اس کی یہ پکار سوائے انسان کے ہر کوئی سنتا ہے۔ اگر انسان سن لے تو بیہوش ہو کر گر پڑے۔

افادات:- ایمان بالغیب کا مطلب ہی یہ ہے کہ جو چیزیں ہمارے سامنے نہیں ہیں، محض نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ارشاد پر ہم ان کو مانتے ہیں، ورنہ پھر ایمان بالغیب نہیں رہے گا۔ پھر بھی کبھی کبھی اللہ تعالیٰ لوگوں کی عبرت کے واسطے کچھ چیزیں ظاہر کر دیتے ہیں۔

باب تعجیل قضاء الدَّین عن المیت والمبادرۃ إلیٰ تجہیزہ إلا أن یموت فجأۃ فیترک حَتّٰی یُتَیَقَّنَ مَوْتُہ

میت کے قرض کی ادائیگی اور اس کی تیاری میں جلدی کا اہتمام

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

بیماری اور موت سے متعلق احکامات کی تفصیل چل رہی ہے، اس سلسلہ میں عنوان قائم کیا ہے: مرنے والے کے دَین یعنی قرض کی ادائیگی میں جلدی کی جائے۔ یعنی جس آدمی کا انتقال ہو گیا اس پر لوگوں کے جو حقوق ہیں، چاہے مالی ہوں یا جانی؛ ان کی ادائیگی اور معاف کرانے کے معاملہ میں عجلت سے کام لیا جائے۔ بلکہ اکابر کے یہاں تو دستور رہا ہے کہ دفن کرنے سے پہلے ہی اس کی ادائیگی اور مطالبات کی معافی کا اہتمام کیا کرتے تھے۔ ویسے شرعی طور پر بھی دُیون کی ادائیگی کو مقدم رکھا گیا ہے۔

وراثت کی تقسیم کے احکام...... پہلا حق

جہاں وراثت کی تقسیم کے احکام بیان کیے ہیں وہاں مرنے والا جو مال چھوڑ کر

جاتا ہے، اس میں فقہاء نے بالترتیب چار چیزیں لکھی ہیں:-

[ا] اس کے چھوڑے ہوئے مال میں پہلا حق یہ ہے کہ سب سے پہلے اس کی تجہیز وتکفین درمیانی طریقہ سے بغیر فضول خرچی اور بغیر بخل کے سنت کے مطابق کی جائے۔ یعنی اس کے غسل کا انتظام کیا جائے، کفن کا انتظام کیا جائے، جہاں بغیر پیسوں کے زمین میسر نہیں ہوتی وہاں پر قبر کے لیے اگر زمین خریدنا ضروری ہو تو وہ خریدی جائے؛ یہ تجہیز وتکفین کہلاتی ہے۔

اب چھوڑے ہوئے مال سے مراد فقط نقد پیسے نہیں ہیں، بلکہ جو کچھ بھی اس نے چھوڑا ہے، جیسے: مکان، دوکان، زمین، زیورات، مکان کا سامان وغیرہ، اور لوگوں سے جو قرضے وصول کرنے ہیں، ان سب کو "ترکہ" کہتے ہیں۔ "مَاتَرَكَهُ الْمَيِّتُ" مرنے والا موت کے وقت جتنی بھی چیزیں مال کے قبیل سے چھوڑ کر جائے؛ وہ "ترکہ" ہے۔

بعض غلط رواج

بعض چیزیں وہ ہیں جن کو لوگوں نے کفن کا حصہ سمجھ لیا ہے، لیکن شرعی طور پر وہ اس میں داخل نہیں ہیں، مثلاً: نہلانے کے لیے نیا برتن لانے کا اہتمام کیا جاتا ہے، حالاں کہ یہ صحیح نہیں ہے، جو برتن موجود ہے اسی کو استعمال کیا جائے۔ یا بعض مرتبہ اس کے مرنے کے بعد تیجہ کیا جاتا ہے، اور زیارت کے نام سے جو کھانا کھلایا جاتا ہے، وہ بھی مرنے والے کے مال میں سے کیا جاتا ہے؛ یہ بھی درست نہیں ہے۔ بلکہ اگر ورثاء میں نابالغ موجود ہیں تو ان کی اجازت کا بھی اعتبار نہیں کیا گیا ہے، اور اس صورت میں اگر اس مال میں سے کھانا پکایا گیا ہے تو فقہاء نے لکھا ہے کہ اس کا کھانا بھی جائز نہیں ہے، اور ویسے بھی وہ تو بدعت ہے۔ یا بعض جگہ پر امام صاحب کے مصلّے کا رواج ہے کہ کفن کے علاوہ

زائد کپڑا لایا جاتا ہے جو نماز پڑھانے والے کے لیے مصلّے کے طور پر بچھایا جاتا ہے، اور وہ کپڑا پھر امام صاحب ہی کو دے دیا جاتا ہے؛ یہ بھی اس میں داخل نہیں ہے۔

بہر حال! سنت کے مطابق جو کفن ہوتا ہے وہ یہ ہے کہ مرد کے لیے تین اور عورتوں کے لیے پانچ، درمیانی قسم کے ایسے کپڑے خریدے جائیں جو وہ اپنی زندگی میں پہنتا تھا، اور غسل کے لیے پانی اور پانی گرم کرنے وغیرہ کا سارا خرچہ اس میں سے دیا جائے گا۔

دوسرا حق

۲ نمبر دو پر یہ ہے کہ اس کے قرضہ کو ادا کیا جائے، جب تک اس کے مال میں سے اس کے تمام قرضے ادا نہیں کئے جائیں گے وہاں تک اس کے ورثاء کو اس کے مال میں سے ایک پائی بھی لینا جائز نہیں ہے۔ جب تک کہ اس کا قرضہ ادا نہ کیا جائے وہاں تک ورثاء کا حق لگتا ہی نہیں ہے۔

ہمارے معاشرہ وسماج میں عام طور پر رواج یہ ہے کہ ورثاء مال لے کر بیٹھ جاتے ہیں، کہا جاتا ہے کہ اس کا قرضہ ادا کرنا ہے، تو کہتے ہیں کہ ٹھیک ہے، ادا کر دیں گے۔ حالاں کہ قرض خواہوں کو حق ہے کہ اس کی زمین ومکان اور جو کچھ ہے اس کو بیچ کر کے بھی اپنا قرضہ وصول کریں، ان کی رضا مندی کے بغیر ورثاء کا مکان ودوکان اور مال لے کر بیٹھ جانا شرعاً درست نہیں ہے۔ اس لئے ضروری ہے کہ اس نے جتنی بھی چیزیں چھوڑی ہیں ان میں سے پہلے اس کا قرضہ ادا کرو، اگر وہ اتنا مال چھوڑ کر مرا ہے اس کے باوجود ورثاء ادا نہیں کریں گے؛ تو ورثاء ذمہ دار ہیں اور وہ حق مارنے والے کہلائیں گے۔ اس باب میں اسی کو بتاتے ہیں کہ مرنے والے کی طرف سے اس کا

قرضہ اور اس کے اوپر جو مطالبے ہیں ان کو ادا کرنے میں جلدی کی جائے۔

چناں چہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے یہاں یہ معمول تھا کہ جب کوئی جنازہ لایا جاتا تھا تو دریافت فرماتے تھے کہ اس کے اوپر کوئی قرضہ ہے؟ اگر بتلایا جاتا کہ ہے، تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم دریافت فرماتے کہ اس کی ادائیگی کے لیے مال چھوڑا ہے؟ اگر بتلایا جاتا کہ جی ہاں! چھوڑا ہے، تب تو حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اس کی نماز جنازہ پڑھاتے تھے۔ اور اگر جواب میں یہ بتلایا جاتا کہ قرضہ کی ادائیگی کے لئے مال نہیں چھوڑا ہے تو نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم فرماتے تھے کہ تم لوگ نماز پڑھ لو۔ اس کی نماز جنازہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ادا نہیں فرماتے۔ لیکن یہ معمول شروع زمانہ میں تھا، بعد میں جب فتوحات کا سلسلہ ہوا اور اللہ تعالیٰ نے نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو بھی مال کی فراوانی عطا فرمائی تو اگر کوئی ایسا ہوتا جس نے قرضہ کی ادائیگی کے لئے مال نہ چھوڑا ہوتا، تو نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اپنی طرف سے اس کا قرضہ ادا فرماتے اور نماز ادا فرماتے تھے۔ یا بعض مرتبہ ایسا ہوتا تھا کہ جب صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم دیکھتے کہ یہ آدمی اپنے قرضہ کی وجہ سے نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی نماز سے محروم ہو رہا ہے، تو مجمع میں سے کوئی کہتا کہ اللہ کے رسول! میں اس کی ذمہ داری لیتا ہوں؛ تب نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اس کی نماز پڑھاتے تھے۔

تو میں یہ بتلانا چاہتا ہوں کہ کتنی اہم چیز ہے کہ اس قرضہ کی وجہ سے جس کی ادائیگی کے لیے اس نے مال نہ چھوڑا ہوتا تو نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اس کی نمازِ جنازہ نہیں پڑھاتے تھے۔ معلوم ہوا کہ یہ بڑی اہم چیز ہے، لیکن ہمارے سماج میں اس کی طرف سے بڑی غفلت ولا پرواہی برتی جاتی ہے۔

آج کل لوگوں کا مزاج ایسا بن گیا ہے کہ مال ہوتا ہے، پھر بھی قرضہ ادا نہیں کرتے۔ پیسوں کے ہوتے ہوئے قرضوں کی ادائیگی میں تاخیر شرعاً پسندیدہ نہیں ہے، اگر قرضہ کی ادائیگی کے لئے پیسے ہیں؛ تو اولین وہلہ میں قرضہ ادا کرو۔ ہوتا یہ ہے کہ

پیسے ہیں اور ان کو غیر ضروری کاموں میں خرچ کرتے ہیں، لوگوں کی بڑی بڑی دعوتیں ہو رہی ہیں اور قرضہ ادا کرنے کی فکر نہیں۔ ایسے آدمی کی دعوت کھانے کو بھی فقہاء نے مکروہ لکھا ہے کہ اگر کسی کے اوپر قرضہ ہے وہ ادا نہیں کرتا اور دعوتیں کر رہا ہے تو اس کی دعوت میں شریک نہ ہوا جائے۔

ارواحِ ثلاثہ میں ایک قصہ لکھا ہے کہ حضرت نواب قطب الدین دہلوی رحمۃ اللہ علیہ جو حضرت شاہ عبد العزیز رحمۃ اللہ علیہ کے شاگردوں میں ہیں، حضرت شاہ محمد اسحاق صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے زمانہ میں بھی تھے، ایک مرتبہ انہوں نے دعوت کی، تو حضرت مولانا مفتی مظفر حسین صاحب کاندھلوی رحمۃ اللہ علیہ نے انکار کیا کہ مَیں تمہاری دعوت میں نہیں آؤں گا۔ نواب صاحب بھی بڑے بزرگ اور اللہ کے مقبول بندے تھے۔ انہوں نے حضرت شاہ محمد اسحاق صاحب رحمۃ اللہ علیہ سے شکایت کی کہ دیکھیے! مَیں نے آپ کی دعوت کی، تو آپ نے قبول فرمالی، لیکن انہوں نے قبول نہیں کی۔ حضرت شاہ محمد اسحاق صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے پوچھا: بھائی مظفر حسین! کیا بات ہے؟ کیا تمہیں تقویٰ کا ہیضہ ہو گیا ہے؟ کیا تمہیں نواب صاحب کی کمائی میں کوئی شبہ ہے؟ کیوں ان کی دعوت میں نہیں جاتے؟ مفتی صاحب نے فرمایا: نہیں حضرت! ان کی کمائی میں بالکل شبہ نہیں ہے، لیکن وہ مقروض ہیں، اور ہیں تو نواب؛ اگرچہ بگڑے ہوئے ہیں (مطلب یہ کہ دیندار بن گئے ہیں اور سدھر گئے ہیں، لیکن دنیادار لوگ ان کو بگڑا ہوا کہتے ہیں) جب نواب ہیں تو دعوت میں تکلّفات کریں گے، تو اتنا پیسہ جو وہ دعوت میں لگا رہے ہیں اگر وہ قرضہ ادا کرنے میں لگائیں؛ تو یہ زیادہ ضروری ہے۔ یہ سن کر شاہ صاحب نے فرمایا: ہاں بھائی! بات تو ٹھیک ہے، مَیں بھی نہیں جاؤں گا۔ کہاں تو ڈانٹ رہے تھے، اور اب خود ہی جانے سے انکار کر دیا۔

تو مَیں تو یہ مسئلہ بتلانا چاہتا ہوں کہ آج کل لوگوں کا مزاج بن گیا ہے کہ لوگوں

کے قرضہ باقی ہیں، بے چارہ قرض خواہ پریشان ہے، اس کا مطالبہ ہے اور اس سے وعدے ہو رہے ہیں۔

دَین اور قرض میں فرق

ویسے شریعت کی اصطلاح میں دو چیزیں الگ الگ ہیں۔ ایک ''دَین'' کہلاتا ہے اور دوسرا ''قرض'' کہلاتا ہے، قرض بھی دَین ہی کی ایک قسم ہے۔ لیکن قرض کا مطلب یہ ہے کہ آپ نے کسی کے پاس سے نقد رقم لی، تو اس کا مسئلہ یہ ہے کہ اگر اس نے آپ کو ایک سال کی بھی مہلت دی ہو کہ ایک سال کے بعد ادا کرنا، لیکن وہ دوسرے دن آ کر یوں کہے کہ میرے پیسے دیدو؛ تو دینے پڑیں گے۔ مسئلہ یہی ہے۔ قرض میں قرض خواہ نے آپ کو جو مہلت دی گئی ہے، اس مہلت سے پہلے بھی اگر وہ مطالبہ کرنا چاہے؛ تو اس کو شرعاً حق ہے۔

ہاں! اگر آپ نے کسی سے کوئی مال خریدا، اور اس میں وعدہ کیا کہ میں اس کی قیمت دو مہینہ بعد ادا کروں گا، تو دو مہینہ سے پہلے اس کو مطالبہ کرنے کا حق نہیں ہے۔ اگر وہ وقت سے پہلے مطالبہ کرے تو آپ انکار کر سکتے ہیں کہ میں ابھی نہیں دوں گا، دو مہینہ کے بعد دوں گا۔ لیکن اگر نقد رقم لی ہے اور اس میں چاہے دو مہینہ کا وعدہ ہو، لیکن اگر دو دن کے بعد آ کر مانگے تو مسئلہ کی رو سے وہ مانگ سکتا ہے۔

مقروض کو جنت میں داخلہ نہیں ملتا

لیکن عام طور پر ہمارے یہاں نقد رقموں کے قرضوں کی ہی باتیں چلتی ہیں کہ لوگوں سے قرضے لیے ہوئے ہیں اور ان سے وعدے بھی کئے ہوئے ہیں، اور بیچارے قرض خواہ وعدے کے مطابق صبر بھی کرتے ہیں، اور جب وعدہ کا وقت آتا ہے

تو وہ بیچارہ پہلے تو ایک مدت تک انتظار میں رہتا ہے کہ اب آئے گا، آج آئے گا، ایک دو مہینے تو ایسے ہی گزر جاتے ہیں، جب وہ نہیں آتا تو تب قرض خواہ بیچارہ ڈرتے ڈرتے اس کے پاس جاتا ہے اور مطالبہ کرتا ہے، تب بھی نہیں دیتا اور بڑے دھڑلّے سے جواب دیتا ہے کہ دیں گے، کہاں نہیں گئے! اور دوسری طرف منگنی کی دعوتیں ہو رہی ہیں اور بیٹیوں کی شادی بیاہ میں لین دین وغیرہ کی فضول خرچیاں ہو رہی ہیں، اور دوستوں کے ساتھ سیر وتفریح پر جا رہے ہیں، لیکن قرضہ ادا نہیں ہو رہا ہے۔ جب آپ نے اپنی زندگی میں ادا نہیں کیا تو آپ کے مرنے کے بعد اولاد کیا ادا کرے گی؟ اور یاد رکھیے کہ اگر اسی طرح قرضہ چھوڑ کر جائیں گے تو جب تک یہ قرضہ باقی رہے گا اس کے لیے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی طرف سے یہ وعید سنائی گئی کہ اسے جنت میں داخلہ نہیں ملتا۔

مَدیُون شہید

ایک آدمی اللہ کے راستہ میں شہید ہوا، تو شہادت کے متعلق حدیثِ پاک میں یہ فضیلت آئی ہے کہ شہید کے تمام گناہ معاف ہو جاتے ہیں؛ سوائے دَیْن کے۔ اگر دَیْن ہے تو اس کی روح کو بھی جنت سے روک دیا جاتا ہے، اس کو داخلہ نہیں ملتا۔ اتنی سخت وعید ہے۔

اس لیے بھائیو! اپنی زندگی میں اپنے قرضوں کی ادائیگی کا اہتمام کرلو۔ یہ نہ سمجھو کہ ہمارے مرنے کے بعد ورثاء ادا کر دیں گے۔ جب آپ کے پاس مال موجود ہے تو اس کو خرچ کر ڈالو۔ اگر کوئی پلاٹ ہے تو بیچ ڈالو اور قرضہ ادا کر دو۔ آپ کے مرنے کے بعد ورثاء یہ پلاٹ تقسیم کر کے بیٹھ جائیں گے، کوئی بھی آپ کا قرضہ ادا کرنے کی فکر نہیں کرے گا، اگرچہ ان کی ذمہ داری ہے، لیکن اس کے باوجود پہلے ذمہ داری تو آپ

ہی کی ہے۔اس لیے قرضوں کی ادائیگی کا اہتمام ہونا چاہیے اور قرضوں کی ادائیگی میں تاخیر نہیں ہونی چاہیے، اس لیے کہ اس پر بڑی سخت وعیدیں ہیں۔

رات کا غم، دن کی شرم

اور ویسے بھی بلاضرورت قرض لینے کو شریعت نے پسند نہیں کیا ہے۔آج کل ایک مزاج یہ بھی بنتا جارہا ہے کہ کوئی ضرورت نہیں ہوتی پھر بھی بلاوجہ قرضے لئے جارہے ہیں۔حالاں کہ یہ بھی صحیح بات نہیں ہے۔حضراتِ محدثین تو حدیث کی کتابوں میں قرضہ لینا جائز ہونا بتلانے کے لیے باقاعدہ باب قائم کرتے ہیں، کیوں کہ یہ ایک ایسی چیز ہے جس کے جواز میں شبہ ہوسکتا تھا، تو محدثین باب قائم کرکے بتادیتے ہیں کہ ضرورت کے وقت لے سکتے ہیں۔نبیٔ کریم ﷺ نے فرمایا: قرضہ رات کا غم اور دن کی شرم ہے (رواہ الدیلمی عن عائشة مرفوعا. السلسلة الضعیفة للالبانی. وقال: ضعیفٌ جداً) قرضہ کی وجہ سے آدمی مارے شرم کے دن میں گھر سے نہیں نکلتا اور غم کی وجہ سے رات بھر نیند نہیں آتی۔

تو میں یہ بتلا رہا تھا کہ مرنے والے نے جو مال چھوڑا ہے اس میں وارثوں کا حق لگتا ہی نہیں جب تک کہ قرضہ ادا نہ کیا جائے، اس لیے مرنے والے کے قرضہ کی ادائیگی کا اہتمام کیا جائے۔اب مان لیجیے کہ اس کا قرضہ پندرہ لاکھ ہے اور مرنے والے نے جو بنگلہ اور زمین وغیرہ چھوڑی ہے، وہ سب ملا کر کل بارہ لاکھ ہوتے ہیں، تو اس بنگلے وغیرہ میں کسی بھی وارث کا کوئی حق نہیں لگے گا، بلکہ سب رقم قرضہ کی ادائیگی میں دیدی جائے گی۔اب ہمارے یہاں ایسا نہیں ہوتا۔ہاں! اگر ورثاء قرض خواہوں کو راضی کرلیں، ان سے بات کریں کہ: بھائی! ہم اس مکان میں رہتے ہیں، یہ ہمارے پاس رہنے دیا جائے، اور ہم آپ کا قرضہ اتنی مدت میں ادا کردیں گے، اور قرض خواہ

منظور کرلیں؛ تب تو گنجائش ہے۔لیکن ان کی منظوری اور ان کو راضی کئے بغیر اس میں رہنا درست نہیں ہے، یہ ان کا حق ہے۔اگر اسلامی حکومت ہو تو قاضی کے یہاں باقاعدہ دعویٰ کر کے اس گھر کو خالی کروا کر قرض خواہ اپنا قرضہ وصول کر سکتے ہیں۔

تیسرا حق

۳ میت نے جو وصیت کی اگر وہ شریعت کے مطابق ہو۔مطلب یہ ہے کہ ۱ تہائی مال یا اس سے کم کی ہو، ۲ کسی جائز چیز کی وصیت کی ہو، ۳ وارث کے حق میں وصیت نہ کی ہو؛ ان تین شرطوں کے ساتھ جو وصیت کی گئی ہو وہ پوری کی جائے۔

چوتھا حق

۴ اس کے بعد ہر ایک وارث کا جو حصہ شریعت نے رکھا ہے اس کے مطابق وارثوں کے درمیان تقسیم کیا جائے۔گویا وارثوں کا حق چوتھے نمبر پر آتا ہے اور ہمارے سماج میں وہ پہلے ہی لے کر بیٹھ جاتے ہیں۔

خلاصۂ کلام

تو اس باب میں ایک بات تو یہ بتائی گئی کہ میت کی طرف سے قرضہ کی ادائیگی کا خاص اہتمام کیا جائے۔اور دوسری بات یہ بتلائی کہ مرنے والے کی موت کے فوراً بعد اس کو تیار کرنے میں جلدی کی جائے یعنی غسل دے کر جلدی سے جلدی کفن پہنایا جائے، قبر کھود کر دفن کرنے میں جلدی کی جائے، بلا وجہ دیر نہ کی جائے۔

البتہ اچانک موت آجائے تو جب تک موت کا یقین نہ ہو وہاں تک غسل نہ دیا جائے۔طبیب اور ڈاکٹروں سے معلوم کر کے یہ یقین حاصل کر لینا تو ضروری ہے کہ انتقال

ہو گیا ہے، جب موت کا یقین ہو جائے تو پھر اس کی تجہیز و تکفین میں تاخیر نہیں کرنی چاہیے۔ البتہ موت کا یقین ضروری ہے کیوں کہ بعض بیماریاں ایسی ہوتی ہیں کہ ان میں آدمی بے ہوش پڑا ہوتا ہے، جیسے: ایک بیماری سکتہ (Coma) ہوتی ہے، اگر کسی کو سکتہ (Coma) طاری ہو جاتا ہے تو ایسا ہی معلوم ہوتا ہے جیسے انتقال ہو گیا ہو، جسم میں کوئی حرکت نہیں ہوتی، اور بعض مرتبہ لوگ مردہ سمجھ کر غسل دے کر دفن کر دیتے ہیں۔

مردہ سمجھ کر دفن کر دیئے گئے مفسّر

فوائد الفواد میں شیخ نظام الدین بُستی رحمۃ اللہ علیہ کا واقعہ لکھا ہے، بہت بڑے عالم تھے، ایک مرتبہ بیمار ہوئے، ان پر سکتہ طاری ہوا، لوگوں نے مردہ سمجھ کر غسل دے کر دفن کر دیا۔ قبر میں ان کو ہوش آیا اور محسوس کیا کہ مجھے لوگوں نے قبر میں رکھ دیا ہے، ایک دم مضطرِب و پریشان ہوئے کہ اب کیا کروں۔ ان کو یاد آیا کہ چالیس مرتبہ سورۂ یٰس پڑھنے سے پریشانی اور اضطراب دور ہوتا ہے، تو انہوں نے سورۂ یٰس پڑھنی شروع کی، انتالیسویں مرتبہ جب پڑھ رہے تھے تو دیکھا کہ کوئی قبر کھود رہا ہے، تو انہوں نے پڑھنا جاری ہی رکھا، لیکن آواز پست کر دی، اور چالیسویں مرتبہ آہستہ پڑھا، تاکہ وہ آواز سن کر بھاگ نہ جائے۔ دراصل ایک کفن چور آیا اور اس نے قبر کھودنی شروع کی، یہاں تک کہ جب قبر کھل گئی تو وہ اپنے کفن کے ساتھ باہر نکل آئے، اس کفن چور نے جب دیکھا کہ مردہ بیٹھ گیا تو مارے ہیبت کے وہ مر گیا۔ دن کا وقت تھا انہوں نے سوچا کہ اگر میں اسی وقت بستی میں جاؤں گا تو لوگ مجھے دیکھ کر وحشت زدہ ہوں گے، اس لیے قبرستان ہی میں ٹھہرے رہے، جب رات ہوئی تو محلے میں سے اپنے نام کی آواز دیتے ہوئے گزرے کہ میں فلاں ہوں، مجھے مردہ سمجھ کر لوگوں نے دفن کر دیا گیا تھا، اللہ تعالیٰ

نے مجھے قبر سے نکلوایا۔ اس طرح اعلان کرتے ہوئے اپنے گھر پہنچے۔ اس کے بعد تو اتنا زندہ رہے کہ قرآن پاک کی ایک تفسیر لکھی۔

نمازِ جنازہ میں بلا وجہ تاخیر نہ ہو

کہنے کا حاصل یہ ہے کہ اتنا یقین کر لینا چاہیے کہ موت ہو چکی ہے یا نہیں، تاکہ غلط فہمی میں کہیں مردہ سمجھ کر دفن نہ کر دیا جائے۔ اور جب موت کا یقین ہو جائے تو تجہیز و تکفین میں دیر نہیں کرنی چاہیے، بس! صرف اتنی مہلت دی جائے کہ غسل دے کر اس کو تیار کر دیا جائے ادھر قبر تیار ہو جائے۔ اور گزشتہ مجلس میں بھی بتلا چکا ہوں کہ اگر کسی کا انتقال جمعہ کے دن صبح ہو گیا اور قبر وغیرہ کا انتظام بھی ہو چکا، تو پھر محض اس لیے جمعہ کی نماز تک مؤخر نہ کیا جائے کہ جمعہ کے اندر لوگ زیادہ آتے ہیں تو جنازہ کی نماز میں بھی لوگ زیادہ ہو جائیں گے۔ اس کو فقہاء نے مکروہ لکھا ہے۔

مؤمن کی جان اپنے قرضہ میں لٹکی رہتی ہے

۹۴۳:- عن أبي هريرة رضی اللہ تعالیٰ عنہ عن النبي صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم قال: نَفْسُ الْمُؤْمِنِ مُعَلَّقَةٌ بِدَيْنِهِ حَتَّى يُقْضَى عَنْهُ. (رواہ الترمذی، وقال: حدیث حسن)

ترجمہ:- حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نقل کرتے ہیں کہ نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا: مؤمن کی جان اپنے قرضہ میں لٹکی اور رُکی رہتی ہے، یہاں تک کہ اس کی طرف سے ادائیگی کر دی جائے۔

افادات:- دوسری حدیثوں میں اس کی تصریح موجود ہے کہ اس کو جنت میں داخلہ نہیں ملتا، جب تک کہ اس کا دَین ادا نہ کر دیا جائے۔ اس لیے دَین کی ادائیگی میں تاخیر نہ کی جائے، مرنے والے کو دفن کرنے سے پہلے یہ سب صاف کر لیا جائے۔

ہمارے حضرت مفتی صاحب رحمۃ اللہ علیہ فرماتے تھے کہ: میرے والد صاحب کا جب انتقال ہوا اور نماز کے واسطہ جنازہ لایا گیا، تو نماز سے پہلے میں نے دو تین مرتبہ اعلان کیا کہ: اگر میرے والد صاحب پر کسی کا کوئی مطالبہ ہو تو وہ کہے؛ میں ابھی ادا کردوں۔ جب کہا گیا کہ کسی کا کوئی مطالبہ نہیں ہے تب حضرت نے نماز پڑھائی۔ ہمارے اکابر کے یہاں اس بات کا اہتمام کیا جاتا ہے۔

مسلمان کی لاش کے لیے مناسب نہیں ہے کہ......

۹۴۴:-وعن حُصَيْنِ بن وَحْوَحٍ رضی اللہ تعالیٰ عنہ أَنَّ طَلْحَةَ بْنَ الْبَرَاءِ بن عَازِبٍ رضی اللہ عنہما مَرِضَ، فَأَتَاهُ النَّبِيُّ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم يَعُودُهُ، فَقَالَ: إِنِّي لاأَرى طَلْحَةَ إِلاَّ قَدْ حَدَثَ فِيهِ الْمَوْتُ، فَآذِنُونِي بِهِ، وَعَجِّلُوا بِهِ، فَإِنَّهُ لاَيَنْبَغِي لِجِيفَةِ مُسْلِمٍ أَنْ تُحْبَسَ بَيْنَ ظَهْرَانِيْ أَهْلِهِ. (رواہ أبو داود)

ترجمہ:- حضرت حُصَیْنِ بن وَحْوَح رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ حضرت طلحہ بن براء بن عازب رضی اللہ عنہما بیمار ہوئے تو نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ان کی خبر گیری کے لیے تشریف لے گئے۔ ان کو دیکھ کر فرمایا: مَیں محسوس کررہا ہوں کہ طلحہ کے اندر موت کے آثار نمودار ہو چکے ہیں (یعنی اب وہ زندہ نہیں رہیں گے) جب ان کا انتقال ہو جائے تو مجھ کو اطلاع دینا، اور ان کو دفن کرنے میں جلدی کرنا، اس لیے کہ مسلمان کی لاش کے لیے مناسب نہیں ہے کہ گھر والوں کے درمیان روک کر رکھی جائے۔

افادات:- معلوم ہوا کہ مرنے کے بعد اس کے دفن میں تاخیر نہیں کرنی چاہیے، جتنا جلدی ہو سکے اس کا انتظام کرنا چاہیے۔

باب الموعظة عند القبر

قبر کے پاس وعظ ونصیحت کرنا

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

ویسے تو جہاں موقعہ ہو نصیحت کی جاسکتی ہے، نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ایک مرتبہ ایک جنازہ کی تدفین میں گئے، ابھی قبر پوری طرح تیار نہیں ہوئی تھی، کھودی جارہی تھی، نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے دیکھا کہ ابھی دیر ہے، اس موقعہ پر آپ نے نصیحت فرمائی۔

۹۴۵:-عن علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ قَالَ: كُنَّا فِي جَنَازَةٍ فِي بَقِيعِ الغَرْقَدِ، فَأَتَانَا رسولُ الله صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم فَقَعَدَ، وَقَعَدْنَا حَوْلَهُ وَمَعَهُ مِخْصَرَةٌ. فَنَكَّسَ وَجَعَلَ يَنْكُتُ بِمِخْصَرَتِهِ، ثُمَّ قَالَ: مَا مِنْكُمْ مِنْ أَحَدٍ إِلَّا وَقَدْ كُتِبَ مَقْعَدُهُ مِنَ النَّارِ وَمَقْعَدُهُ مِنَ الجَنَّةِ. فقالوا: يَارسولَ الله! أَفَلَا نَتَّكِلُ عَلَى كِتَابِنَا؟ فَقَالَ: اعْمَلُوا، فكلٌّ مُيَسَّرٌ لِمَا خُلِقَ لَهُ... وذكر تَمَامَ الحديث. (متفقٌ عَلَيْهِ)

ترجمہ:- حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ ہم لوگ جنت البقیع میں ایک جنازہ میں شریک تھے، نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تشریف لائے اور بیٹھ گئے اور ہم بھی آپ کے آس پاس بیٹھ گئے۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پاس ایک چھوٹی سی لکڑی تھی، آپ نے اپنا سر جھکا دیا اور اس لکڑی کے ذریعہ زمین کو کریدنے لگے۔ اس کے بعد نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے بطورِ نصیحت ارشاد فرمایا: تم میں سے ہر ایک کے لیے اس کا جو ٹھکانہ جنت میں ہے اور جو ٹھکانہ جہنم میں ہے؛ وہ لکھ دیا گیا ہے (یعنی اگر وہ جہنمی

ہے تو جہنم کا ٹھکانہ، اور اگر جنتی ہے تو جنت کا ٹھکانہ لکھ دیا گیا ہے) حضراتِ صحابہ رضی اللہ عنہم نے عرض کیا: اے اللہ کے رسول! کیا ہماری تقدیر کی اس تحریر اور نوشتہ پر ہم بھروسہ نہ کرلیں؟ حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے جواب میں ارشاد فرمایا: عمل کرتے رہو، ہر ایک کے لیے اللہ تعالیٰ کی طرف سے وہی کام آسان کردیا جاتا ہے جس کے لیے وہ پیدا کیا گیا ہے۔

افادات:- فقہاء نے لکھا ہے کہ قبرستان پہنچ کر جنازہ کو جب کندھوں سے اتار دیا جائے تو قبرستان میں بھی بیٹھ سکتے ہیں، تدفین کے انتظار میں کھڑا رہنا ہی ضروری نہیں ہے، جیسے قبر نہیں کھدی ہے، یا قبر تو کھد چکی ہے، اور میت کو قبر میں اتارا جارہا ہے، اتنی دیر تک کوئی آدمی بیٹھے؛ تو اس کی اجازت ہے۔ ہاں! جب تک جنازہ کندھوں پر سے اتارا نہ گیا ہو؛ وہاں تک بیٹھا نہ جائے۔

صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کا سوال

صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے سوال کا مطلب یہ تھا کہ جس کو جنت ملنی ہے اس کے لئے جنت بھی لکھی جاچکی ہے اور جس کو جہنم ملنی ہے وہ بھی لکھی جاچکی؛ تو اب عمل کی زحمت کیوں اُٹھائی جائے! جو ملنا طے ہے وہ ملنا ہی ہے؛ پھر عمل کی تکلیف میں کیوں پڑیں؟

حضرت مولانا بدرعالم صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے ترجمان السنہ میں لکھا ہے کہ یہاں تقدیر کا مسئلہ بیان کیا گیا ہے۔ حضراتِ صحابہ کو یہاں (نعوذ باللہ) اللہ تعالیٰ کے فیصلہ کے بارے نہیں، بلکہ اپنے عمل کے معاملہ میں اشکال ہوا، اس لیے انہوں نے سوال یہ کیا کہ: اے اللہ کے رسول! جب اللہ تعالیٰ کی طرف سے جنتی کا جنت میں جانا اور جہنمی کا جہنم میں جانا طے کیا جاچکا ہے؛ تو اعمال سے کیا حاصل ہوگا؟ ہم اعمال کی محنت میں کیوں پڑیں؟ صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم نے سوال کیا تھا: **"عمل کی زحمت اور مشقت میں ہم**

کیوں پڑیں؟'' اس لیے کہ عمل تو مشقت کا کام ہے نا! نمازیں پڑھنا، روزے رکھنا، دین کے اور کام انجام دینا۔ تو ہم ان ساری مشقتوں میں کیوں پڑیں؟ اسی نوشتۂ تقدیر پر بھروسہ کر کے بیٹھے رہیں؟ تو حضور اکرم ﷺ نے جو جواب ارشاد فرمایا اس کا حاصل یہ ہے کہ: ''**یہ مشقت کی چیز ہے ہی نہیں، بلکہ اللہ تعالیٰ نے جس کے لیے جو لکھا ہے اس کے لیے اللہ تعالیٰ کی طرف سے وہی کام آسان کر دیا گیا ہے۔**'' مطلب یہ ہے کہ تم بیٹھنا چاہو گے تب بھی نہیں بیٹھ سکو گے، ہر آدمی وہی کام کرے گا جس کے لیے وہ پیدا کیا گیا ہے۔ اگر وہ جنت کے لیے پیدا کیا گیا ہے تو جنت والے اعمال اس کے لیے آسان کر دیئے جائیں گے، اور وہ اپنے شوق اور رغبت سے انہی اعمال کو انجام دے گا، اس کے لیے وہ زحمت کی چیز نہیں ہوگی۔ اور جس کے لیے اللہ تعالیٰ نے جہنم مقدر فرمائی ہے تو وہ جہنم والے اعمال کو انجام دے گا، اس میں اس کے لیے کوئی مشقت نہیں ہوگی۔

جیسے آپ دیکھتے ہیں کہ جو اللہ کے نیک بندے ہوتے ہیں، بظاہر جن کے لیے خیر کے فیصلے ہیں اور اللہ تعالیٰ ان کو ایمان پر موت نصیب فرماتے ہیں؛ ان کے لیے نمازوں کا پڑھنا آسان ہوتا ہے، بلکہ جہاں نماز کا وقت آیا اور اذان کی آواز سنی تو ان کو چین ہی نہیں پڑتا جب تک کہ نماز نہ پڑھ لیں۔ جب تک کہ مسجد نہ جائیں اور نماز نہ پڑھ لیں وہاں تک کھانا بھی اچھا نہیں لگتا، کسی کے ساتھ بات کرنا بھی بوجھ معلوم ہوتا ہے، اسی طرح جتنے بھی خیر کے اعمال ہیں ان کو انجام دینے میں ان کے لیے کوئی دشواری نہیں ہوتی، بلکہ اس عمل کے لیے اس کی طبیعت بے چین اور بے کل رہتی ہے، جب تک اس عمل سے فارغ نہ ہو جائیں وہاں تک ان کو سکون نہیں ملتا، اللہ تعالیٰ نے ان کے لیے اس عمل کو اتنا آسان کر دیا۔ اور اگر ان سے یہ کہا جائے کہ ایک گھونٹ شراب پی لو، تو آپ جان سکتے ہیں کہ وہ مرنا تو گوارا کر لیں گے لیکن ایک گھونٹ حلق سے نیچے اتارنا ان کے

لیے گوارا نہیں ہوگا۔ وہ کہیں گے کہ مجھے مار ڈالو لیکن شراب کو ہاتھ بھی نہیں لگائیں گے۔ ان میں سے کسی سے کہو کہ یہ چھری کسی کی پاؤں میں گھونپ دو، اور مارنا نہیں ہے، بلکہ بس! ذرا سا زخمی کرنا ہے، تو وہ کہے گا کہ اس کی کیا بات کرتے ہو، میں تو ایک گالی بھی نہیں بول سکتا۔ مطلب یہ ہے کہ جتنے بھی گناہ کے کام ہیں ان سے وہ اتنا ڈرتے ہیں کہ ان کی طبیعت اس کے لیے آمادہ ہی نہیں ہوتی، اگر ان کو جان کی دھمکی دیدی جائے تب بھی وہ گناہ نہیں کریں گے، ان کے لیے کسی کو قتل کرنا کیا! کسی کو گالی دینا بھی بڑا مشکل ہوتا ہے۔

اس کے برعکس جو لوگ انہیں کاموں میں لگے ہوئے ہیں جن کے لیے دوسری چیز مقدر ہے، ان کے لیے کسی کو قتل کرنا بائیں ہاتھ کا کھیل ہے، شراب پینا بہت آسان ہے، وہ لوگ تو اسی میں لگے لپٹے رہتے ہیں۔ ان کے لیے زنا کرنا اور کسی کی عزت سے کھلواڑ کرنا کوئی مشکل کام نہیں۔ مطلب یہ ہے کہ سارے گناہ کے کام ان کے لیے بالکل آسان ہیں، اب اگر انہیں کے پاس جا کر کہیں کہ ذرا ایک مرتبہ سبحان اللہ کہو؛ تو دیکھو کیا ہوتا ہے؟ حالاں کہ سبحان اللہ زبان سے کہا جاتا ہے، اور بڑا آسان عمل ہے، لیکن آپ اس کے پاس یہ کلمہ پڑھوا لیجیے، سبحان اللہ کہلوا لیجیے؟ نہیں کہے گا۔ اعذار کرتا رہے گا، لیکن کہہ کر نہیں دے گا۔ اس کے لیے کسی کو قتل کر دینا آسان ہے۔

تو میں یہ بتلانا چاہتا ہوں کہ حضور اکرم ﷺ کے جواب کا حاصل یہی ہے کہ عمل کرتے رہو؛ تمہاری تقدیر میں کیا لکھا ہے وہ تو تمہیں معلوم نہیں۔ فیصلہ تو ہو چکا ہے لیکن ہمیں بتلایا نہیں گیا ہے، اس لیے ہمیں تو عمل کرتے رہنا ہے اور اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہر ایک کے لیے وہی عمل آسان کر دیا جاتا ہے جس کے لیے وہ پیدا کیا گیا ہے۔ اگر جنت کے لیے پیدا کیا گیا ہے تو جنت والے اعمال اس کے لیے آسان ہیں اور وہ بڑی رغبت اور بڑے شوق سے ان کو انجام دیتا ہے۔ اور اگر جہنم کے لیے پیدا کیا گیا ہے تو

جہنم والے اعمال اس کے لیے آسان کر دیئے جاتے ہیں۔ اس لیے تم لوگ جو کہہ رہے ہو کہ عمل کی مشقت میں کیوں پڑیں؟ نوشتۂ تقدیر پر بھروسہ کر کے بیٹھے نہ رہیں؟ تو سن لو کہ یہ مشقت کی چیز ہے ہی نہیں۔ وہ تو آٹو میٹک چیز ہے جو چلتی رہے گی، اور یہی اللہ تعالیٰ کی طرف سے اس بات کی علامت ہے کہ ہمارے حق میں کیا فیصلہ ہوا ہے۔

باب الدعاء للميت بعد دفنه والقعود عند قبره ساعة للدعاء لهٗ والاستغفار والقراءة

میت کو دفن کرنے کے بعد اس کے لیے دعا کرنا، قبر کے پاس تھوڑی دیر بیٹھ کر دعا کرنا، اس کے لیے مغفرت طلب کرنا اور وہاں قرآنِ پاک کی تلاوت کرنا

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

۹۴۶:-وعن أبي عمرو-وقيل:أبو عبد الله،وقيل:أبو ليلى عثمان بن عفان رضی اللہ تعالیٰ عنہ قَالَ: كَانَ النبيُّ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم إِذَا فُرِغَ مِن دَفْنِ المَيِّتِ وَقَفَ عَلَيْهِ، وقال: اسْتَغْفِرُوا لأخِيكُمْ، وَسَلُوا لَهُ التَّثْبِيتَ، فَإِنَّهُ الآنَ يُسأَلُ. (رواه أبو داود)

ترجمہ:- حضرت عثمان بن عفان رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے منقول ہے کہ نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم میت کی تدفین سے فارغ ہونے کے بعد وہاں ٹھہرتے تھے، اور فرماتے تھے: اپنے بھائی کے لیے مغفرت کی دعا کرو اور اس کے لیے اللہ تعالیٰ سے ثابت قدمی مانگو، اس لیے کہ اس وقت اس سے سوال کیا جارہا ہے۔

افادات:-''**ثابت قدمی**'' کا مطلب یہ ہے کہ جب اس کو دفن کردیا گیا تو اس کے پاس منکر اور نکیر دو فرشتے سوال کرنے کے لیے آئیں گے، اس وقت وہ مضبوطی سے جما رہے اس کی دعا کرو۔ جیسے کوئی آدمی کورٹ میں جاتا ہے تو کہہ کر جاتا

ہے کہ بھائی! ہمارے لیے دعا کرنا کہ معاملہ ٹھیک ہو۔اسی طرح حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہمیں تاکید فرما رہے ہیں کہ وہاں اس سے سوالات کا معاملہ چل رہا ہے، اس لیے دعا کرو کہ اللہ تعالیٰ اسے ثابت قدم رکھے، اور اس سے صحیح صحیح جوابات دلوائے۔

اس سے معلوم ہوا کہ تدفین کے بعد وہاں ٹھہر کر اس کے لیے دعائے مغفرت اور تثبیت کی دعا کرنی چاہیے۔اسی لیے اس وقت کی دعاؤں میں یہ دعا بھی کی جاتی ہے: ''أَللّٰهُمَّ ثَبِّتْهُ بِالْقَوْلِ الثَّابِتِ'' اے اللہ! قولِ ثابت یعنی کلمۂ طیبہ کے ذریعہ اس کو استقامت عطا فرما۔

جب دفن کر چکو تو اتنی دیر قبر کے پاس ٹھہرنا

۹۴۷:-وعن عمرو بن العاص رضی اللہ تعالیٰ عنہ قَالَ: إِذَا دَفَنْتُمُونِي، فَأَقِيمُوا حَوْلَ قَبْرِي قَدْرَ مَا تُنْحَرُ جَزُورٌ، وَيُقَسَّمُ لَحْمُهَا حَتَّى أَسْتَأْنِسَ بِكُمْ، وَأَعْلَمَ مَاذَا أُرَاجِعُ بِهِ رُسُلَ رَبِّي. (رواه مسلم. وَقَدْ سبق بطوله.)

قَالَ الشَّافِعِيُّ رَحِمَهُ اللّٰهُ: وَيُسْتَحَبُّ أَنْ يُقْرَأَ عِنْدَهُ شَيْءٌ مِنَ الْقُرْآنِ، وَإِنْ خَتَمُوا الْقُرْآنَ عِنْدَهُ كَانَ حَسَناً.

ترجمہ:- حضرت عمرو بن عاص رضی اللہ تعالیٰ عنہ (کا جب انتقال ہونے لگا تو وفات سے پہلے انہوں) نے وصیت فرمائی تھی کہ جب تم لوگ مجھے دفن کر چکو تو میری قبر کے پاس اتنی دیر ٹھہرے رہنا جس میں ایک اونٹ ذبح کر کے اس کا گوشت تقسیم کر دیا جائے، تاکہ میں تم سے انس حاصل کروں، اور میں جان لوں کہ اللہ تعالیٰ کے بھیجے ہوؤں کو میں کیا جواب دیتا ہوں۔

امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: تدفین کے بعد وہاں ٹھہر کر قرآن پڑھنا پسندیدہ ہے۔اور اگر کوئی آدمی خود وہاں ٹھہر کر ایک قرآن پورا کرنے کا اہتمام کر لے تو بہت ہی اچھا ہے۔

افادات:- بیس، پچیس منٹ یا آدھا گھنٹہ وہاں ٹھہرنا چاہیے، اس لیے کہ زندوں کا وہاں ٹھہر کر دعا و ذکر اور تلاوت کی وجہ سے مردہ کو انس حاصل ہوتا ہے، حالاں کہ وہ قبر میں اکیلا ہوتا ہے، لیکن لوگ باہر کھڑے رہ کر دعا کر رہے ہیں تو اس کی وجہ سے اس کو ایک طرح کی انسیت حاصل ہوتی ہے۔

اس سے معلوم ہوا کہ تدفین کے بعد لوگوں کو اور خاص کر کے رشتہ داروں کو چاہیے کہ وہاں ٹھہر کر دعا و تلاوت کا اہتمام کریں، اس کی وجہ سے مردے کو جوابات دینے میں تقویت ملتی ہے اور مدد حاصل ہوتی ہے۔

قرآنِ پاک کے ختم کی جو بات ہے، اس کا مطلب یہ نہیں ہے کہ کسی کو پیسے دے کر قرآن پڑھنے کے لیے بٹھایا جائے، بلکہ رشتہ دار اور احباب خود پڑھیں۔ اگر پیسے دے کر قرآنِ پاک پڑھائیں گے تو علامہ شامی رحمۃ اللہ علیہ نے لکھا ہے کہ جب کوئی آدمی پیسے لے کر پڑھے گا تو خود اس کو ہی ثواب نہیں ملے گا۔ جب اس کو ہی نہیں ملے گا تو وہ کیا دے گا؟ جیسے: گجراتی میں کہاوت ہے:-''કુંવા માં હોય તો હવાડા માં આવે'' جب اسی کو ثواب نہیں ملا تو وہ بخشے گا کیا؟ جب آپ پڑھیں گے تو اس پر آپ کو ثواب ملے گا، وہی ثواب آپ بخشتے ہیں۔ گویا آپ نے کچھ کمایا تو اسی کو آپ اپنے کھاتے میں سے اس کے کھاتے میں ٹرانسفر (Transfer) کرتے ہیں۔ لیکن جب آپ ہی کی کمائی نہیں ہوئی اور آپ کے کھاتے میں ہی جمع نہیں ہوا تو آپ کیا ٹرانسفر (Transfer) کریں گے؟ معلوم ہوا کہ جو آدمی پیسے لے کر قرآن پڑھتا ہے اس کو کچھ بھی ثواب نہیں ملتا ہے، اس لیے اس کو منع کیا گیا ہے۔

بَابُ الصَّدَقَةِ عَنِ الْمَيِّتِ وَالدُّعَاءِ لَهُ

میت کی طرف سے صدقہ اور اس کے لیے دعا

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

بیماری اور موت سے متعلق احکام و آداب کا سلسلہ چل رہا ہے۔ ایک اور باب قائم کیا ہے کہ مرنے والے کی طرف سے صدقہ کرنا اور اس کے لیے مغفرت اور رفعِ درجات کی دعا کرنا؛ ان دونوں چیزوں کو ثابت کرنا چاہتے ہیں۔

چناں چہ ایک آیت کریمہ لائے ہیں: ﴿وَالَّذِيْنَ جَاءُوْا مِنْ بَعْدِهِمْ يَقُوْلُوْنَ رَبَّنَا اغْفِرْ لَنَا وَلِإِخْوَانِنَا الَّذِيْنَ سَبَقُوْنَا بِالْإِيْمَانِ (الحشر:۱۰)﴾ (یہ سورۂ حشر کی ایک آیت کا حصہ ہے، اس سے پہلے مہاجرین اور انصار کا تذکرہ کیا گیا ہے، اس کے بعد باری تعالیٰ فرماتے ہیں کہ) وہ لوگ جو ان (یعنی مہاجرین و انصار اور صحابۂ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین) کے بعد آئے ان کا ایک وظیفہ یہ بھی ہے کہ وہ اپنی دعاؤں میں باری تعالیٰ سے عرض کرتے ہیں کہ: اے اللہ! تو ہمارے گناہوں کو بھی معاف فرمادے اور ہم سے پہلے جو ایمان لائے ان کے گناہوں کو بھی معاف فرمادے۔ یہاں تو یہ بات ثابت کرنا چاہتے ہیں کہ ان لوگوں کی دعاؤں میں ایک وظیفہ یہ بھی تھا کہ جو مسلمان ان

سے پہلے دنیا سے جاچکے ان کے لیے دعائے مغفرت کرتے ہیں۔ اس سے مرنے والے کے لیے دعا کا ثبوت ہو گیا۔

یہاں انہوں نے صدقہ کا عنوان قائم کیا ہے۔ تو یہ مسئلہ اہلِ سنت کے یہاں مسلّم ہے کہ کسی عبادت کا ثواب اگر کوئی آدمی میت کو پہنچانا چاہے، تو پہنچا سکتا ہے۔ اور اس میں جو مالی عبادت ہے یعنی صدقہ وغیرہ؛ تو اس کے ثواب کے متعلق تو تمام اہلِ سنت والجماعت کا اتفاق ہے، احناف، شوافع سب کے نزدیک مالی عبادت کا ثواب میت کو پہنچتا ہے۔ البتہ اہلِ اسلام میں ایک جماعت معتزلہ کی گزری ہے، وہ اس بات کے قائل تھے کہ کسی کے عمل کا ثواب دوسرے کو نہیں ملا کرتا، اور وہ دلیل میں یہ آیت پیش کرتے ہیں ﴿وَأَن لَّيْسَ لِلْإِنسَانِ إِلَّا مَا سَعَىٰ﴾ آدمی جو کچھ محنت کرتا ہے وہی اس کو ملتا ہے۔ اس آیت کے متعلق اہلِ سنت والجماعت فرماتے ہیں کہ اس کا تعلق سعیٔ ایمانی سے ہے۔

مفتی صاحب کا ایک آیت کا مطلب سمجھنے کے لیے دیوبند سے گنگوہ کا رات میں پیدل سفر

ہمارے حضرت مفتی صاحب رحمۃ اللہ علیہ ایک قصہ بیان کرتے تھے کہ حضرت مولانا مفتی عزیز الرحمٰن صاحب دیوبندی عثمانی رحمۃ اللہ علیہ جو دارالعلوم دیوبند کے سب سے پہلے صدر مفتی تھے، وہ جلالین شریف پڑھایا کرتے تھے، ایک مرتبہ رات کے وقت یہ آیت ﴿وَأَن لَّيْسَ لِلْإِنسَانِ إِلَّا مَا سَعَىٰ﴾ ذہن میں آئی کہ آدمی کو وہی ملتا ہے جو وہ کوشش ومحنت کرے۔ تو خیال آیا کہ میت کو ایصالِ ثواب کا مسئلہ تو ہمارے یہاں مسلّم ہے، اور یہ آیت اُس کے خلاف ہے؟ بس اسی وقت اُٹھے اور حضرت گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ کی خدمت میں

حاضری دینے کے لیے رات ہی کو چل پڑے اور دیو بند سے گنگوہ پیدل گئے، تہجد کے وقت گنگوہ پہنچے۔ حضرت گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ تہجد کے لیے وضو فرما رہے تھے، اس وقت ان کو دیکھا تو پوچھا: کیا بات ہے؟ کہا: حضرت! لیٹے لیٹے یہ خیال آیا اور میں نے یوں سوچا کہ اگر اسی طرح کا ایک اشکال لے کر دنیا سے جاؤں گا؛ تو میرے ایمان کا کیا حشر ہوگا؟ مجھے نیند نہیں آئی اور میں نے سوچا کہ آپ کی خدمت میں حاضری دے کر اس کا حل معلوم کرلوں۔ اسی وقت حضرت گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا: اس سے سعیٔ ایمانی مراد ہے۔ مطلب یہ ہے کہ کسی ایک کا ایمان لانا کسی دوسرے کی طرف سے کافی نہیں ہوگا، جیسے بیٹے نے ایمان قبول کرلیا تو اس کا ایمان لانا باپ کے لیے کافی نہیں، ایمان ایک ایسا عمل ہے کہ جو کرے گا اس کا فائدہ اسی کو پہنچے گا، کسی دوسرے کی طرف سے ایمان لانا کافی نہیں ہے۔ لیکن ایمان لاچکنے کے بعد دوسرے اعمال کے متعلق کیا حکم ہے؟ تو اس سلسلہ میں احناف تو اس طرف گئے ہیں کہ عبادت چاہے مالی ہو یا جانی (بدنی) ہو؛ دونوں کا ثواب مرنے والے کو پہنچایا جاسکتا ہے، مثلاً: ایک آدمی نماز پڑھ کر، قرآنِ پاک کی تلاوت کر کے اس کا ثواب پہنچانا چاہے؛ تو پہنچا سکتا ہے۔ صدقہ اور خیرات کر کے، قربانی کر کے اس کا ثواب پہنچانا چاہے تو وہ بھی پہنچا سکتا ہے۔ جبکہ شوافع کے یہاں مالی عبادت کا ثواب تو پہنچایا جاسکتا ہے، لیکن بدنی عبادت کے وہ قائل نہیں ہیں۔ لیکن متأخرینِ شوافع تلاوت کے ثواب کو تسلیم کرتے ہیں۔

اسی لیے علامہ نووی رحمۃ اللہ علیہ نے باب قائم کیا: ’’باب الصدقة عن الميت‘‘ مرنے والے کی طرف سے صدقہ اور خیرات کرنا۔ چوں کہ علامہ نووی رحمۃ اللہ علیہ شافعی المسلک ہیں اس لیے عنوان کے اندر اس قید کا اہتمام کیا کہ مرنے والے کی طرف سے صدقہ، خیرات کرے تو اس کا ثواب مرنے والے کو پہنچتا ہے۔

اور یہ بھی یاد رہے کہ ایصالِ ثواب مرنے والے ہی کے لیے نہیں ہے، بلکہ زندوں کو بھی کیا جاسکتا ہے۔ اس کی مثال ایسی ہے جیسے کہ ہم نے کمایا اور اپنے اکاؤنٹ میں جمع کروادیا، اب اگر میں یوں کہوں کہ میرے اکاؤنٹ میں سے فلاں کے اکاؤنٹ میں ٹرانسفر (Transfer) کردو؛ تو ہوجائے گا۔ اسی طریقہ سے عمل کرنے والے نے عمل کرکے جو ثواب حاصل کیا، تو اب وہ اللہ تعالیٰ سے یہ درخواست کرتا ہے کہ باری تعالیٰ! نماز پڑھ کر، صدقہ وخیرات کرکے، تلاوت کرکے جو ثواب مجھے حاصل ہوا ہے، وہ میری طرف سے فلاں کو دیدے؛ تو ہوجاتا ہے۔

۹۴۸:- عن عائشة رضی اللہ عنہا أنَّ رجلاً قالَ للنبيِّ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم: إنَّ أُمِّي افْتُلِتَتْ نَفْسُهَا وَأُرَاهَا لَوْ تَكَلَّمَتْ تَصَدَّقَتْ، فَهَلْ لَهَا أجْرٌ إنْ تَصَدَّقْتُ عَنْهَا؟ قَالَ: نَعَمْ. (متفقٌ عَلَيْهِ)

ترجمہ:- حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ ایک صحابی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے عرض کیا کہ: میری والدہ اچانک انتقال کرگئی، اب میرا خیال ہے کہ اگر ان کو کچھ بولنے کا موقعہ ملتا تو وہ ضرور یہ کہتی کہ: میری طرف سے صدقہ کیجیو۔ اگرچہ انہوں نے تو ایسی کوئی وصیت نہیں کی، لیکن اگر مَیں اس کی طرف سے صدقہ کروں گا؛ تو کیا اس کا ثواب ان کو ملے گا؟ نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے جواب میں ارشاد فرمایا: جی ہاں۔

افادات:- اس سے معلوم ہوا کہ اگر کوئی آدمی مرنے والے کی طرف سے صدقہ کرکے اس کا ثواب پہنچانا چاہے تو پہنچایا جاسکتا ہے۔

۹۴۹:- وعن أبي هريرة رضی اللہ تعالیٰ عنہ أنَّ رسول الله صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم قَالَ: إذَا مَاتَ الإنْسَانُ انْقَطَعَ عَمَلُهُ إلاَّ مِنْ ثَلاثٍ: صَدَقَةٍ جَارِيَةٍ، أَوْ عِلْمٍ يُنْتَفَعُ بِهِ، أَوْ وَلَدٍ

صَالِحٍ یَدْعُولَهُ. (رواہ مسلم)

ترجمہ:- حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا: جب آدمی کا انتقال ہوجاتا ہے تو اس کے اعمال کا سلسلہ منقطع اور ختم ہوجاتا ہے؛ البتہ تین چیزیں ایسی ہیں کہ مرنے بعد بھی ان کا ثواب اس کو پہنچتا رہتا ہے:- ایک صدقۂ جاریہ۔ یا علم کی ایسی بات جس سے اس کے مرنے کے بعد بھی لوگ فائدہ اٹھاتے ہیں۔ یا نیک اولاد جو اس کے لیے دعائے خیر کرتی رہے۔

افادات:- کوئی ایسا نیکی کا کام کرلیا جس سے لوگ اس کے مرنے کے بعد بھی فائدہ اٹھاتے رہتے ہیں، جیسے: مسجد بنادی، تو اس کے مرنے کے بعد بھی لوگ اس مسجد میں نماز پڑھتے ہیں، مدرسہ بنادیا، واٹر ورکس بنادیا، کوئی مسافر خانہ بنادیا، اور اپنا مال خرچ کرکے کوئی ایسی چیز بنا کر گیا کہ اس کے مرنے کے بعد بھی لوگ اس سے فائدہ اٹھارہے ہیں؛ تو اس کا ثواب اس کو ملتا رہے گا، اسی کو صدقۂ جاریہ کہتے ہیں۔

کوئی علم کی بات چھوڑی کہ اس کے مرنے کے بعد بھی لوگ اس سے فائدہ اٹھاتے ہیں، جیسے: کوئی کتاب تصنیف کردی، کسی کو علمی بات سکھادی، کسی بچہ کو قرآن پڑھنا سکھادیا، اب وہ بچہ زندگی بھر قرآن پڑھتا رہے گا، تو چوں کہ اس کے قرآن سیکھنے میں اس کا حصہ تھا؛ تو جب تک وہ قرآن پڑھتا رہے گا، اس کو ثواب ملتا رہے گا۔ اب اگر اس بچے نے دوسرے کو سکھایا، اور اس نے تیسرے کو سکھایا، تو یہ سلسلہ چلتا رہے گا، تو اس کو بھی ثواب میں حصہ ملتا رہے گا۔ ”مَنْ سَنَّ فِي الإِسْلَامِ سُنَّةً حَسَنَةً فَعُمِلَ بِهَا بَعْدَهُ كُتِبَ لَهُ مِثْلُ أَجْرِ مَنْ عَمِلَ بِهَا (مسلم:۱۹۷۵) کسی نے کوئی اچھا طریقہ جاری کردیا تو اس کا ثواب اس کو ملے گا اور جو اس پر عمل کرتا رہے گا اس کا ثواب بھی اس کو ملتا رہے گا۔

اپنے پیچھے اولادِ صالح چھوڑی جو ماں باپ کے لیے دعا کرتی ہے۔ بس! اس روایت کو اس باب میں لانے کا مقصد یہی جملہ ہے۔ اس لیے کہ باب کے عنوان میں تھا ’’والدعاء له‘‘ مرنے والے کے لیے دعا کرنا۔ تو دیکھو! اولاد جب ماں باپ کے لیے دعا کرتی ہے، تو اولاد کی اس دعا سے ماں باپ کو فائدہ پہنچتا ہے۔

باب ثناء الناس علَی المیت

لوگوں کا مرنے والے کی تعریف کرنا

بِسۡمِ اللّٰهِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِيۡمِ

روئے زمین پر اللہ تعالیٰ کے گواہ

۹۵۰:- عن أنسٍ رضی اللہ تعالیٰ عنہ قَالَ: مَرُّوا بِجَنَازَةٍ، فَأَثْنَوْا عَلَيْهَا خَيْراً، فَقَالَ النبيُّ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم: وَجَبَتْ. ثُمَّ مَرُّوا بِأُخْرَى، فَأَثْنَوْا عَلَيْهَا شَرّاً، فَقَالَ النبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم: وَجَبَتْ. فَقَالَ عمر بن الخطاب رضی اللہ تعالیٰ عنہ: مَا وَجَبَت؟ فَقَالَ: هَذَا أَثْنَيْتُمْ عَلَيْهِ خَيْراً، فَوَجَبتْ لَهُ الجَنَّةُ، وهَذَا أَثْنَيْتُمْ عَلَيْهِ شَرّاً، فَوَجَبَتْ لَهُ النَّار، أَنْتُمْ شُهَدَاءُ اللهِ فِي الأَرْضِ. (متفقٌ عَلَيْهِ)

ترجمہ:- حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ لوگ ایک جنازہ کو لے کر گزرے، اس جنازہ کو دیکھ کر نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی مجلس میں جو لوگ موجود تھے انہوں نے اس جنازہ والے کے متعلق اچھی بات کہی اور اس کی تعریف کی کہ: بہت اچھا آدمی تھا، نیک وصالح تھا۔ حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے یہ سن کر ارشاد فرمایا: اس کے لیے واجب ہوگئی۔ اس کے بعد ایک دوسرا جنازہ وہاں سے گزرا، اس کو دیکھ کر وہاں موجود لوگوں نے اس کی برائی کی کہ بہت برا آدمی تھا۔ نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے یہ سن کر ارشاد فرمایا: اس کے لیے بھی واجب ہوگئی۔ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ جو اس مجلس میں موجود تھے انہوں نے عرض کیا: اے اللہ کے رسول! کیا چیز واجب ہوگئی؟ پہلے کے متعلق بھی آپ فرماتے ہیں کہ

واجب ہوگئی، اور دوسرے کے متعلق بھی آپ نے فرمایا: واجب ہوگئی۔ تو نبیِ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے جواب میں ارشاد فرمایا: پہلا آدمی جس کے متعلق تم لوگوں نے اچھی بات کہی تھی اور اس کی تعریفیں کی تھیں؛ اس کے لیے جنت واجب ہوگئی۔ اور دوسرا آدمی جس کے متعلق تم نے برے کلمات کہے تھے؛ اس کے لیے جہنم واجب ہوگئی۔ تم لوگ روئے زمین پر اللہ تعالیٰ کے گواہ ہو۔

افادات:- مؤمنین کی جماعت جس کے متعلق یہ کہے کہ اچھا آدمی تھا تو ان کے اس کہنے کی برکت سے اللہ تعالیٰ اس کو جنت میں داخل کر دیتے ہیں۔ اہلِ ایمان کے دل میں کسی کی اچھائی کا آنا یہ خود اس کے جنتی ہونے کی علامت ہے۔ عام طور پر دیکھا ہوگا کہ مرنے کے بعد لوگ خوبیاں ہی بیان کرتے ہیں، بہت کم لوگ ایسے ہوتے ہیں جن کے متعلق برا کہنے کی نوبت آتی ہے۔ ورنہ اگر کسی سے بعض برے اعمال بھی سرزد ہوئے ہوتے ہیں، پھر بھی اس کے مرنے کے بعد اس کی اچھائیاں اور خوبیاں یاد کرتے ہیں، تو یہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے لوگوں کے دلوں میں یہ بات ڈالی کہ وہ اس کی خوبیاں بیان کر رہے ہیں، یہ گویا اس بات کی علامت ہے کہ اس کے لیے جنت کا فیصلہ ہوا ہے۔ اس لیے اہلِ ایمان کی طرف سے لوگ جو باتیں کرتے ہیں وہ قدرت کے فیصلے کی طرف اشارہ ہوا کرتا ہے:- ؎

زبانِ خلق کو نقارۂ خدا سمجھو

۹۵۱:- وعن أَبي الأَسْوَدِ رضی اللہ تعالیٰ عنہ قَالَ: قَدِمْتُ الْمَدِينَةَ، فَجَلَسْتُ إِلَى عُمَرَ بنِ الْخَطَّاب رضی اللہ تعالیٰ عنہ فَمَرَّتْ بِهِمْ جَنَازَةٌ، فَأُثْنِيَ عَلَى صَاحِبِهَا خَيْراً، فَقَالَ عُمَرُ رضی اللہ تعالیٰ عنہ: وَجَبَتْ ثُمَّ مُرَّ بِأُخْرَى فَأُثْنِيَ عَلَى صَاحِبِهَا خَيْراً، فَقَالَ عُمَرُ رضی اللہ تعالیٰ عنہ: وَجَبَتْ. ثُمَّ مُرَّ بِالثَّالِثَةِ فَأُثْنِيَ عَلَى صَاحِبِهَا شَرّاً، فَقَالَ عُمر: وَجَبَتْ. قَالَ أَبُو الأَسودِ: فقلتُ: وَمَا وَجَبَتْ يَاأَمِيرَ الْمُؤمِنِينَ؟ قَالَ: قُلْتُ كما قَالَ النبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم: أَيُّمَا

مُسْلِمٍ شَهِدَ لَهُ أَرْبَعَةٌ بِخَيْرٍ، أَدْخَلَهُ اللهُ الْجَنَّةَ. فَقُلْنَا: وَثَلاثَةٌ؟ قَالَ: وَثَلاثَةٌ. فقلنا: وَاثْنَانِ؟ قَالَ: وَاثْنَانِ. ثُمَّ لَمْ نَسْأَلْهُ عَنِ الْوَاحِدِ. (رواہ البخاری)

ترجمہ:- حضرت ابوالاسود رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ میں مدینہ منورہ آیا اور حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے پاس بیٹھا، ان کے پاس سے ایک جنازہ گزرا تو اس کے متعلق اچھی بات کہی گئی (یعنی لوگ اس کی تعریف کرنے لگے) تو حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا: اس کے لیے واجب ہوگئی پھر دوسرا جنازہ گزرا، لوگوں نے اس کی بھی تعریف، تو حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا: اس کے لیے بھی واجب ہوگئی۔ پھر تیسرا جنازہ گزرا، تو لوگوں نے اس کی برائی کی، تو حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا: واجب ہوگئی۔ ابوالاسود رضی اللہ تعالیٰ عنہ کہتے ہیں کہ میں نے عرض کیا: اے امیر المؤمنین! کیا واجب ہوگئی؟ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا: میں نے وہی بات کہی جو نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمائی تھی۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: ہر وہ مسلمان جس کے متعلق چار آدمی گواہی دیں کہ اچھا آدمی تھا، تو اللہ تعالیٰ اس کو جنت میں داخل کر دیتے ہیں (کتنا آسان ہے) حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں: ہم نے عرض کیا: اے اللہ کے رسول! اگر کسی کے متعلق تین آدمی گواہی دیں کہ اچھا آدمی تھا؟ تو نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ارشاد فرمایا: اگر تین آدمی کہیں تب بھی اللہ تعالیٰ اس کو جنت میں داخل فرما دیتے ہیں۔ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں: ہم نے عرض کیا: اے اللہ کے رسول! اگر کسی کے متعلق دو آدمی کہیں کہ اچھا آدمی تھا؟ نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ارشاد فرمایا: اگر دو آدمی بھی کسی کے لیے ایسا کہیں تو اس کو بھی اللہ تعالیٰ جنت میں داخل فرما دیتے ہیں۔ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ پھر ہم نے ایک کے متعلق نہیں پوچھا۔ بس! دو تک بات آ کر رک گئی۔

افادات:- اللہ تعالیٰ کا اہلِ ایمان کے دلوں میں مرنے والے کے متعلق اچھائی ڈالنا اس بات کی علامت ہے کہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے اس کے لیے جنت کا فیصلہ ہوا ہے۔

باب فضل من مات له اولاد صغار

جس کی نابالغ اولاد انتقال کرجائے

تو والدین کے حق میں اس کی کیا فضیلت ہے

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

جس کے تین بچے انتقال کرجائیں

۹۵۲:-وعن أنسٍ رضی اللہ تعالیٰ عنہ قَالَ قَالَ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم: مَا مِنْ مُسْلِمٍ يَمُوتُ لَهُ ثَلاَثَةٌ لَمْ يَبْلُغوا الحِنْثَ، إِلاَّ أدْخَلَهُ اللهُ الجَنَّةَ بِفَضْلِ رَحْمَتِهِ إيَّاهُمْ. (متفقٌ عَلَيْهِ)

ترجمہ:-حضرت اَنس رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا: جس مسلمان کے تین بچے بالغ ہونے سے پہلے انتقال کرجائیں؛ اس کو اللہ تعالیٰ ان بچوں پر مہربانی کی وجہ سے جنت میں داخل کریں گے۔ یا ان بچوں کی وجہ سے اللہ تعالیٰ اس کو جنت میں داخل کر دیتے ہیں۔

۹۵۳:-وعن أَبي هريرة رضی اللہ تعالیٰ عنہ قَالَ قَالَ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم: لاَ يَمُوتُ لأَحَدٍ مِنَ المُسْلِمِينَ ثَلاَثَةٌ مِنَ الوَلَدِ، لاَ تَمَسُّهُ النَّارُ إِلاَّ تَحِلَّةَ القَسَمِ. (متفقٌ عَلَيْهِ)

وَ((تَحِلَّةُ القَسَمِ)) قول الله تَعَالَى: ﴿وَإنْ مِنْكُمْ إِلاَّ وَارِدُهَا﴾

وَالوُرُودُ: هُوَ العُبُورُ عَلَى الصِّرَاطِ، وَهُوَ جِسْرٌ مَنْصُوبٌ عَلَى ظَهْرِ جَهَنَّمَ،

عَافَانَا اللّٰهُ مِنْهَا.

ترجمہ:- حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا: جس مسلمان کے تین بچے انتقال کر جائیں، اس کو جہنم نہیں چھوئے گی، مگر قسم پوری کرنے کی حد تک۔

افادات:- قسم پوری کرنے کا کیا مطلب؟ اللہ تبارک وتعالیٰ نے قرآنِ پاک کے اندر ایک چیز کا فیصلہ کر دیا ہے ﴿وَإِنْ مِنْكُمْ إِلَّا وَارِدُهَا كَانَ عَلَىٰ رَبِّكَ حَتْمًا مَقْضِيًّا﴾ تم میں سے ہر ایک کو جہنم کے اوپر سے گزرنا ہے، کوئی آدمی ایسا نہیں جو جہنم پر سے نہ گزرے۔ جہنم کے اوپر باقاعدہ ایک پل ڈالا جائے گا جو بال سے زیادہ باریک اور تلوار سے زیادہ تیز ہوگا، اور لوگوں کو اس کے اوپر سے گزرنے کو کہا جائے گا جیسے جیسے اعمال ہوں گے، اس کے مطابق لوگ گزریں گے۔ بعض وہ ہوں گے جو کوندتی ہوئی بجلی کی طرح گزر جائیں گے۔ بعض وہ ہوں گے جو تیز ہوا کی طرح گزر جائیں گے۔ اور بعض تیز رفتار گھوڑوں کی طرح گزر جائیں گے۔ اور بعض وہ ہوں گے جو گرتے پڑتے کسی بھی طرح سے پار ہو جائیں گے اور بہت سے وہ ہوں گے کہ جہنم کے آنکڑے ان کو اپنے اندر کھینچ لیں گے اور وہ کٹ کر جہنم میں گر جائیں گے۔

بہر حال! پل صراط کا مرحلہ بڑا کٹھن ہے، اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم فرماتے ہیں کہ ہر کسی کو اس کے اوپر سے گزرنا ہے، اور یہ آدمی جس کے تین بچوں کا انتقال ہو گیا ہے، اس کو بھی جہنم کے اوپر سے گزرنا تو ہے، لیکن اللہ تعالیٰ جہنم کی آگ کو اسے چھونے نہیں دیں گے، ان بچوں کی وجہ سے اللہ تعالیٰ اس کو جہنم سے بچا لیں گے۔

۹۵۴:- وعن أبي سعيد الخدري رضی اللہ تعالیٰ عنہ قَالَ: جَاءَتِ امْرَأَةٌ إِلَى رسولِ الله صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم فَقَالَتْ: يَا رسولَ الله! ذَهَبَ الرِّجَالُ بِحَدِيثِكَ، فَاجْعَلْ لَنَا مِنْ

نَفْسِكَ يَوْماً نَأْتِيكَ فِيهِ تُعَلِّمُنَا مِمَّا عَلَّمَكَ اللهُ. قَالَ: اجْتَمِعْنَ يَوْمَ كَذَا وَ كَذَا. فَاجْتَمَعْنَ، فَأَتَاهُنَّ النبيُّ ﷺ فَعَلَّمَهُنَّ مِمَّا عَلَّمَهُ اللهُ. ثُمَّ قَالَ: مَا مِنْكُنَّ مِنِ امْرَأَةٍ تُقَدِّمُ ثَلَاثَةً مِنَ الوَلَدِ إِلَّا كَانُوا لَهَا حِجَاباً مِنَ النَّارِ. فقالتِ امْرَأَةٌ: وَاثْنَيْنِ؟ فَقَالَ رسولُ الله ﷺ: وَاثْنَيْنِ. (متفقٌ عَلَيْهِ)

ترجمہ:- حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ ایک عورت نبیٔ کریم ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئی اور عرض کرنے لگی: اے اللہ کے رسول! آپ کی باتیں تو مرد ہی اُڑا لے جاتے ہیں (یعنی آپ کے ارشادات سے مرد ہی فائدہ اٹھاتے ہیں اور انہیں کو سننے کا موقع ملتا ہے، ہمیں تو پردہ کی وجہ سے آپ کی مجلس میں حاضر ہونے اور آپ کے ارشادات سننے کا موقع نہیں ملتا) اس لیے آپ ایک دن ہمارے لیے بھی مقرر فرما دیجیے کہ ہم اس دن آپ کی خدمت میں حاضری دیں اور آپ ہمیں وہ باتیں سکھائیں جو اللہ تعالیٰ نے آپ پر اتاری ہیں (اس سے معلوم ہوا کہ عورتوں کی تعلیم کے لیے الگ سے کوئی وقت مقرر کیا جا سکتا ہے) تو حضور اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا: اچھا! فلاں فلاں دن تم لوگ جمع ہو جایا کرنا۔ چناں چہ عورتیں جمع ہو گئیں، اور نبیٔ کریم ﷺ ان کے پاس تشریف لائے اور وہ باتیں جو اللہ تعالیٰ نے آپ پر نازل فرمائیں، وہ ان کو سکھلائیں۔ پھر حضور اکرم ﷺ نے فرمایا: تم میں سے جس عورت نے تین بچوں کو آگے بھیج دیا (یعنی جس کے تین بچوں کا انتقال ہو گیا) وہ اس کے لیے جہنم سے آڑ بن جائیں گے۔ ایک عورت نے عرض کیا: اے اللہ کے رسول! اگر دو ہوں تو؟ حضور اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا: اگر دو ہوں تب بھی۔

افادات:- ایک روایت میں ہے کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے پوچھا: اے اللہ کے رسول! اگر ایک ہو تو؟ نبیٔ کریم ﷺ نے فرمایا: اگر ایک ہو تو بھی۔ پھر حضورِ اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا: اگر ادھورا ساقط ہو جائے گا تو وہ بھی اپنے ماں باپ کو اپنی نال

کے ذریعہ کھینچ کر جنت میں لے جائے گا۔ بہر حال! یہ بڑے ثواب کی چیز ہے۔

ہمارے حضرت شیخ نوراللہ مرقدہٗ کے بچوں کا بھی بچپن کے اندر انتقال ہوا ہے، حضرت رحمۃ اللہ علیہ نے آپ بیتی میں لکھا ہے کہ: مَیں نے اپنی اہلیہ سے کہا کہ اس پر رونے دھونے کی ضرورت نہیں ہے، ہمارا اپنا کیا ہوا کوئی عمل ہو تو اس میں تو بڑے اشکالات و احتمالات ہوتے ہیں کہ معلوم نہیں؛ نیت درست ہے یا نہیں؟ اخلاص کے ساتھ کیا ہے یا نہیں؟ ہر عمل میں ریا اور نمود کا اندیشہ رہتا ہے۔ اور پھر معلوم نہیں کہ ہم نے وہ عمل صحیح طریقہ سے انجام دیا ہے یا نہیں؟ لیکن ہمارا جو بچہ انتقال کر گیا اس میں ہمارے کسی عمل کو دخل نہیں ہے اور اللہ تعالیٰ کی طرف سے اس پر جنت کا وعدہ ہے۔ اس لیے یہ تو بہت آسان سودا ہے۔ (احقر مرتب عرض کرتا ہے:- ہمارے حضرت مفتی صاحب دامت برکاتہم کے بچوں کا بھی بچپن میں انتقال ہوا ہے۔ اس طرح اللہ پاک نے حضرت کو اپنے شیخ سے اس معاملہ میں بھی متابعت نصیب فرمائی۔ باری تعالیٰ ان بچوں کو حضرت اور گھر والوں کے لیے ذخیرۂ آخرت و باعث اجر و ثواب بنائے۔ آمین۔) تو جن لوگوں کے بچوں کا بچپن ہی میں انتقال ہو جاتا ہے ان کے لیے یہ بڑی بشارت ہے، حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے تو یہاں تک پوچھا کہ: اے اللہ کے رسول! جس کا کوئی بچہ فوت نہیں ہوا ہو؛ تو اس کے لیے کیا ہوگا؟ نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے ارشاد فرمایا: میری موت بھی امت کے لیے بہت بڑا سانحہ ہے، جو آدمی میری جدائی پر صبر کرے گا؛ اللہ تعالیٰ اسے بھی جنت میں داخل فرما دیں گے اور جہنم سے بچالیں گے۔ ویسے اہلِ ایمان کے دلوں میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی محبت اور آپ کے ساتھ عشق ہے، جب آپ کا تصور آتا ہے تو اہلِ ایمان کی تمنا ہوتی ہے کہ کاش! ملاقات کی نوبت آتی، اور اس طرح آپ کی جدائی صدمہ کا باعث ہوتی ہے، اس پر صبر کرنے پر بھی نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے یہ بشارت سنائی ہے۔

باب البكاء والخوف عِنْدَ المرور
بقبور الظالمين ومصارعهم
وإظهار الافتقار إِلَى الله تَعَالَى
والتحذير من الغفلة عن ذلك

ظالموں کی قبروں کے پاس سے گزرتے
وقت رونا اور اللہ تعالیٰ سے ڈرنا
اور ان کو جہاں عذاب ہوا ہے اس جگہ پر رونا
اور اللہ تعالیٰ کے سامنے گریہ وزاری کا اظہار کرنا
اور غفلت سے اپنے آپ کو بچانا

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

ایسی جگہ جہاں اللہ تعالیٰ کا عذاب نازل ہوا ہو، اوراس کے نتیجہ میں نافرمانیوں میں مبتلا ہونے والوں کو ہلاک کیا گیا ہو، ایسی جگہوں سے گزرتے وقت آدمی کو چاہیے کہ ڈرتا ہوا اور روتا ہوا وہاں سے گزرے؛ یہی اس کی تلافی ہے۔

جہاں اللہ تعالیٰ کا عذاب آئے وہاں سے گزرنے کا طریقہ

۹۵۵:-عن ابن عمر رضی اللہ عنہما أنَّ رسول الله صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم قَالَ لأَصْحَابِهِ - يعْنى لَمَّا وَصَلُوا الحِجْرَ - دِيَارَ ثَمُودَ -: لَاتَدْخُلُوا عَلَى هٰؤُلَاءِ الْمُعَذَّبِينَ إِلَّا أَنْ تَكُونُوا بَاكِينَ، فَإِنْ لَمْ تَكُونُوا بَاكِينَ، فَلَا تَدْخُلُوا عَلَيْهِمْ، لَا يُصِيبُكُمْ مَا أَصَابَهُمْ. (متفقٌ عَلَيْهِ)

وفى روايةٍ قَالَ: لَمَّا مَرَّ رسولُ الله صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم بِالحِجْرِ، قَالَ: لَاتَدْخُلُوا مَسَاكِنَ الَّذِينَ ظَلَمُوا أَنْفُسَهُمْ، أَنْ يُصِيبَكُمْ مَا أَصَابَهُمْ، إِلَّا أَنْ تَكُونُوا بَاكِينَ. ثُمَّ قَنَّعَ رسولُ الله صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم رَأْسَهُ وَأَسْرَعَ السَّيْرَ حَتَّى أَجَازَ الوَادِي.

ترجمہ:- حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنے صحابہ سے اس وقت یہ فرمایا جب کہ وہ مقامِ حجر سے جو قوم ثمود کی آبادیاں تھیں گزرے کہ: ان عذاب دئے ہوؤں کے گھروں اور ان کی آبادیوں سے نہ گزرو، مگر ایسی حالت میں کہ تم رو رہے ہو۔ اور اگر تم رو نہ رہے ہو، تو وہاں سے مت گزرنا، کہیں ایسا نہ ہو کہ جو عذاب ان پر آیا تھا وہ تم پر بھی آجائے۔

افادات:- یہ غزوۂ تبوک کا واقعہ ہے، اس موقعہ پر جب نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تبوک تشریف لے جارہے تھے، راستہ میں مقامِ حجر پڑتا ہے جہاں قومِ ثمود آباد تھی، جن پر اللہ تعالیٰ کا عذاب آیا تھا اور وہ ہلاک و برباد ہوئے تھے۔ جب اس علاقہ سے گزر رہے تھے تو نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنے صحابہ کو یہ تنبیہ فرمائی تھی، حالاں کہ ان پر عذاب

آئے ہوئے تو صدیاں بیت چکی تھیں۔

یہ بڑی خطرناک روش ہے

اس سے معلوم ہوا کہ وہ علاقے جہاں پر اللہ تعالیٰ کا عذاب آیا ہو، آدمی کو وہاں بلا وجہ نہیں جانا چاہیے۔ آج کل تو ایسی جگہوں کو لوگوں نے تفریح گاہیں بنا رکھا ہے وہاں لوگ باقاعدہ تفریح کے لیے جاتے ہیں، پھر وہاں اللہ تعالیٰ کو یاد کرنا اور اپنی بداعمالیوں سے ڈرنا اور ان پر رونا تو دور کی بات رہی، بس! وہاں لوگ پکنک کے طور پر ہنسی مذاق کے لیے جاتے ہیں؛ یہ بڑی خطرناک روش ہے۔ حالاں کہ نبیٔ کریم ﷺ کی تعلیم تو یہ ہے کہ اگر کبھی ایسی جگہوں سے مجبوراً گزرنا پڑے تو ہماری کیفیت یہ ہو کہ رو رہے ہوں اور ڈر رہے ہوں، کہیں ایسا نہ ہو کہ اللہ تعالیٰ کا وہ عذاب ہم پر بھی آجائے، اگر ڈریں گے اور روئیں گے تو امید ہے کہ اللہ تعالیٰ ہمیں محفوظ رکھے گا۔

ایسا کوئی علاقہ جہاں کوئی بیماری اور روگ پھیلا ہوا ہو، عام بیماری چل رہی ہو، جیسے: طاعون اور ہیضہ پھیلا ہوا ہو، وہاں کوئی نہیں جاتا، اور اگر کسی وجہ سے مجبوراً جانا پڑتا ہے تو ایسی تدبیریں اختیار کی جاتی ہیں کہ اس سے اپنے آپ کو بچا سکے، پرہیز اختیار کیا جاتا ہے؛ اسی طریقہ سے کسی ایسے علاقہ میں جہاں اللہ تعالیٰ کا عذاب آیا ہو، وہاں بھی نہیں جانا چاہیے، اور اگر کسی وجہ سے وہاں سے مجبوراً گزرنے کی نوبت آئے، تو اس کے لیے تدبیر یہی ہے کہ روتا ہوا اور اللہ سے ڈرتا ہوا اور اپنے گناہوں سے توبہ کرتا ہوا وہاں سے گزرے، اور اس بات سے ڈرتا رہے کہ کہیں ایسا نہ ہو کہ ان جیسا عذاب ہم پر آجائے۔

كتاب آداب السفر

سفر کے آداب

استحباب الخروج یوم الخمیس واستحبابه اول النهار

جمعرات کے دن اور دن کے ابتدائی حصہ میں سفر کی شروعات کا مستحب ہونا

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

یہاں سے نیا مضمون شروع فرما رہے ہیں، جس میں سفر کے آداب کو بتلائیں گے۔ اس عنوان کے تحت انہوں نے مختلف ابواب قائم کیے ہیں۔

لفظ سفر کی تحقیق

''سفر'' عربی زبان کا لفظ ہے۔ ''سَفَرَ، یَسۡفِر'' کا اصل معنیٰ کھولنا، واضح کرنا اور کسی چیز کو بیان کرنا۔ سفر کو سفر اسی لیے کہا جاتا ہے کہ اس میں آدمی کے اخلاق و عادات رفقاء کے سامنے کھلتے ہیں، اسی لیے آپ اگر کسی آدمی کی پہچان کرنا چاہیں تو اس کے ساتھ سفر کرو۔

حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے کسی سے پوچھا کہ فلاں آدمی کے متعلق تمہاری کیا رائے ہے؟ اس نے کہا: بہت اچھا آدمی ہے۔ پوچھا: تم نے کبھی اس کے ساتھ خرید و فروخت کا کوئی معاملہ کیا ہے؟ اس نے کہا: کوئی معاملہ تو نہیں کیا۔ پھر پوچھا: اچھا! کبھی اس کے ساتھ سفر کرنے کی نوبت آئی ہے؟ تو اس نے کہا: اس کی بھی کبھی نوبت نہیں آئی تو حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا: ''لَعَلَّكَ رَأَيْتَهُ يُصَلِّي؟'' پھر تو تم نے اس کو نماز پڑھتے ہوئے دیکھ لیا ہوگا۔ اس نے کہا: جی ہاں! وہ نماز کا بہت زیادہ اہتمام کرتا ہے اور نہایت خشوع و خضوع سے ادا کرتا ہے (قواعد السلف الذهبية في الأخوة الإيمانية) معلوم ہوا کہ کسی آدمی کے اچھا ہونے کی رائے قائم کرنے کے لیے صرف عبادت کرتے ہوئے دیکھ لینا کافی نہیں ہے، بلکہ اس کے معاملات کی درستگی بھی ضروری ہے۔ اور سفر سے بھی چوں کہ آدمی کے اخلاق نمایاں ہوتے ہیں اس لیے اس کو عربی زبان میں سفر کہا جاتا ہے۔

بعض سفر ضروری ہیں

سفر بھی انسان کی زندگی میں پیش آنے والے حالات میں سے ایک حالت ہے، انسان کی دو ہی حالتیں ہوسکتی ہیں، یا تو حضر یعنی اپنے وطن میں مقیم ہوگا، یا پھر سفر کررہا ہوگا۔ اصل حالت تو حالتِ حضر ہی ہے، لیکن ضرورت میں حالتِ سفر بھی پیش آجاتی ہے، اور شریعت نے بھی مختلف ضرورتوں کے پیشِ نظر سفر کی اجازت دی ہے، بلکہ بعض صورتوں میں سفر کو ضروری قرار دیا ہے، مثلاً: کسی آدمی پر حج فرض ہو یعنی اپنے وطن سے مکہ جانے کی استطاعت ہو، اور اپنا نفقہ اور اپنی غیر حاضری میں اپنے گھر والوں کا نفقہ موجود ہو؛ تو اس صورت میں حج فرض ہوجاتا ہے۔ بعض حالات میں جہاد کے لیے سفر کرنا فرض ہوجاتا ہے۔ بعض حالات میں علم حاصل کرنے کے لیے سفر کرنا فرض ہوجاتا ہے۔ مطلب یہ کہ بعض سفر ضروری ہوجاتے ہیں۔

ویسے علماء نے لکھا ہے کہ آدمی یا تو دفعِ مضرت کے لیے سفر کررہا ہوگا، یا جلبِ منفعت کے لیے سفر کررہا ہوگا۔ دفعِ مضرت یعنی کسی طرح کے نقصان اور تکلیف سے بچنے کے لیے سفر کرنا، اس کے اسفار میں ایک سفرِ ہجرت ہے کہ آدمی جہاں رہتا ہے وہاں شریعت کے احکام پر عمل اس کے لیے ممکن نہیں ہے، رکاوٹیں پیش آرہی ہیں، جیسے نماز ادا نہیں کرسکتا، شریعت کے دوسرے فرائض انجام نہیں دے سکتا؛ تو اس صورت میں اس جگہ کو چھوڑنے کا شریعت کی طرف سے حکم دیا گیا ہے۔

فتحِ مکہ کے بعد ہجرت نہیں

شروع اسلام میں جب نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ایمان واسلام کی دعوت پیش کی اور مکہ مکرمہ میں لوگ اسلام میں داخل ہونے لگے، پھر ہجرت کا حکم نازل ہوا، اس وقت تو

مکہ مکرمہ میں کسی کا ایمان قابلِ قبول ہی نہیں ہوسکتا تھا جب تک کہ وہ ہجرت نہ کرے، اس وقت تو ہجرت کا سفر ضروری تھا، لیکن جب مکہ مکرمہ فتح ہوا تو نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے فرمادیا کہ اپنے ایمان کی حفاظت کے لیے مکہ مکرمہ سے مدینہ منورہ کی طرف ہجرت کا جو سفر کیا جاتا ہے، اب جبکہ مکہ مکرمہ فتح ہو چکا اور وہ دارالاسلام بن چکا؛ اب یہاں سے ہجرت کے سفر کی ضرورت نہیں رہی؛ اسی کو ''لَا هِجْرَةَ بَعْدَ الْفَتْحِ'' کہہ کر بیان فرمایا۔ لیکن اس کے باوجود علماء نے لکھا ہے کہ حالات بدلتے رہتے ہیں، آدمی جس جگہ قیام پذیر ہے وہاں رہتے ہوئے اگر اس کے لیے اسلامی احکام پر عمل ناممکن ہے تو اس صورت میں اس جگہ کو چھوڑ کر کسی ایسی جگہ جانا جہاں اسلامی احکام کو عملی جامہ پہنا سکے یہ ضروری ہے؛ اسی کو سفرِ ہجرت کہا جاتا ہے۔

طلبِ حلال کے لیے سفر

اور سفرِ ہجرت بعض حالات میں ضروری قرار دیا گیا ہے، جیسے: ایک آدمی جہاں رہتا ہے وہاں حلال روزی میسر نہیں، یا وہاں حرام کا اتنا زیادہ غلبہ ہے کہ حلال ناممکن ہو گیا ہے، تو اس صورت میں اس جگہ کو چھوڑ کر دوسری کسی ایسی جگہ پر جانا ضروری ہو جاتا ہے جہاں وہ حلال حاصل کر سکے۔ یہ سفر بھی دفعِ مضرت ہی کے لیے قرار دیا گیا ہے۔

جان و مال کی حفاظت کے لیے سفر

یا مثلاً ایک آدمی جہاں پر قیام پذیر ہے وہاں کی آب و ہوا اس کو ناموافق ہے، اس کی وجہ سے وہ بیمار رہتا ہے اور ہمیشہ پریشانی میں مبتلا رہتا ہے، اطباء اور معالجین نے اس کو یہ بتلایا کہ تمہارے لیے مناسب یہی ہے کہ تم اس جگہ کو چھوڑ کر دوسری جگہ چلے جاؤ، تو نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے اس کی بھی اجازت دی ہے، ابوداؤد شریف میں روایت

موجود ہے۔ ہاں! اگر کسی علاقہ میں کوئی عام بیماری پھیل جائے، جیسے: طاعون یا ہیضہ؛ تو اس صورت میں اس جگہ کو چھوڑ کر جانے کی اجازت نہیں دی گئی ہے۔

اسی طریقہ سے کسی جگہ پر رہتے ہوئے جان کا اندیشہ ہے، تو اس صورت میں اپنی یا اپنے اہل وعیال کی جان کی حفاظت کے لیے اس جگہ کو چھوڑ کر دوسری جگہ جانا چاہے؛ تو اس کی اجازت دی گئی ہے۔ اسی طریقہ سے کسی جگہ پر رہتے ہوئے مال کی حفاظت ممکن نہیں ہے تو اس صورت میں مال کی حفاظت کے لیے بھی اس جگہ کو چھوڑ کر دوسری جگہ منتقل ہونا چاہے؛ تو اس کی بھی اجازت دی گئی ہے۔

اور جلبِ منفعت یعنی کوئی فائدہ حاصل کرنے کے لیے جو سفر کیا جاتا ہے، جیسے: حج وعمرہ کے لیے سفر کرنا، طلبِ علم اور جہاد کے لیے سفر کرنا، اپنے رشتہ دار، عزیز و اقارب اور دوست واحباب کی ملاقات کے لیے سفر کرنا؛ یہ سب اس کے اندر داخل ہے۔ علامہ قرطبی رحمۃ اللہ علیہ نے سفر کی یہ مختلف شکلیں بتلائی ہیں۔

سفر شرعی، سفر غیر شرعی

ویسے احکام کے بدلنے اور نہ بدلنے کے اعتبار سے بھی سفر کی دو قسمیں کی گئی ہیں:- [۱] سفر شرعی [۲] سفر غیر شرعی۔

سفر شرعی کا مطلب یہ ہے کہ ایسا سفر جس کی وجہ سے احکام بدل جاتے ہیں۔ شریعت کے بعض احکام میں مسافر کو شریعت کی طرف سے خصوصی رعایتیں دی گئی ہیں، مثلاً: رمضان المبارک میں سفر ہو رہا ہے اور سفر کی مشکلات اور مشقتوں کی وجہ سے روزہ چھوڑنا چاہے، اور گھر آنے کے بعد اس کی قضا کرلے؛ تو شریعت کی طرف سے اس کی اجازت ہے۔ یہ ایک طرح کی رخصت ہے جو سفر کی وجہ سے اس کو دی گئی ہے۔

اسی طریقہ سے سفر میں یہ بھی ہے کہ چار رکعات والی نمازوں کو دو رکعات ادا کرے۔ اور بھی کچھ احکام ہیں جو سفر کی وجہ سے بدلتے ہیں، مثلاً: چمڑے کے موزے پہن رکھے ہیں، تو حالتِ سفر میں تین دن مسح کرنے کی اجازت دی گئی ہے، جب کہ حالتِ اقامت میں ایک دن کا حکم ہے۔ اسی طرح مسافر کے لیے مسجد کے اندر سونے اور کھانے کی اجازت دی گئی ہے۔ بہرحال! بعض احکام ہیں جو سفر کی وجہ سے بدلتے ہیں؛ اسی کو سفرِ شرعی کہتے ہیں۔

سفرشرعی کی مسافت

اور یہ سفر احناف کے یہاں تین دن کا ہونا چاہیے۔ اُس زمانہ میں عام طور پر لوگ قافلوں کی شکل میں اونٹ اور دوسری سواریوں پر سفر کرتے تھے، تو دن کا اکثر حصہ سفر میں گزارا جاتا تھا، اور رات میں آرام کرتے تھے، اور اس وقت دن بھر میں جو مسافت طے کی جاتی تھی وہ ایک منزل کے برابر ہوتی تھی؛ ایسے تین دن کی مسافت کا سفر ہو تو اس کو یہ اجازت دی گئی ہے۔ بعد میں فقہاء نے حالات کو دیکھتے ہوئے اس کے لیے انگریزی اڑتالیس میل کی تحدید فرمادی ہے۔ ہمارے اکابر کا قول یہی ہے۔ حضرت مفتی رشید احمد صاحب نے اپنے فتاویٰ میں جو لکھا ہے اس سے بعد میں رجوع فرمالیا ہے، اور اڑتالیس میل والے قول کو ہی تسلیم کیا ہے۔ اور یہ اڑتالیس میل موجودہ ناپ کے اعتبار سے سوا ستتر (۷۷ ¼) کلو میٹر ہوتا ہے۔ کوئی آدمی اپنے وطن سے سوا ستتر (۷۷ ¼) کلو میٹر کی دوری کے ارادہ سے نکلے؛ تو وہ مسافر بن جاتا ہے۔ اور یہ مسافتِ سفر اپنے وطن کی آبادی جہاں ختم ہوتی ہے وہاں سے شمار کی جائے گی۔ ایسا نہیں کہ آپ یہاں نشاط سوسائٹی میں رہتے ہیں تو اپنے گھر سے سوا ستتر (۷۷ ¼) کلو میٹر شمار کریں، بلکہ اگر

آپ ممبئی کی طرف سفر کرنا چاہتے ہیں تو ممبئی کی طرف جاتے ہوئے جہاں سورت شہر کی مسلسل آبادی ختم ہوتی ہے وہاں سے سوا ستتر (۷۷ ¼) کلومیٹر کا حساب لگایا جائے گا۔ اب اگر آپ کو جہاں جانا ہے وہ گھر سے تو سوا ستتر (۷۷ ¼) کلومیٹر ہوتا ہے، لیکن جہاں شہر کی مسلسل آبادی ختم ہوتی ہے وہاں سے سوا ستتر (۷۷ ¼) کیلومیٹر نہیں ہوتا؛ تو اس صورت میں آپ شرعی مسافر قرار نہیں دیئے جائیں گے۔

قصر ضروری ہے

اور ایک مرتبہ مسافر بننے کے بعد چار رکعات والی نمازیں دو رکعات پڑھنا احناف کے یہاں ضروری ہے۔ احناف کے یہاں قصر رخصتِ اسقاط ہے یعنی شریعت نے مسافر کے لیے چار رکعات رکھی ہی نہیں، بلکہ دو ہی رکھی ہیں، جیسے: فجر کی دو رکعات ہیں، اگر کوئی آدمی فجر کی نماز دو کے بجائے چار پڑھنا چاہے تو وہ صحیح نہیں ہے، اسی طریقہ سے مسافر کے حق میں ظہر کی چار رکعات ہے ہی نہیں، بلکہ دو ہی رکعات ہیں۔ ایسا نہیں کہ چار ہے اور دو سے کام چلا سکتے ہو، بلکہ مسافر کے حق میں ظہر کی نماز دو ہی رکعات ہے، اس لیے اگر مسافر چار رکعات پڑھے گا تو وہ درست نہیں ہے۔ اور ایک مرتبہ مسافر بن جانے کے بعد یہی حکم باقی رہے گا۔ ہاں! اگر کسی جگہ جا کر پندرہ دن یا اس سے زیادہ ٹھہرنے کا ارادہ کرتا ہے تو وہاں پوری نماز پڑھے گا۔ یہ ساری تفصیلات ہیں، اگر اس سلسلہ میں کوئی مسئلہ معلوم نہ ہو تو اہلِ علم حضرات سے دریافت کرلیا جائے یہ سفر شرعی کہلاتا ہے، جس میں احکام بدلتے ہیں۔

بعض سفر وہ ہیں کہ ان میں چار رکعات والی نماز اور روزہ میں گنجائش کا حکم نہیں بدلتا، وہ سفر شرعی سے کم مسافت کا ہوتا ہے۔ اگرچہ اس کے اندر بھی کچھ گنجائشیں ہیں، مثلاً:

کوئی آدمی سفر کی حالت میں سواری پر بیٹھے بیٹھے اشارہ سے نفل نماز پڑھنا چاہے؛ تو اس کی اجازت ہے، اس کے لیے سوا ستتر (۷۷ ۱/۴) کیلومیٹر کا سفر ہونا ضروری نہیں ہے، جیسے اگر آپ سورت سے نوساری جانا چاہیں اور وہ یہاں سے سوا ستتر (۷۷ ۱/۴) کلومیٹر نہیں ہے، تب بھی آپ سواری پر بیٹھے ہوئے ہونے کی حالت میں نفل نماز پڑھ سکتے ہیں اس کے علاوہ بھی کچھ رخصتیں اور گنجائشیں مطلق سفر پر دی گئی ہیں اس میں سوا ستتر (۷۷ ۱/۴) کیلومیٹر کی قید نہیں ہے، جیسے: مسجد میں سونے کی اجازت ہے، تو وہ اس مسافر کے لیے بھی ہے، اس کے لیے سوا ستتر (۷۷ ۱/۴) کلومیٹر والا مسافر ہونا ضروری نہیں ہے یہ سفر کے کچھ احکام ہیں، اور شریعت نے سفر کی مشقتوں کے پیشِ نظر یہ آسانیاں دے رکھی ہیں۔

سفر کے لیے کون سا دن اور وقت مستحب ہے؟

چوں کہ علامہ نووی رحمۃ اللہ علیہ مختلف چیزوں کے آداب بیان کر رہے ہیں، اس لیے یہاں سے سفر کے آداب بیان کرنا چاہتے ہیں۔ چناں چہ انہوں نے پہلے باب کا عنوان قائم کیا:- إِسْتِحبابُ الْخُرُوْجِ يَوْمَ الْخَمِيْسِ وَأَوّلَ النَّهَارِ ‘‘سفر کی شروعات کون سے دن ہونی چاہیے؟ ویسے اگر ضرورت ہے تو کسی بھی دن نکل سکتا ہے، لیکن اگر کوئی کام اپنے اختیار کا ہو تو بہتر یہ ہے کہ آدمی اپنے سفر کو جمعرات کے دن اور وہ بھی دن کے ابتدائی حصہ میں شروع کرے۔ گویا دن کے اعتبار سے جمعرات، اور وقت کے اعتبار سے صبح؛ یہ دو چیزیں سفر کے لیے بہتر اور مستحب قرار دی گئی ہیں۔

۹۵۶:- عن كعب بن مالك رضی اللہ تعالیٰ عنہ أَنَّ النبيَّ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم خَرَجَ فِي غَزْوَةِ تَبُوكَ يَوْمَ الْخَمِيس، وَكَانَ يُحِبُّ أَنْ يَخْرُجَ يَوْمَ الْخَمِيسِ. (متفقٌ عَلَيْهِ)

وفي رواية في الصحيحين: لَقَلَّمَا كَانَ رسولُ الله صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم يَخْرُجُ إِلاَّ فِي يَوْمِ الْخَمِيسِ.

ترجمہ:- حضرت کعب بن مالک رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم غزوۂ تبوک کے لیے جمعرات کے دن نکلے، اور نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سفر کے لیے جمعرات کے دن نکلنا پسند فرماتے تھے۔ دوسری روایت میں یہ بھی ہے کہ بہت کم نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نکلتے تھے مگر جمعرات کے دن (یعنی عام طور پر جمعرات کے دن ہی آپ کا سفر ہوتا تھا۔)

افادات:- غزوۂ تبوک کے موقعہ پر جب نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم غزوہ کے لیے تشریف لے گئے تو حضرت کعب بن مالک رضی اللہ تعالیٰ عنہ اس میں شریک نہ ہو پائے تھے، ان کے ساتھ دو صحابی اور بھی تھے، پھر اللہ تعالیٰ کی طرف سے ان کو تنبیہ کی گئی تھی۔ یہ لمبی چوڑی ایک روایت ہے جس کا ایک حصہ یہاں پیش فرمایا ہے۔ (پوری روایت حدیث کے اصلاحی مضامین، ۱/۱۵۰-۱۸۰ پر گزر چکی ہے۔ من شاء فلیراجع۔ مرتب۔)

اس سے معلوم ہوا کہ اگر پروگرام بنانا اپنے ہاتھ میں ہے کہ جس دن بھی ہم چاہیں نکل سکتے ہیں؛ تو بہتر ہے کہ آدمی اپنے سفر کی ابتداء جمعرات کے دن کرے۔ دوسری روایت میں یہ بھی ہے کہ کبھی کبھار نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پیر کے دن بھی سفر شروع فرماتے تھے، لیکن عام طور آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا سفر جمعرات کو ہوتا تھا۔ آگے دوسری روایت لاکر وقت بتاتے ہیں۔

امت کے لیے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی برکت کی دعا

۹۵۷:- وعن صخر بن وَداعَةَ الغامِدِيِّ الصحابِيِّ رضی اللہ تعالیٰ عنہ أَنَّ رسولَ الله صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم قَالَ: أَللّٰهُمَّ بَارِكْ لِأُمَّتِي فِي بُكُورِهَا. وَكَانَ إِذَا بَعَثَ سَرِيَّةً أَوْ جَيْشاً بَعَثَهُمْ مِنْ أَوَّلِ النَّهَارِ. وَكَانَ صَخْرٌ تَاجِراً، وَكَانَ يَبْعَثُ تِجَارَتَهُ أَوَّلَ النَّهَارِ، فَأَثْرَى وَكَثُرَ مَالُهُ. (رواه أبو داود والترمذي، وقال: حديث حسن.)

ترجمہ:- حضرت صخر بن وداعہ غامدی صحابی رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے دعا فرمائی ہے: اے اللہ! میری امت کے لیے دن کے شروع (یعنی صبح) میں برکت رکھ دے (اسی لیے حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی عادتِ شریفہ بیان کرتے ہیں کہ) آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم صحابۂ کرام کی ٹکڑی کہیں روانہ کرنا چاہتے تھے، یا کوئی لشکر کہیں بھیجنا ہوتا تھا؛ تو دن کے شروع وقت روانہ فرماتے تھے۔ اور حضرت صخر رضی اللہ تعالیٰ عنہ جو اس روایت کے راوی ہیں وہ تجارت کرتے تھے۔ اس لیے وہ جب اپنا تجارتی قافلہ روانہ کرتے تھے، یا خود جانا ہوتا تھا تو دن کے شروع میں جاتے تھے (اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ) ان کے مال میں اللہ تعالیٰ نے خوب برکت دی، اور وہ کثیر المال ہو گئے۔

افادات:- اس سے یہ بھی معلوم ہوا کہ تجارتی سفر میں بھی آدمی اگر اس کا اہتمام کرے تو اس سے تجارت میں برکت ہوگی۔ اکثر لوگ بے برکتی کی شکایتیں کرتے ہیں، تو شریعت نے اس طرح کے چھوٹے چھوٹے نسخے بتائے ہیں ان کو بھی اپنانے کی ضرورت ہے۔ اب تو مصیبت یہ ہوگئی کہ پہلے تو دکانیں بھی صبح کی نماز کے بعد جلدی کھل جایا کرتی تھیں، لیکن اب تو سونے کا عام مزاج ایسا بن گیا ہے کہ گیارہ بجے سے پہلے دوکانیں کھلنے کا سوال ہی نہیں رہا۔ بہرحال! سفر میں وقت کے اعتبار سے صبح کے وقت کو بہتر قرار دیا گیا ہے۔ تو یہ دو چیزیں ہو گئیں کہ دن جمعرات کا ہونا چاہیے اور وقت صبح کا ہو۔ اگر سفر کا نظام اپنے اختیار میں ہے تو اپنے نظامِ سفر کو اس طرح ترتیب دے۔ یہ آدابِ سفر میں سے ہے۔

باب استحباب طلب الرفقة وتأميرهم على أنفسهم واحداً يطيعونه

اکیلے سفر نہ کریں اور امیر مقرر کرلیں

ایک اور عنوان قائم کیا ہے کہ آدمی اکیلا سفر نہ کرے، بلکہ سفر کے لیے رفقاء تلاش کرے، اور جب رفقاء ہو جائیں تو وہ سب مل کر اپنے میں سے کسی ایک کو امیر بنالیں جس کی وہ اطاعت کریں، یعنی سفر کے معاملہ میں وہ اس کی باتوں کو برابر مانیں۔ اس لیے کہ سفر کے دوران مختلف حالات پیش آتے ہیں، کسی چیز کے سلسلہ میں فیصلہ کرنا ہوتا ہے، مثلاً: یہاں قیام کرنا چاہیے یا نہیں؟ کس گاڑی سے سفر کریں؟ کس گاڑی سے واپس ہونا ہے؟ دو ساتھی ایک گاڑی کا کہتے ہیں اور دوسرے ساتھی دوسری گاڑی کا نام بتاتے ہیں، اور بعض کہتے ہیں کہ ہم تو فلاں گاڑی ہی سے جائیں گے، تم کو آنا ہو تو آؤ؛ ایسی گڑبڑیں ہو جاتی ہیں، اس لیے پہلے سے کسی کو امیر بنالیا جائے اور امیر کو چاہیے کہ فیصلہ کرنے سے پہلے مشورہ لے، اور جو جو مشورہ دے اس سے اس کی وجہ بھی پوچھے کہ تم نے فلاں سواری، یا فلاں ٹرین کا جو مشورہ دیا ہے اس میں کیا فائدہ ہے؛ تاکہ ان سب مشوروں کو تول کر اس کے مطابق امیر اپنی رائے سے فیصلہ کر سکے۔ اور جب کسی ایک کو امیر بنا دیا گیا تو اس کے حکم پر سب کو چلنا ضروری ہے۔ اسی کو عنوان میں کہا گیا کہ ''**يطيعونه**'' صرف نام کا امیر نہ بنایا جائے، بلکہ سفر سے تعلق رکھنے والے تمام امور میں اس کی پوری پوری اطاعت ہو۔

اکیلے سفر کا جتنا نقصان مَیں جانتا ہوں......

۹۵۸:-عن ابن عمر رضی اللہ عنہما قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم: لَوْ أَنَّ النَّاسَ يَعْلَمُونَ مِنَ الوحدَةِ مَا أَعْلَمُ، مَا سَارَ رَاكِبٌ بِلَيْلٍ وَحْدَهُ!. (رواہ البخاری)

ترجمہ:-حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا: اکیلے سفر کرنے میں کیا نقصان ہے، اس کو مَیں جتنا جانتا ہوں اتنا اگر لوگوں کو معلوم ہو جائے؛ تو کوئی سوار رات کو اکیلے سفر نہ کرے۔

افادات:-اس زمانہ میں عام طور پر راستوں میں بدامنی تھی، اکیلے سفر کرنا آدمی کے جان و مال کے لیے خطرہ سے خالی نہیں ہوا کرتا تھا، اسی لیے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے خاص طور پر تاکید فرمائی، اور لوگ بڑے مجمع اور قافلوں کی شکل میں ہی سفر کرتے تھے۔ ہاں! اگر کہیں امن وامان کی صورت حال ہے تو اکیلے سفر کی بھی اجازت ہے، البتہ کسی قافلہ کے ساتھ سفر کرنا آداب میں سے ہے، فرض اور واجب نہیں ہے، لیکن جیسا کہ بتلایا کہ ان آداب کی رعایت کرتے ہوئے کوئی آدمی چلے تو اس میں اللہ تعالیٰ نے بڑی خیر و برکت رکھی ہے۔

لفظ ''قافلہ'' نیک فال ہے

قافلہ کو عربی زبان میں ''قافلہ'' اسی لیے کہتے ہیں کہ ''قَفَلَ يَقْفُلُ'' کا معنیٰ ہے ''لوٹنا''۔ قافلہ یعنی لوٹ کر آنے والی جماعت۔ حالاں کہ ابھی تو یہ لوگ سفر میں جارہے ہیں، لیکن اہلِ عرب کے یہاں ایک مزاج تھا کہ وہ لوگ کسی چیز کا نام رکھنے میں نیک فالی لیا کرتے تھے، ایسا نام رکھتے تھے جس کا اچھا معنیٰ نکلے۔ تو یہ جماعت جو سفر میں جارہی ہے اس کا نام پہلے ہی سے ''قافلہ'' رکھا، یعنی لوٹ کر آنے والی جماعت۔

کیوں کہ اس زمانہ میں جو لوگ سفر کے لیے نکلتے تھے تو بدامنی اور جان و مال کے خطرہ کی وجہ سے ان کی واپسی کے متعلق اندیشہ رہتا تھا، اس لیے یہ لوگ جب جا رہے ہیں اسی وقت سے کہا جا رہا ہے کہ ''قافلہ'' جا رہا ہے۔ یعنی نام کے اندر ہی ایسا معنٰی رکھ دیا کہ جب کئی آدمیوں کی زبان سے ایک ہی لفظ بولا جائے گا تو معلوم نہیں کس کی زبان میں اللہ تعالیٰ نے برکت رکھی ہے، اس کا بول قبول ہو جائے، تو یہ قافلہ سلامتی کے ساتھ واپس آ جائے، یعنی صرف جانے والا ہی نہ رہے بلکہ واپس آنے والا بھی بن جائے۔

'سَاعَةٌ' اور 'سَلِيْمٌ' بھی نیک فال ہے

جیسے: عربی زبان میں سانپ کے ڈسے ہوئے کو ''سَلِیم'' کہتے ہیں۔ حالانکہ ''سَلِیم'' کا معنٰی: وہ آدمی جو سلامتی والا ہے، لیکن جس کو سانپ کاٹ لے، عام طور پر وہ سلامت نہیں رہتا، بلکہ مرجاتا ہے، تو جس کو سانپ کاٹ لے اس کا نام ہی اہلِ عرب نے ''سَلِیم'' رکھ دیا۔ اب کوئی پوچھے کہ وہ کون ہے تو کہیں گے: ''هُوَ سَلِيْمٌ''۔ یہ سلیم ہے۔ جب کئی لوگوں کی زبان سے سلیم کا لفظ نکلے گا، تو ہو سکتا ہے کسی کی زبان سے نکلا ہوا بول قبول ہو جائے اور اس کی جان بچ جائے۔ اسی طرح قیامت کو ''سَاعَةٌ'' کہتے ہیں۔ ''سَاعَةٌ'' یعنی ایک لمحہ اور ایک گھڑی تو گویا ''سَاعَةٌ'' نیک فالی کے طور پر کہا گیا ہے۔ ویسے تو قیامت کا دن بڑا لمبا دن ہوگا، لیکن اللہ تعالیٰ اس کو ہمارے لیے ایک لمحہ اور ایک گھڑی کے برابر بنا دے۔ میں نے یہ سب مثالیں نیک فالی کی دی ہیں۔

تو مَیں یہ عرض کر رہا تھا کہ اس زمانہ میں عام طور پر بدامنی تھی، اس کی وجہ سے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے تاکید فرمائی کہ اکیلے سفر کرنے کا جو نقصان میں جانتا ہوں، وہ اگر لوگوں کو معلوم ہو جائے تو کوئی بھی سوار رات میں اکیلا سفر نہیں کرے گا۔ اسی لیے رات

کے سفر میں دن کے سفر کے مقابلہ میں زیادہ احتیاط کی ضرورت ہے۔

سفر کے ساتھی کم از کم تین ہوں

۹۵۹:- وعن عمرو بن شُعَيْبٍ، عن أبيه، عن جَدِّهِ رضی اللہ تعالیٰ عنہ قَالَ قَالَ رسولُ الله صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم: الرَّاكِبُ شَيْطَانٌ، وَالرَّاكِبَانِ شَيْطَانَانِ، وَالثَّلاثَةُ رَكْبٌ.

(رواه أبو داود والترمذي والنسائي بأسانيد صحيحة، وقال الترمذي: حديث حسن)

ترجمہ:- حضرت عبداللہ بن عمرو بن عاص رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا: اکیلا سوار ایک شیطان ہے، دو سوار دو شیطان ہیں، اور تین سوار قافلہ ہیں۔

افادات:- یہ ارشاد فرما کر گویا نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس بات کی طرف رہنمائی فرمائی کہ سفر میں کم سے کم تین آدمی ہونے چاہئیں۔ یہ زیادہ مناسب ہے۔

۹۶۰:- وعن أَبي سعيد وأبي هُريرة رضی اللہ عنہما قالا: قَالَ رسولُ الله صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم: إِذَا خَرَجَ ثَلاثَةٌ فِي سَفَرٍ فَلْيُؤَمِّرُوا أَحَدَهُمْ. (حديث حسن، رواه أبو داود بإسناد حسن)

ترجمہ:- حضرت ابوسعید خدری اور حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہما سے منقول ہے کہ نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا: جب تین آدمی سفر کے لیے نکلیں تو اپنے میں سے کسی ایک کو امیر بنالینا چاہیے۔

افادات:- یہ آداب سفر میں سے ہے، اور اس میں بڑی برکت ہے۔

چار، چار سو، چار ہزار اور بارہ ہزار کی فضیلت

۹۶۱:- عن ابن عبَّاسٍ رضی اللہ عنہما عن النبيِّ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم قَالَ: خَيْرُ الصَّحَابَةِ أَرْبَعَةٌ، وَخَيْرُ السَّرَايَا أَرْبَعُ مِئَةٍ، وَخَيْرُ الجُيُوشِ أَرْبَعَةُ آلافٍ، وَلَنْ يُغْلَبَ اثْنَا عَشَرَ أَلْفاً مِنْ قِلَّةٍ. (رواه أبو داود والترمذي، وقال: حديث حسن)

ترجمہ:- حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ارشاد نقل فرماتے ہیں: بہتر رفقاءِ سفر چار ہیں، اور لشکر کی بہترین ٹکڑی چار سو کی ہے، اور بہترین لشکر وہ ہے جس میں چار ہزار آدمی ہوں، اور بارہ ہزار کی نفری کمیٔ عدد کی وجہ سے کبھی مغلوب نہیں ہوگی۔

افادات:- یعنی سفر میں چار آدمی ہوں تو وہ سب سے اچھی شکل ہے۔ اس کی تشریح کرتے ہوئے علماء نے لکھا ہے کہ سفر میں عام طور پر دو ضرورتیں پیش آتی ہیں، کبھی کھانے پینے کے انتظام کرنے کے لیے جانا پڑتا ہے، تو چار ہونے کی صورت میں دو آدمی اس کے لیے جائیں گے، اور یہاں سامان کی حفاظت کے لیے دو ساتھی رہیں گے، یعنی ہر جماعت میں دو دو رہیں گے۔ اور چار سے کم ہونے کی صورت میں یہ ہوگا کہ اگر کھانے پینے کے انتظام کے لیے دو گئے ہیں تو سامان کی حفاظت کے لیے ایک ہی کو رہنا پڑے گا۔ یا حفاظت کے لیے دو کو بٹھایا تو انتظام کے لیے ایک کو بھیجنا پڑے گا۔ اور دو کی صورت میں تو دونوں جگہ ایک ایک ہی رہیں گے۔ اور اگر صرف ایک ہے تو اس کے لیے تو دشواری ہی دشواری ہے کہ اگر پانی پینے کے لیے بھی جانا ہے تو سامان کی حفاظت کی فکر ہے کہ کیا کروں!

آج کل ٹرینوں کے سفر میں پاس پڑوس والے کے ساتھ اُنس پیدا کر کے اس کو اپنا معتمد بنا لیا جائے تو کام چل سکتا ہے، لیکن اس میں بھی کوئی گارنٹی نہیں دی جاسکتی۔ ہوسکتا ہے کہ آپ اس کو سامان سونپ کر بیت الخلاء میں جائیں اور وہی آدمی سامان لے کر روانہ ہوجائے۔ اسی لیے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا: بہترین رفقاءِ سفر چار ہیں۔

''سَرِیَّۃ'' لشکر کی چھوٹی ٹکڑی کو کہتے ہیں۔ اس زمانہ میں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم بھیجا کرتے تھے۔ ویسے اہلِ سیر نے یہ بھی لکھا ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم خود شریک نہ ہوں

اورصرف صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم کو بھیج دیں؛ تو وہ ''سریہ'' کہلاتا ہے، ورنہ وہ ''غزوہ'' کہلاتا ہے۔ یہاں مراد مطلق ٹکڑی مراد ہے کہ لشکر کی بہترین ٹکڑی وہ ہے جس میں چار سو آدمی ہوں۔

اور بارہ ہزار کی نفری کمی عدد کی وجہ سے کبھی مغلوب نہیں ہوگی۔ ہاں! کسی اور وجہ سے جیسے اپنے عجب وکبر میں مبتلا ہونے، یا سامان کی قلّت، یا کسی اور وجہ سے مغلوب ہوجائے؛ تو بات دوسری ہے، لیکن تعداد کی کمی کی وجہ سے وہ کبھی مغلوب نہیں ہوسکتی۔

باب آداب السير والنزول و
المبيت والنوم فى السفر
واستحباب السُّرَى والرفق بالدواب
ومراعاة مصلحتها
وأمر من قصّر فى حقها بالقيام بحقها
وجواز الإرداف عَلَى الدابة إِذَا كانت
تطيق ذلك

چلنے، ٹھہرنے، شب گزاری اور سفر میں سونے کے آداب

چوپایوں کے ساتھ نرمی اور ان کا خیال رکھنے کا بیان

جوان کے حقوق کی ادائیگی کا خیال رکھنے کے معاملہ میں کوتاہی کرے، اسے تاکید

چوپایہ اگر مضبوط ہو تو اپنے پیچھے کسی کو سوار کر سکتے ہیں

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

سفر میں کہیں اترنے، اور رات میں کہیں قیام کرنے اور سونے کے کچھ آداب اس باب میں بتلاتے ہیں۔ اسی طرح سواریوں کے ساتھ نرمی کا معاملہ برتنے کا حکم دیا گیا ہے، اور جو آدمی سواری کے جانور کے حقوق کی ادائیگی میں کوتاہی کرتا ہے اس کو ان کے حقوق کی ادائیگی کی طرف متوجہ کیا گیا ہے۔ اور اگر جانور میں اتنی طاقت ہے کہ وہ دو یا تین آدمی کی سواری کو برداشت کرسکتا ہے؛ تو سواری کے جانور کے اوپر دوسرے کو بٹھانے کی اجازت ہے۔

آج کل تو سواریاں جاندار نہیں ہوتیں، بلکہ بے جان ہوتی ہیں، جیسے: موٹر سائیکل، یا سائیکل، یا اسکوٹر اور موٹر کار؛ تو وہاں بھی ایک اصول یاد رکھیں کہ کسی بھی چیز کو اس طرح استعمال کرنا جس کی وجہ سے اس کو نقصان پہنچے؛ شریعت اس کی اجازت نہیں دیتی۔ اس لیے وہاں بھی اس بات کا ضرور خیال رکھا جائے گا کہ اگرچہ جاندار پر ظلم کا مسئلہ تو نہیں، لیکن اگر ایک سائیکل کے اوپر چار آدمی سوار ہوگئے، یا ایک اسکوٹر کے اوپر پانچ آدمی سوار ہوگئے، جس کی وجہ سے اس سواری کو نقصان پہنچنے کا اندیشہ ہے؛ تو شریعت اس کی اجازت نہیں دیتی۔

آپ کو یاد ہوگا کہ پہلے جہاں پینے کے آداب بتائے تھے وہاں یہ بھی بتایا تھا کہ چمڑے کے مشکیزہ کے منھ کو موڑ کر پانی پینے سے نبیٔ کریم ﷺ نے منع فرمایا ہے۔ اور اس کی وجہ بتلائی تھی کہ اگر اس کا منھ بار بار موڑا جائے گا تو وہ ٹوٹ جائے گا، اور پھر پورا مشکیزہ استعمال کے قابل نہیں رہے گا۔ اس سے معلوم ہوا کہ کوئی چیز اپنی ہی کیوں نہ ہو، لیکن اس کو اس طرح استعمال کرنا جس کی وجہ سے اس چیز کو نقصان پہنچے؛ شریعت اس کو پسند نہیں کرتی۔

دورانِ سفر اس بات کا بھی خیال رکھو

۹۶۲:-عن أَبِي هُريرةَ رضی اللہ تعالیٰ عنہ قَالَ قَالَ رسولُ اللهِ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم: إِذَا سَافَرْتُمْ فِي الخِصْبِ، فَأَعْطُوا الإِبِلَ حَظَّهَا مِنَ الأَرْضِ، وَإِذَا سَافَرْتُمْ فِي الجَدْبِ، فَأَسْرِعُوا عَلَيْهَا السَّيْرَ، وَبَادِرُوا بِهَا نِقْيَهَا، وَإِذَا عَرَّسْتُمْ، فَاجْتَنِبُوا الطَّرِيقَ؛ فَإِنَّهَا طُرُقُ الدَّوَابِّ، وَمَأْوَى الهَوَامِّ بِاللَّيْلِ. (رواہ مسلم)

مَعنَى ((أَعْطُوا الإِبِلَ حَظَّهَا مِنَ الأَرْضِ)) أيْ: ارْفُقُوا بِهَا فِي السَّيْرِ لِتَرْعَى فِي حَالِ سَيرِهَا، وَقوله: ((نِقْيَهَا)) هُوَ بكسر النون وإسكان القاف وبالياءِ المثناة من تحت وَهُوَ: المُخُّ، معناه: أَسْرِعُوا بِهَا حَتَّى تَصِلُوا المَقصِدَ قَبْلَ أَنْ يَذْهَبَ مُخُّهَا مِنْ ضَنْكِ السَّيْرِ. وَ((التَّعْرِيسُ)): النُزولُ فِي اللَّيلِ.

ترجمہ:- حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا: جب تم کسی سرسبز وشاداب علاقہ میں سفر کرو، تو اونٹ کو اس زمین کا حق اور حصہ عطا کرو۔ اور جب خشک علاقہ میں سفر کرو؛ تو جلدی سے اور تیزی سے سفر کرو۔ اور اس کا گودا ختم ہونے سے پہلے سفر پورا کرلو۔ اور جب تم رات کو کہیں قیام کرو تو راستہ سے ہٹ کر ٹھہرو۔

افادات:- اگر آدمی اونٹ پر سفر کر رہا ہے اور کسی ایسے علاقہ سے گزر رہا ہے جہاں کھانے کے لیے سبزہ اور گھاس ہے، تو ظاہر ہے کہ جانور کی طبیعت بھی اس گھاس کو کھانے کو چاہے گی، اس لیے نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم فرماتے ہیں کہ ایسا مت کرو کہ تیزی سے گزر جاؤ، اور اونٹ کو چرنے کا موقع نہ دو، بلکہ اس کو چرنے کا موقع دو؛ تاکہ اس کا بھی حق ادا ہو۔ ہاں! اگر خشک علاقہ سے گزرنا ہو تو تیزی سے گزر جاؤ تاکہ اگر اونٹ کو کھانے کی ضرورت ہو تو آگے جاکر کسی سبز علاقہ میں اس کی ضرورت پوری ہوجائے۔

دورانِ سفر اہلِ خانہ کو کھلاتے پلاتے چلو

☑ اس تعلیم کو مدِّ نظر رکھتے ہوئے یوں کہا جا سکتا ہے کہ اگر آپ اپنے خاندان کو لے کر سفر کر رہے ہیں اور کسی ایسے علاقہ سے گزر رہے ہیں کہ جہاں کھانے پینے کی مناسب چیزیں مل رہی ہیں، بچے بھی ساتھ میں ہیں اوران کا بھی جی چاہ رہا ہے؛ تو ایسا نہیں ہونا چاہیے کہ بخل سے کام لیتے ہوئے کوئی چیز نہ خریدیں، بلکہ ان سب کو کھلاتے پلاتے چلو۔ یہ میرا استنباط ہے۔

☑ **''اوراس کا گودا ختم ہونے سے پہلے سفر پورا کرلو''** مطلب یہ ہے کہ سفر میں جانور کو اتنا نہ تھکاؤ کہ اس کے پیروں کی ہڈیوں کا گودا بھی ختم ہو جائے۔ کسی بھی چیز سے اتنا زیادہ کام مت لو کہ اس کی صلاحیت ہی ختم ہو جائے، اگر جانور ہو تو تھک کر بے کار ہو جائے۔ یا مثلاً موٹر کار ایسی ہے کہ چلانے کی وجہ سے گرم ہو جاتی ہے، تو اس کو اتنا مت چلاؤ کہ انجن گرم ہو کر پھٹنے لگے؛ اس کی شریعت اجازت نہیں دیتی۔

☑ **''اور جب تم رات کو کسی جگہ پر قیام کرو تو راستہ سے ہٹ کر ٹھہرو''** اس زمانہ میں سفر کرتے کرتے تھک جاتے تھے تو راستہ میں کہیں قیام کر لیتے تھے، تو اس کے لیے یہ ہدایت دی ہے کہ راستہ سے ہٹ کر قیام کرے۔ اس لیے کہ راستہ تو گزرگاہ ہے، اگر آپ راستوں پر سو جائیں گے تو آنے جانے والوں کو تکلیف ہوگی، اس لیے راستہ سے ہٹ کر اپنے قیام و آرام کا انتظام کرو۔

اب اگر کوئی یوں کہے کہ ہمارا پورا قافلہ ہے، اس لیے کسی اور کا آنے جانے کا امکان ہی نہیں ہے۔ تو نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم فرماتے ہیں کہ ان راستوں سے جس طرح انسان گزرتے ہیں اسی طرح یہ راستے جانوروں کی بھی گزرگاہ ہے، اور زمین میں جو کیڑے

مکوڑے ہوتے ہیں وہ بھی وہیں سے گزرتے ہیں۔اس لیے جب راستوں سے ہٹ کر قیام کروگے تو ان کی تکلیفوں سے بھی بچ سکو گے۔

نماز فوت ہونے کا اندیشہ ہو؛ تو کیسے سوئے؟

۹۶۳:-وعن أبي قتادة رضی اللہ تعالیٰ عنہ قَالَ: كَانَ رسولُ الله صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم إِذَا كَانَ فِي سَفَرٍ ، فَعَرَّسَ بِلَيْلٍ اضْطَجَعَ عَلَى يَمِينِهِ، وَإِذَا عَرَّسَ قُبَيلَ الصُّبْحِ نَصَبَ ذِرَاعَهُ ،وَوَضَعَ رَأْسَهُ عَلَى كَفِّهِ. (رواہ مسلم)

قَالَ العلماءُ: إِنَّمَا نَصَبَ ذِرَاعَهُ لِئَلاَّ يَسْتَغْرِقَ فِي النَّوْمِ ،فَتَفُوتَ صَلاَةُ الصُّبْحِ عَنْ وَقْتِهَا أَوْ عَنْ أَوَّلِ وَقْتِهَا.

ترجمہ:-حضرت قتادہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم جب سفر میں ہوتے اور رات کو کہیں قیام فرماتے ؛تو داہنی کروٹ پر لیٹ جاتے (جیسا کہ سونے کا ادب اور مسنون طریقہ ہے)اور اگر صبح سے کچھ پہلے کہیں اترتے اور قیام فرماتے تو اپنے بازو اور کلائی کو کھڑا کرکے اپنی ہتھیلی پر سر رکھ کر لیٹتے (یعنی پورے لیٹ کر نہیں سوتے تھے)

افادات:-مثلاً فجر میں ایک گھنٹہ باقی ہے،اگر آپ اچھی طرح پڑ کر سوجائیں گے،تو رات بھر تو سفر کیا تھا،نتیجہ یہ ہوگا کہ نماز فوت ہوجائے گی ، یا قضاء ہوجائے گی ،لہٰذا اگر اس وقت سونا ہی ہے تو ایسی نیند جو گہری ہو اور جس میں غفلت طاری ہوجائے ،اس سے اپنے آپ کو بچانے کے لیے نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے یہ طریقہ بتلایا ہے،اس طرح سونے سے غفلت کی نیند نہیں ہوگی اور نماز کے فوت ہونے سے حفاظت ہوجائے گی۔ اس سے معلوم ہوا کہ آدمی اگر کسی ایسے وقت سونے کا ارادہ کررہا ہو کہ دیر سے جاگنے کی وجہ سے نماز کے فوت ہونے کا اندیشہ ہو،تو ایسی کوئی شکل اختیار کرنی

چاہیے کہ نماز فوت نہ ہو۔اس لیے ایک شکل تو یہ ہے اگر سب کو لیٹ کر ہی سونا ہے تو اپنے ساتھیوں میں سے کسی ایک کو۔جس کے متعلق اطمینان ہو۔ جاگنے کے لیے مقرر کر دیا جائے کہ صبح صادق ہوتے ہی سب کو جگا دینے کی تمہاری ذمہ داری ہے، تاکہ سب لوگ وقت پر نماز پڑھ لیں۔

جب حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی نماز قضا ہوئی

حدیثِ پاک میں آتا ہے کہ نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم جب غزوۂ خیبر سے لوٹ رہے تھے تو فجر سے کچھ پہلے آپ نے قیام فرمایا، اور حضرت بلال رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو مقرر کر دیا کہ سب کو جگانے کی ذمہ داری تمہاری رہے گی، اور سب سو گئے۔فجر میں زیادہ دیر نہیں تھی گھنٹہ دو گھنٹہ ہوں گے۔اب حضرت بلال رضی اللہ تعالیٰ عنہ بجائے سونے کے کجاوے سے اپنی کمر لگا کر مشرق کی طرف جہاں سے فجر کی روشنی نمودار ہوتی ہے چہرہ کر کے بیٹھ گئے کہ جیسے ہی صبح کی روشنی نمودار ہوگی تو میں سب کو اٹھادوں گا، لیکن اللہ تعالیٰ کی طرف سے مقدر تھا اس لیے وہ بیٹھے بیٹھے ہی سو گئے، اور ایسے سوئے کہ سورج نکل گیا اور دھوپ تیز ہونے لگی لیکن ان کی آنکھ نہیں کھلی۔سب سے پہلے نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اُٹھے، آپ نے حضرت بلال کو آواز دی: بلال! کیا بات ہے؟ وہ کہنے لگے: اے اللہ کے رسول! میری بھی آنکھ لگی رہ گئی۔آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: اس جگہ سے ہٹو؛ یہ شیطان کی جگہ ہے۔سب وہاں سے ہٹ کر دوسری جگہ گئے اور وضو کر کے جماعت کے ساتھ نماز ادا فرمائی۔

(بخاری شریف.بَاب الصَّعِيدُ الطَّيِّبُ وَضُوءُ الْمُسْلِمِ يَكْفِيهِ مِنَ الْمَاءِ.حدیث نمبر:۳۳۱)

کہنے کا حاصل یہ ہے کہ اگر اخیری وقت میں سونا ہے تو آدمی ایسا انتظام کر کے سوئے کہ نماز فوت ہونے کی نوبت نہ آئے۔

رات کے وقت فاصلے لپیٹ دیئے جاتے ہیں

۹۶۴:-وعن أنس رضی اللہ تعالیٰ عنہ قَالَ قَالَ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم: عَلَيْكُمْ بِالدُّلْجَةِ، فَإِنَّ الأَرْضَ تُطْوَى بِاللَّيْلِ. (رواه أبو داود بإسناد حسن) ((الدُّلْجَةُ)): السَّيْرُ فِي اللَّيْلِ.

ترجمہ:- حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا: تم اندھیرے سے فائدہ اٹھاؤ؛ اس لیے کہ رات کے وقت زمین لپیٹی جاتی ہے۔

افادات:- مطلب یہ ہے کہ سفر کا کچھ حصہ رات کے اندھیرے میں بھی طے کرلینا چاہیے، اس لیے کہ اس میں اللہ تعالیٰ نے عجیب بات رکھی ہے کہ اندھیرے میں زمین لپیٹ دی جاتی ہے، سفر زیادہ کٹ جاتا ہے اور آسان ہوجاتا ہے۔

قیام قریب کریں

۹۶۵:-وعن أَبي ثَعْلَبَةَ الْخُشَنِيِّ رضی اللہ تعالیٰ عنہ قَالَ: كَانَ النَّاسُ إِذَا نَزَلُوا مَنْزِلاً تَفَرَّقُوا فِي الشِّعَابِ وَالأَوْدِيَةِ. فَقَالَ رسولُ اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم: إِنَّ تَفَرُّقَكُمْ فِي هٰذِهِ الشِّعَابِ وَالأَوْدِيَةِ إِنَّمَا ذٰلِكُمْ مِنَ الشَّيْطَانِ! فَلَمْ يَنْزِلُوا بَعْدَ ذٰلِكَ مَنْزِلاً إِلاَّ انْضَمَّ بَعْضُهُمْ إِلَى بَعْضٍ. (رواه أبو داود بإسناد حسن)

ترجمہ:- حضرت ابوثعلبہ خشنی رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ (نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے زمانہ میں) صحابہ جب سفر کے دوران کسی جگہ پر اترتے تھے تو گھاٹیوں اور وادیوں میں پھیل جاتے تھے (سب منتشر ہوجاتے تھے اور ہر ایک اپنا اپنا انتظام کر کے سونے کی جگہ کرلیتا تھا) تو نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا: تمہارا ان گھاٹیوں اور وادیوں میں منتشر و متفرق ہوجانا؛ یہ شیطان کا اثر ہے (یعنی ایسا مت کرو، بلکہ مل جُل کر رہو) حضرت ابوثعلبہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی اس ہدایت کے بعد حضراتِ صحابہ جب کہیں قیام کرتے تھے تو ایک دوسرے

کے قریب قریب اور مل جُل کر ٹھہرا کرتے تھے۔

افادات:- اس سے یہ بھی معلوم ہوا کہ سفر کے دوران کسی جگہ پر قیام کی نوبت آئے تو ایسا نہیں کرنا چاہیے کہ ایک آدمی یہاں ہے اور دوسرا اپنا سامان اور تھیلا لے کر دوسرے کونہ میں چلا گیا، اور تیسرا اس سے آدھے فرلانگ دور جا کر پڑا ہوا ہے؛ بلکہ سب قریب قریب رہیں، تاکہ سب ایک دوسرے کی مدد کو پہنچ سکیں۔

رحمتِ عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی صفتِ رحمت کا ایک نمونہ

۹۶۶:- عن سهل بن عمرو - وقيل: سهل بن الربيع بن عمرو الأنصاری المعروف بابن الحنظلِيَّة، وَهُوَ من أهل بيعة الرِّضْوَانِ رضی اللہ تعالی عنہ قَالَ: مَرَّ رسولُ الله صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم بِبَعِيرٍ قَدْ لَحِقَ ظَهْرُهُ بِبَطْنِهِ، فَقَالَ: اتَّقُوا اللهَ فی هٰذِهِ الْبَهَائِمِ الْمُعجَمَةِ، فَارْكَبُوهَا صَالِحَةً، وَكُلُوهَا صَالِحَةً. (رواه أبو داود بإسناد صحيح)

ترجمہ:- حضرت سہل بن عمرو المعروف بابن الحنظلیہ رضی اللہ تعالی عنہ سے منقول ہے اور وہ اہلِ بیعتِ رضوان میں سے ہیں کہ نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ایک اونٹ کے پاس سے گزرے جس کی پیٹھ پیٹ سے مل چکی تھی (یعنی بہت دبلا ہو گیا تھا۔ اس کے مالک نے اس کو کھانا پینا برابر نہیں دیا ہوگا) تو نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا: ان گونگے اور بے زبان جانوروں کے سلسلہ میں اللہ تعالیٰ سے ڈرو، اور ان پر سواری بھی کرو تو ایسی حالت میں کہ وہ سواری کے لائق ہوں، اور ان کو کھاؤ تو ایسی حالت میں کہ وہ کھانے کے لائق ہوں۔

افادات:- صحابۂ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین میں سب سے اونچا مرتبہ اصحابِ بدر کا ہے، ان کے بعد دوسرے نمبر پر اہلِ بیعتِ رضوان کا ہے، اسی لیے محدثین کی بھی یہ عادت رہی ہے کہ کوئی صحابی بدری، یا اہلِ بیعتِ رضوان میں سے ہوتا ہے؛ تو اس کے

نام کے ساتھ عام طور پر اس کا بھی تذکرہ کر دیتے ہیں۔

ارشادِ نبوی کا مطلب یہ ہے کہ ان کو برابر کھلاؤ پلاؤ، تاکہ وہ ہٹّے کٹّے رہیں، اور ایسی حالت میں ان پر سواری کرو۔ اور اگر کھانا ہو تب بھی ان کو کھلا پلا کر ہٹّے کٹّے بناؤ، پھر ذبح کر کے کھاؤ۔ ایسا نہیں ہونا چاہیے کہ اتنا دبلا پتلا ہو جائے کہ اِدھر سے سوئی ڈالو تو اُدھر نکل جائے، اور صرف ہڈی اور چمڑا رہ گیا ہے؛ پھر کاٹ کر کھاؤ۔

اسلام نے جانوروں کا بھی حق بتایا ہے۔ جو جانور کا مالک ہے اس کے لیے ضروری ہے کہ ان کے حقوق کو ادا کرے۔ آپ نے سنا ہوگا مشہور روایت ہے کہ ایک عورت نے بلی پال رکھی تھی، اس کو چھوڑتی بھی نہیں تھی کہ وہ اپنے طور پر اپنی غذا تلاش کر لیتی، اور اس کے کھانے پینے کا بھی برابر انتظام نہیں کیا تھا، جس کے نتیجہ میں اللہ تعالیٰ نے اس کو جہنم میں ڈالا۔ (بخاری شریف: بابُ فَضْلِ سَقْيِ الْمَاءِ)

اور ایک فاحشہ عورت نے ایک پیاسے کتے کو پانی پلایا اس پر اللہ تعالیٰ نے اس کی مغفرت فرما دی، اور اس کو جنت میں داخل کیا۔ صحابۂ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین نے اسی موقعہ پر نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم سے پوچھا تھا: "يَا رَسُولَ اللهِ! وَإِنَّ لَنَا فِي الْبَهَائِمِ أَجْرًا؟" ان جانوروں کے ساتھ اچھا سلوک کرنے پر بھی ہمیں اجر و ثواب ملے گا؟ تو نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے جواب میں ارشاد فرمایا: "فِي كُلِّ ذَاتِ كَبِدٍ رَطْبَةٍ أَجْرٌ" ہر تر جگر والے یعنی جاندار کے ساتھ حسنِ سلوک کرنے پر ثواب ملے گا (بخاری شریف: باب رَحْمَةِ النَّاسِ وَالْبَهَائِمِ) اگر کتے کو بھی پانی پلاؤ گے تو اللہ تعالیٰ اجر دے گا۔

نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی خدمت میں اونٹ کی فریاد

۹۶۷:- وعن أَبي جعفر عبد الله بن جعفر رضی اللہ عنہما قَالَ: أردفني رسولُ

اللہ ﷺ ذَاتَ یَوْمٍ خَلْفَهُ، وَأَسَرَّ إِلَيَّ حَدِيثاً لَا أُحَدِّثُ بِهِ أَحَداً مِنَ النَّاسِ، وَكَانَ أَحَبَّ مَا اسْتَتَرَ بِهِ رسولُ الله ﷺ لِحَاجَتِهِ هَدَفٌ أَوْ حَائِشُ نَخْلٍ. يَعْنِي: حَائِطَ نَخْلٍ. (رواه مسلم هكذا مختصراً)

وزادَ فِيهِ البَرْقاني بإسنادِ مسلم -بعد قوله: حَائِشُ نَخْلٍ- فَدَخَلَ حَائِطاً لِرَجُلٍ مِنَ الأَنْصَارِ، فَإِذا فِيهِ جَمَلٌ، فَلَمَّا رَأَى رَسُولَ الله ﷺ جَرْجَرَ وذَرَفَتْ عَيْنَاهُ، فَأَتَاهُ النَّبِيُّ ﷺ، فَمَسَحَ سَرَاتَهُ -أَيْ: سِنَامَهُ- وَذِفْرَاهُ فَسَكَنَ، فَقَالَ: مَنْ رَبُّ هَذَا الجَمَلِ؟ لِمَنْ هَذَا الجَمَلُ؟ فَجَاءَ فَتًى مِنَ الأَنْصَارِ، فَقَالَ: هَذَا لِي يَا رسولَ الله. قَالَ: أَفَلَا تَتَّقِي اللهَ فِي هذِهِ البَهِيمَةِ الَّتِي مَلَّكَكَ اللهُ إِيَّاهَا؟ فَإِنَّهُ يَشْكُو إِلَيَّ أَنَّكَ تُجِيعُهُ وتُدْئِبُهُ. (رواه أبو داود برواية البرقاني)

قَوْله ((ذِفْرَاهُ)): هُوَ بكسر الذال المعجمة وإسكان الفاءِ، وَهُوَ لفظ مفرد مؤنث. قَالَ أهل اللغة: الذِّفْرى: الموضع الَّذِي يَعْرَقُ مِن البَعِيرِ خَلف الأُذُنِ، وَقوله: ((تُدْئِبُهُ)) أيْ: تتعِبه.

ترجمہ:- حضرت عبداللہ بن جعفر رضی اللہ عنہما سے منقول ہے کہ نبیٔ کریم ﷺ نے ایک روز مجھے اپنے پیچھے بٹھالیا، اورایک بات بطورِ راز کے مجھ سے ارشادفرمائی جو میں کسی کو نہیں بتلاؤں گا۔ اور نبیٔ کریم ﷺ جب قضائے حاجت کے لیے تشریف لے جاتے تھے تو کسی آڑ والی جگہ میں جانا پسند فرماتے تھے۔ اس موقعہ پر بھی آپ ایک انصاری کے باغ میں تشریف لے گئے تو ایک اونٹ کو دیکھا۔ جب اس اونٹ نے نبیٔ کریم ﷺ کو دیکھا تو وہ بڑبڑایا (یعنی اس نے آواز نکالی) پھر اس کی آنکھوں میں آنسو آ گئے۔ نبیٔ کریم ﷺ اس کے پاس تشریف لے گئے اور اس کو سکون دلانے کے لیے اس کی کوہان اور کان کے پچھلے حصہ پر آپ نے ہاتھ پھیرا جس سے وہ مطمئن ہو گیا اور اس نے رونا بند کر دیا۔ پھر آپ نے پوچھا: اس اونٹ کا مالک کون ہے؟ ایک انصاری

نوجوان آگے بڑھا اور کہا: اے اللہ کے رسول! یہ اونٹ میرا ہے۔ حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا: ان جانوروں کے سلسلہ میں اللہ تعالیٰ سے نہیں ڈرتے جن کا اللہ تعالیٰ نے تمہیں مالک بنایا ہے؟ یہ اونٹ مجھ سے شکایت کررہا ہے کہ تو اسے بھوکا رکھتا ہے اور (کام کرنے میں) تھکا دیتا ہے۔

حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے مشابہ صحابی

افادات:- یہ عبداللہ بن جعفر بن ابی طالب ہیں۔ حضرت جعفر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے چچازاد بھائی ہیں، ہجرت کرکے حبشہ گئے تھے اور وہاں مسلمانوں کے سردار تھے، پھر فتحِ خیبر کے موقعہ پر وہاں سے مسلمانوں کی جماعت کو لے کر لوٹے، اور غزوۂ موتہ میں شہید ہوئے۔ ان کے صاحبزادے عبداللہ بن جعفر رضی اللہ تعالیٰ عنہ ہیں، یہ بھی صحابی ہیں اور شکل وشباہت میں نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے بہت زیادہ مشابہ تھے۔

یہاں تو یہ روایت اس لیے لائے ہیں کہ ان کو نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنی سواری پر پیچھے سوار فرمالیا۔ اس باب کے عنوان میں ایک بات یہ بھی آئی تھی کہ اگر سواری کے جانور میں ایک سے زیادہ سوار کا بوجھ برداشت کرنے کی طاقت ہو تو دوسرے کو بھی اپنے ساتھ سوار کرسکتے ہیں۔

اور اس روایت سے یہ بھی معلوم ہوا کہ اپنے جانور سے بھی اس کی طاقت کے مطابق کام لینا چاہیے، وقت پر اس کو کھانا دینا چاہیے۔ اب ذرا سوچو کہ جانور کو کھانا نہ دینے پر یہ تنبیہ فرمائی جارہی ہے؛ تو جو لوگ اپنے بیوی بچوں کے کھانے پینے کا انتظام نہیں کرتے اور قصداً اس کی طرف سے غفلت برتتے ہیں؛ ان کے لیے کیا وعید ہوگی!

منزل پر پہنچتے ہی سواری سے سامان اتاردو

۹۶۸:- وعن أنس رضی اللہ تعالیٰ عنہ قَالَ: كُنَّا إِذَا نَزَلْنَا مَنْزِلاً، لاَ نُسَبِّحُ حَتَّى

نَحُلَّ الرِّحَالَ. (رواہ أبو داود بإسناد عَلَى شرط مسلم)

وَقَوْلُه: ((لَا نُسَبِّحُ)): أيْ لَا نُصَلِّي النَّافِلَةَ، ومعناه: أنَّا-مَعَ حِرْصِنَا عَلَى الصَّلَاةِ-لَا نُقَدِّمُهَا عَلَى حَطِّ الرِّحَالِ وَإِرَاحَةِ الدَّوَابِّ.

ترجمہ:- حضرت أنس رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ ہم جب کسی جگہ اترتے تھے تو نماز شروع نہیں کرتے تھے جب تک کہ کجاوے نہ کھول دیں (یعنی پہلے کجاوے کھول کر اونٹوں کو فارغ کر دیتے تھے۔)

افادات:- اسلام کی تعلیم بھی یہی ہے کہ سواری کے جانور کے اوپر اگر کچھ بوجھ ہے، تو جب اپنی منزل پر پہنچو؛ تو پہلا کام یہ کرو کہ اس کے اوپر سے بوجھ اتار دو، تا کہ وہ فارغ ہو کر ہلکا ہو جائے اور اس کو سکون ہو جائے۔ اگر اس کے اوپر بوجھ لادا ہوا ہے، اور آپ لوگوں سے مصافحہ اور ملاقاتیں کر رہے ہیں، نماز پڑھ رہے ہیں؛ تو یہ طریقہ صحیح نہیں ہے، اور یہ بات اپنی منزل پر پہنچ جانے کی ہے، درمیانِ سفر کی نہیں ہے

اس روایت سے معلوم ہوا کہ سواری کے جانور پر بوجھ لادا ہوا ہونے کی حالت میں دوسرے کاموں میں مشغول نہیں ہونا چاہیے، اس لیے کہ یہ جانور کو تکلیف دینے والی بات ہے، اس کو شریعت نے پسند نہیں کیا۔ اور یہ بھی آداب میں سے ہے۔

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

بابُ إعانة الرفيق

ساتھی کی مدد کرنا

سفر کے آداب کا سلسلہ چل رہا ہے۔ عنوان ہے: ''بابُ إِعَانَةِ الرَّفِيْق'' سفر کے ساتھی اور رفقاء کی مدد کرنا۔ مطلق مدد کے سلسلہ میں ایک روایت پہلے بھی گزر چکی ہے جس میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے یہ ارشاد فرمایا کہ: جب تک بندہ اپنے بھائی کی مدد میں لگا ہوا ہوتا ہے تب تک اللہ تعالیٰ اس کی مدد میں ہوتے ہیں۔

سفر میں ہر زائد چیز حاجت مند کو دیدے

۹۶۹:- وعن أَبي سعيد ن الخدري رضی اللہ تعالیٰ عنہ قَالَ: بَيْنَمَا نَحْنُ فِى سَفَرٍ إِذْ جَاءَ رَجُلٌ عَلَى رَاحِلَةٍ لَهُ، فَجَعَلَ يَصْرِفُ بَصَرَهُ يَمِيناً وَشِمَالاً، فَقَالَ رسولُ الله صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم: مَنْ كَانَ مَعَهُ فَضْلُ ظَهْرٍ فَلْيَعُدْ بِهِ عَلَى مَنْ لاَ ظَهْرَ لَهُ، وَمَنْ كَانَ لَهُ فَضْلُ زَادٍ فَلْيَعُدْ بِهِ عَلَى مَنْ لاَ زَادَ لَهُ. فَذَكَرَ مِنْ أَصْنَافِ المَالِ مَا ذَكَرَهُ، حَتَّى رَأَيْنَا، أَنَّهُ لاَ حَقَّ لأَحَدٍ مِنَّا فِي فَضْلٍ. (رواہ مسلم)

ترجمہ:- حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ ہم لوگ ایک سفر میں تھے ایک آدمی اپنی اونٹنی کے اوپر سوار آیا اور اپنی نگاہیں دائیں بائیں پھیرنے لگا (ایسا معلوم ہوتا تھا کہ ضرورت مند تھا اور کسی ایسے آدمی کو تلاش کر رہا تھا جو اس کی مدد کرے) نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم

نے ارشاد فرمایا: جس کے پاس زائد سواری ہو، وہ ایسے آدمی کو دیدے جس کے پاس سواری نہ ہو (مثلاً: کسی کے پاس دو اونٹ یا دو گھوڑے ہوں، وہ) اپنے رفقاء میں جس کے پاس سواری نہیں ہے اس کو دیدے، اور اگر کسی کے پاس توشہ زائد ہو تو اپنے ایسے بھائی کو دیدے جس کے پاس توشہ نہ ہو (حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ) اس موقعہ پر صرف سواری اور توشہ کا تذکرہ نہیں فرمایا، بلکہ سفر میں ضرورت کی جتنی چیزیں ہوا کرتی ہیں ان سب کا اسی انداز میں تذکرہ فرمایا۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اس اندازِ گفتگو سے ہمیں ایسا اندازہ ہوا کہ جس کسی کے پاس جو بھی چیز زائد ہے اس میں اس کا کوئی حق ہے ہی نہیں۔

افادات:- جیسے: جس کے پاس پانی زیادہ ہو، وہ اس کو دے جس کے پاس پانی نہیں ہے، اگر برتن زائد ہوں تو وہ اپنے بھائی کو دے جس کے پاس برتن نہیں ہیں، اگر کپڑے زائد ہوں تو وہ اپنے اس بھائی کو دے جس کے پاس کپڑے نہیں ہیں، اگر جوتے زائد ہوں تو وہ اپنے اس بھائی دیدے جس کے پاس جوتے نہیں ہیں۔ اس ارشاد سے نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم گویا یہ بتلانا چاہتے ہیں کہ جس کے پاس جو چیز بھی زائد ہے وہ اس کو اپنے پاس رکھے نہ رہے، بلکہ اپنا جو بھائی اس چیز کا ضرورت مند ہے اس کو دیدے۔ آدمی کو اپنا مزاج اسی نوع کا بنانا چاہیے۔ اگر وہ چیز ہماری ضرورت میں استعمال ہوتی ہے تب تو ٹھیک ہے، لیکن جو چیز زائد ہو، اپنے استعمال کی نہ ہو تو بہت سے ایسے بھائی مل جائیں گے جن کو اس چیز کی ضرورت ہے، اور ان کے پاس نہ ہونے کی وجہ سے وہ تکلیف ومشقت میں مبتلا ہیں، خاص طور پر سفر میں اس بات کا اور زیادہ اہتمام ہونا چاہیے۔

دوسروں کا بھی خیال رکھے

۹۷۰:- وعن جابر رضی اللہ تعالیٰ عنہ **عن رسول اللہ** صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم**: أَنَّهُ أَرَادَ أَنْ يَغْزُوَ، فَقَالَ**

: يَامَعْشَرَ الْمُهَاجِرِينَ وَالأَنْصَارِ ! إنّ مِنْ إِخْوَانِكُمْ قَوْماً ، لَيْسَ لَهُمْ مَالٌ ، وَلاَ عَشِيرَةٌ ، فَلْيَضُمَّ أَحَدُكُمْ إِلَيْهِ الرَّجُلَيْنِ ، أَوِ الثَّلاَثَةَ ، فَمَا لأَحَدِنَا مِنْ ظَهْرٍ يَحْمِلُهُ إِلاَّ عُقْبَةٌ كَعُقْبَةٍ ، يَعْنِي أَحَدِهِمْ ، قَالَ : فَضَمَمْتُ إِلَيَّ اثْنَيْنِ أَوْ ثَلاَثَةً مَالِي إِلاَّ عُقْبَةٌ كَعقبة أَحَدِهِمْ مِنْ جَمَلِي .

ترجمہ:- حضرت جابر رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ایک مرتبہ کسی جہاد میں جانے کا فیصلہ کیا تو مسلمانوں کو خطاب کرتے ہوئے ارشاد فرمایا: اے مہاجرین اور انصار کی جماعت! تمہارے بھائیوں میں کچھ لوگ ایسے ہیں جن کے پاس نہ مال ہے، نہ خاندان ہے (کہ خاندان والے ان کی مدد کریں) اس لیے تم میں سے جس کے پاس سواری ہو؛ وہ ایسے دو یا تین آدمیوں کو اپنے ساتھ ملالے۔ راوی کہتے ہیں کہ ہم میں سے جن کے پاس سواری تھی ہم ان کو باری باری سوار کرلیتے تھے۔ چناں چہ حضرت جابر رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ میں نے اپنے ساتھ دو یا تین ساتھیوں کو ملالیا اور میرے اس اونٹ میں خود میرا بھی اتنا ہی حصہ تھا جتنا میرے ان ساتھیوں کا تھا (یعنی جتنی دیر وہ سوار ہوتے تھے اتنی ہی دیر میں بھی سوار ہوتا تھا۔ ایسا نہیں کہ سواری کا مالک ہونے کی حیثیت سے مَیں اپنے لیے سواری کا حق زیادہ رکھوں)

افادات:- ظاہر ہے کہ جہاد میں جانے کے لیے توشہ، سواری، ہتھیار اور جو چیزیں اس سے تعلق رکھتی ہیں ان کی تیاری کی ضرورت ہوتی ہے، اور جو لوگ جہاد میں شرکت کرنا چاہتے ہیں، ان میں بہت سے ایسے ہوتے ہیں جن کے پاس سواری نہیں ہوتی، بہت سے ایسے ہوتے ہیں جن کے پاس توشہ نہیں ہوتا، بہت سوں کے پاس ہتھیار نہیں ہوتے؛ ایسے موقعہ پر نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی عادتِ شریفہ یہ تھی کہ جہاد میں جانے سے پہلے لوگوں کو مدد کرنے کی ترغیب دیتے تھے۔ جیسے غزوۂ تبوک کے موقعہ پر بڑی تنگی کا وقت تھا تو نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے لوگوں کو اللہ کے راستہ میں خرچ کرنے کی

ترغیب دی کہ جو لوگ اللہ کے راستہ میں جہاد میں جا رہے ہیں، ان کو دو؛ تا کہ جو لوگ نادار ہوں ان کو دے کر ان کو بھی جہاد کے لیے تیار کیا جائے۔

☑ **''ہم میں سے جن کے پاس سواری تھی ہم ان کو باری باری سوار کر لیتے تھے''**

جیسے غزوۂ بدر کے موقعہ پر نبیٔ کریم ﷺ جس اونٹ پر سوار ہوتے تھے اس پر اور دو صحابی حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ اور حضرت ابولبابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو باری باری سوار فرما لیا کرتے تھے۔

امیر ہر رفیق کی فکر کرے

۱۷۹:-وعنه، قَالَ: كَانَ رسول الله ﷺ يَتَخَلَّفُ في المَسير، فَيُزْجِي الضَّعِيف، وَيُرْدِفُ وَيَدْعُو لَهُ. (رواه أبو داود بإسناد حسن)

ترجمہ:- حضرت جابر رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ نبیٔ کریم ﷺ سفر میں پیچھے رہ جاتے اور (جو) کمزور (پیچھے رہ جاتا اس کو) آگے بڑھاتے اور جس کی سواری کام نہ کر رہی ہوتی، اس کو اپنے پیچھے بٹھا لیتے تھے، اور اس کے لیے دعا بھی فرما دیتے تھے۔

افادات:- اس سے یہ بھی معلوم ہوا کہ جو امیر ہو، اس کو اس بات کا اہتمام کرنا چاہیے کہ اپنے رفقاء میں سے کوئی پیچھے نہ رہ جائے، اور اگر کوئی اپنی کمزوری کی وجہ سے پیچھے رہ جاتا ہو، تو جب تک اس کو آگے نہ بڑھا دے، وہاں تک امیر خود آگے نہ بڑھے۔ مطلب یہ ہے کہ سفر کے دوران اپنے رفقاء اور ساتھیوں کے ساتھ تعاون کا معاملہ ہونا چاہیے۔ اپنا سامان اگر چڑھا دیا ہے تو اپنے ساتھیوں کا سامان رکھنے میں ان کی مدد کرنی چاہیے۔

بِسۡمِ اللّٰهِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِيۡمِ

باب ما يقول اذا ركب الدابة للسفر

سفر میں جب اپنی سواری پر سوار ہونے لگے؛ تو کیا دعا پڑھے؟

قَالَ اللهُ تَعَالىٰ: وَجَعَلَ لَكُمۡ مِنَ الۡفُلۡكِ وَالۡأَنۡعَامِ مَا تَرۡكَبُونَ لِتَسۡتَوُوا عَلٰى ظُهُورِهِ ثُمَّ تَذۡكُرُوا نِعۡمَةَ رَبِّكُمۡ إِذَا اسۡتَوَيۡتُمۡ عَلَيۡهِ وَتَقُولُوا سُبۡحٰنَ الَّذِي سَخَّرَ لَنَا هٰذَا وَمَا كُنَّا لَهُ مُقۡرِنِينَ وَإِنَّا إِلٰى رَبِّنَا لَمُنۡقَلِبُونَ. (الزخرف:۱۳،۱۲)

باری تعالیٰ نے قرآنِ پاک میں ارشادفرمایا: اللہ تعالیٰ نے تمہارے لیے کشتیاں، چوپائے اور مویشی پیدا کیے جن پر تم سواری کرتے ہو، تاکہ جب تم ان کی پشت پر اچھی طرح سوار ہو جاؤ؛ تو اللہ تعالیٰ کی نعمت کو یاد کرو اور یہ دعا پڑھو: ﴿سُبۡحَانَ الَّذِي سَخَّرَ لَنَا هٰذَا وَمَا كُنَّا لَهُ مُقۡرِنِينَ وَإِنَّا إِلٰى رَبِّنَا لَمُنۡقَلِبُونَ﴾ (ترجمہ) پاک ہے وہ ذات جس نے اس جانور کو ہمارے لیے مسخر اور تابع کر دیا اور ہم اس کو اپنے قابو میں کرنے کی طاقت نہیں رکھتے تھے (جیسے: گھوڑا، ہاتھی، اونٹ اور بیل یا جن جانوروں کو سواری کے لیے استعمال کیا جاتا ہے اللہ تعالیٰ نے ان کا جسم اس نوع کا بنایا ہے کہ اگر وہ انسان کو ختم کرنا چاہیں تو بڑی آسانی سے کر سکتے ہیں، لیکن اللہ تعالیٰ نے ان کو انسانوں کے لیے ایسا مسخر کر دیا ہے کہ انسان اپنے فائدہ کے لیے جس طرح چاہتا ہے ان کو

استعمال کرتا ہے۔ درحقیقت یہ اللہ تعالیٰ کا فضل ہی ہے اور یہ ایک نعمت ہے جو اللہ تعالیٰ نے انسان کو عطا فرمائی ہے۔)

﴿وَإِنَّا إِلَى رَبِّنَا لَمُنْقَلِبُونَ﴾ اور (جس طرح اس وقت ہم ایک سفر میں روانہ ہورہے ہیں اسی مناسبت سے آخرت کی یاددلائی کہ ایک بہت بڑا سفر آخرت کا درپیش ہے اس کو یاد کرو کہ) ہم ایک دن ہمارے رب کی طرف لوٹ کر جانے والے ہیں (گویا سفر کے موقع پر آدمی یہ بھی یاد رکھے۔)

۹۷۲:-وعن ابن عمر رضی اللہ عنہما أنَّ رسول الله صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم كَانَ إِذَا اسْتَوَى عَلَى بَعِيرِهِ خَارِجاً إِلَى سَفَرٍ، كَبَّرَ ثَلاثاً، ثُمَّ قَالَ: سُبْحَانَ الَّذِي سَخَّرَ لَنَا هَذَا وَمَا كُنَّا لَهُ مُقْرِنِينَ، وَإِنَّا إِلَى رَبِّنَا لَمُنْقَلِبُونَ. اللّٰهُمَّ إنا نسألك في سفرنا هذا البرّ والتّقوى، ومنَ العملِ ما ترضى، اللَّهُمَّ هَوِّن عَلَيْنَا سَفَرَنَا هَذَا، وَاطْوِ عَنَّا بُعْدَهُ. اللَّهُمَّ أَنْتَ الصَّاحِبُ فِي السَّفَرِ، والخَلِيفَةُ فِي الأهْلِ. اللَّهُمَّ إِنِّي أَعُوذُ بِكَ مِنْ وَعْثَاءِ السَّفَرِ، وَكَآبَةِ المَنْظَرِ، وَسُوءِ المُنْقَلَبِ فِي المَالِ وَالأَهْلِ وَالوَلَدِ. وَإِذَا رَجَعَ قَالَهُنَّ وَزَادَ فِيهِنَّ: آيِبُونَ، تَائِبُونَ، عَابِدُونَ، لِرَبِّنَا حَامِدُونَ. (رواه مسلم)

مَعْنَى ((مُقْرِنِينَ)): مُطِيقِينَ. وَ((الوَعْثَاءُ)) بفتحِ الواوِ وَإسكان العين المهملة وبالثاء المثلثة وبالمد وَهِيَ: الشِّدَّةُ. وَ((الكَآبَةُ)) بِالمَدِّ، وَهِيَ: تَغَيُّرُ النَّفْسِ مِنْ حُزْنٍ وَنَحْوِهِ. وَ((المُنْقَلَبُ)): المَرْجِعُ.

ترجمہ:- حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم جب سفر کے لیے تشریف لے جاتے اور اپنے اونٹ کے اوپر اچھی طرح بیٹھ جاتے تھے تو تین مرتبہ اللہ اکبر پڑھتے تھے، اور اس کے بعد یہ دعا پڑھتے:-(ترجمہ) پاک ہے وہ ذات جس نے اس جانور کو

ہمارے لیے مسخر اور تابع کر دیا اور ہم اس کو اپنے قابو میں کرنے کی طاقت نہیں رکھتے تھے، اور ہم ایک دن ہمارے رب کی طرف لوٹ کر جانے والے ہیں۔ اے اللہ! ہم ہمارے اس سفر میں تجھ سے نیکی اور فرمانبرداری، اور گناہوں سے حفاظت کا سوال کرتے ہیں (یعنی نیک کام کی مجھے توفیق ہوتی رہے اور گناہوں سے بچتا رہوں) اور ایسے عمل کی توفیق ملے جس سے تو راضی ہو، اے اللہ! ہمارے اس سفر کو تو ہمارے لیے آسان کر دے، اور اس کی دوری کو ہمارے لیے لپیٹ دے (یہ سفر ایسا آسان کر دے کہ جلدی سے طے ہو جائے) اے اللہ! ہمارے اس سفر میں تو ہی ہمارا رفیق ہے، اور ہمارے گھر والوں کا تو ہی محافظ ہے (ہماری غیر موجودگی میں گھر والوں کی تو حفاظت کرنے والا ہے۔ اس لیے کہ آدمی جب سفر میں جاتا ہے تو اس کو یہ بھی فکر ہوتی ہے کہ میری غیر موجودگی میں گھر میں پتہ نہیں کیا صورت پیش آئے گی؛ اس لیے اپنی غیر موجودگی میں اللہ تعالیٰ ہی سے محافظ بن جانے کی درخواست کی جا رہی ہے) اے اللہ! میں تجھ سے پناہ چاہتا ہوں سفر کی مشقت اور پریشانی سے (عام طور پر سفر میں تکلیف و پریشانی پیش آتی ہے، اس سے حفاظت کی دعا مانگی جا رہی ہے) اور برے منظر سے، اور برے لوٹنے سے مال میں، اور گھر میں اور اولاد میں (مطلب یہ ہے کہ اس سفر میں کوئی ایسی چیز پیش نہ آئے جو تکلیف دہ ہو۔ اور اسی طرح جب واپس لوٹوں تو گھر والوں میں مال و اولاد میں بھی کوئی بری چیز یا بری حالت دیکھنے کی نوبت نہ آئے۔ کبھی ایسا ہوتا ہے کہ آدمی سفر سے واپس لوٹتا ہے تو پتہ چلتا ہے کہ فلاں بیمار ہو گیا، فلاں کے ساتھ یہ صورت پیش آئی؛ تو اس سے بھی پناہ چاہی گئی) جب نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سفر سے واپس لوٹتے تھے تو اس وقت بھی ان کلمات کو پڑھتے تھے اور یہ اضافہ فرماتے تھے: ''آيِبُونَ، تَائِبُونَ، عَابِدُونَ، لِرَبِّنَا حَامِدُونَ'' ہم واپس لوٹ رہے ہیں، اور اپنے گناہوں سے توبہ کر رہے ہیں، اپنے پروردگار کی عبادت کرتے ہیں اور اپنے پروردگار کی تعریف و حمد بیان کرتے ہیں۔

ان دعاؤں کا بھی اہتمام ہو

۹۷۳:-وعن عبد الله بن سَرجِس رضی اللہ تعالیٰ عنہ قَالَ: كَانَ رسول الله ﷺ إِذَا سَافَرَ يَتَعَوَّذُ مِنْ وَعْثَاءِ السَّفَرِ، وَكَآبَةِ الْمُنْقَلَبِ، وَالْحَوْرِ بَعْدَ الْكَوْنِ، وَدَعْوَةِ الْمَظْلُومِ وَسُوءِ الْمَنْظَرِ فِي الْأَهْلِ وَالْمَالِ. (رواه مسلم)

هكذا هُوَ في صحيح مسلم: ((الحَوْرِ بَعْدَ الكَوْنِ)) بالنون، وكذا رواه الترمذي والنسائي. قَالَ الترمذي: وَيُرْوَى ((الكَوْرُ)) بالراء، وَكِلاهما لَهُ وجه.

قَالَ العلماءُ: ومعناه بالنون والراءِ جميعاً: الرُّجُوعُ مِنَ الاسْتِقَامَةِ أَوِ الزِّيَادَةِ إِلَى النَّقْصِ. قالوا: ورِوايةُ الرَّاءِ مَأْخُوذَةٌ مِنْ تَكْوِيرِ العِمَامَةِ وَهُوَ لَفُّهَا وَجَمْعُهَا وروايةُ النون، مِنَ الكَوْنِ، مَصْدَرُ كَانَ يَكُونُ كَوناً: إِذَا وُجِدَ وَاسْتَقَرَّ.

ترجمہ:- حضرت عبد اللہ بن سرجس رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم جب سفر کرتے تھے تو اللہ تعالیٰ کی پناہ چاہتے تھے سفر کی مشقت، اور لوٹنے کی تکلیف، حالات کی درستگی کے بعد تبدیلی پیدا ہوجانے سے (یعنی پہلے حالات ٹھیک ہوں اور پھر برائی آجائے) مظلوم کی بد دعا سے (یعنی ایسا نہ ہو کہ سفر میں مجھ سے کسی پر کوئی ایسی زیادتی ہوجائے کہ وہ بد دعا دیدے) اور برے منظر سے اپنے گھر والوں اور مال میں (یعنی سفر سے واپسی میں کوئی ایسی چیز دیکھنے کی نوبت آنے سے حفاظت کی دعا مانگی گئی)۔

افادات:- دیکھو! ہم سفر میں سہولت کے لیے اپنے طور پر جہاں بہت ساری تیاریاں کرتے ہیں؛ وہیں ان دعاؤں کا بھی خصوصی اہتمام کرنا چاہیے۔ اس لیے کہ سفر کی سہولت اور مشقت، پریشانی اور تکلیف سے بچنے کے جتنے بھی اسباب آدمی اختیار کرتا ہے، ان تمام اسباب میں تاثیر ڈالنے والی ذات اللہ تعالیٰ کی ہے، اس لیے

اصل تو یہ ہے کہ آدمی اللہ تعالیٰ کی طرف رجوع کرے۔ اسباب و وسائل پر اعتماد و بھروسہ کر کے نہ بیٹھے، چاہے کیسی ہی تیاریاں کیوں نہ کی ہوں، کیسے ہی سامان سہولت و راحت و آسانی کے آپ نے مہیا کیوں نہ کئے ہوں۔ اس کے باوجود ان پر اعتماد کرنے کے بجائے رجوع اللہ تعالیٰ کی طرف ہو اور سارا اعتماد اللہ تعالیٰ کی مدد و نصرت اور اس کے فضل و کرم پر ہو۔

سفر کی دعا پر مغفرت

۹۷۴:- وعن علي بن ربيعة، قَالَ: شهدت عليَّ بن أبي طالب رضی اللہ تعالیٰ عنہ أُتِيَ بِدَابَّةٍ لِيَرْكَبَهَا، فَلَمَّا وَضَعَ رِجْلَهُ فِي الرِّكَابِ، قَالَ: بِسْمِ اللهِ. فَلَمَّا اسْتَوَى عَلَى ظَهْرِهَا، قَالَ: أَلْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِي سَخَّرَ لَنَا هَذَا وَمَا كُنَّا لَهُ مُقْرِنِينَ، وَإِنَّا إِلَى رَبِّنَا لَمُنْقَلِبُونَ، ثُمَّ قَالَ: الْحَمْدُ لِلّٰهِ، ثَلَاثَ مَرَّاتٍ، ثُمَّ قَالَ: اللّٰهُ أَكْبَرُ، ثَلَاثَ مَرَّاتٍ، ثُمَّ قَالَ: سُبْحَانَكَ إِنِّي ظَلَمْتُ نَفْسِي. فَاغْفِرْ لِي إِنَّهُ لَا يَغْفِرُ الذُّنُوبَ إِلَّا أَنْتَ، ثُمَّ ضَحِكَ، فَقِيلَ: يَا أَمِيرَ الْمُؤْمِنِينَ! مِنْ أَيِّ شَيْءٍ ضَحِكْتَ؟ قَالَ: رَأَيْتُ النَّبِيَّ ﷺ فَعَلَ كَمَا فَعَلْتُ ثُمَّ ضَحِكَ، فَقُلْتُ: يَا رسول اللهِ، مِنْ أَيِّ شَيْءٍ ضَحِكْتَ؟ قَالَ: ((إِنَّ رَبَّكَ تَعَالَى يَعْجَبُ مِنْ عَبْدِهِ إِذَا قَالَ: اغْفِرْ لِي ذُنُوبِي، يَعْلَمُ أَنَّهُ لَا يَغْفِرُ الذُّنُوبَ غَيْرِي))

رواه أبو داود والترمذي، وقال: ((حديث حسن))، وفي بعض النسخ: ((حسن صحيح)). وهذا لفظ أبي داود.

ترجمہ:- حضرت علی بن ربیعہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ میں حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے پاس موجود تھا، ان کے پاس سواری کا جانور لایا گیا تاکہ اس پر سوار ہوں، جب انہوں نے رکاب میں اپنا پاؤں رکھا تو بسم اللہ پڑھی (اس سے معلوم ہوا کہ آج کل اگر بس، ٹرین یا کسی

بھی سواری پر سوار ہونے کے لیے آدمی جب اندر پاؤں رکھے؛ تو بسم اللہ پڑھنی چاہیے) اور جب اچھی طرح سوار ہو گئے تو یہ دعا پڑھی: ''اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ الَّذِی سَخَّرَ لَنَا هٰذَا وَمَا كُنَّا لَهُ مُقْرِنِينَ، وَإِنَّا إِلَى رَبِّنَا لَمُنْقَلِبُونَ'' اس کے بعد تین مرتبہ ''الحمد للہ'' پڑھا۔ اس کے بعد تین مرتبہ ''اللہ اکبر'' پڑھا۔ اس کے بعد پڑھا ''سُبْحَانَكَ إِنِّي ظَلَمْتُ نَفْسِي۔ فَاغْفِرْ لِي إِنَّهُ لاَ يَغْفِرُ الذُّنُوبَ إِلاَّ أَنْتَ'' (ترجمہ) اے اللہ! تیری ذات پاک ہے، میں نے گناہوں کے ذریعہ سے اپنے اوپر ظلم کیا ہے، تو میرے گناہوں کو معاف کر دے، اس لیے کہ تیرے سوا کوئی بھی گناہوں کو معاف نہیں کر سکتا۔ یہ دعا پڑھ کر حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ مسکرائے۔ ان سے پوچھا گیا کہ: آپ کس بات پر مسکرائے؟ حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا: مَیں نے نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو دیکھا کہ آپ نے اسی طرح کیا جیسا کہ میں نے ابھی کیا، اور پھر آپ بھی اسی طرح مسکرائے تھے، تو میں نے پوچھا تھا: اے اللہ کے رسول! آپ کیوں مسکرائے؟ تو حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا تھا: جب بندہ ''اِغْفِرْ لِي ذُنُوبِي'' کہتا ہے (اے اللہ! تو میرے گناہوں کو معاف کر دے، تیرے سوا میری مغفرت کوئی نہیں کر سکتا) تو اللہ تعالیٰ بندے سے خوش ہوتے ہیں اور فرماتے ہیں کہ: ہاں! میرا بندہ جانتا ہے کہ میرے علاوہ اس کے گناہوں کو کوئی معاف نہیں کر سکتا۔ (بس! خوش ہو کر اللہ تعالیٰ بندے کو معاف کر دیتے ہیں)۔

افادات:- یہ حضراتِ صحابہ کا کمالِ اتباع ہے۔ اور احادیث کو یاد رکھنے کا سب سے مضبوط طریقہ یہی ہے۔ دین کی جتنی بھی باتیں آدمی سنتا ہے ان کو یاد رکھنے کا بہترین طریقہ یہ ہے کہ آدمی اس کے مطابق عمل کرے، جب کسی بات پر چند مرتبہ عمل کرے گا تو پھر وہ بات کبھی بھول نہیں سکتا۔

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

باب تكبير المسافر إذا صعد الثنايا وشبهها وتسبيحه إذا هبط الأودية ونحوها والنهي عن المبالغة برفع الصوتِ بالتكبير

مسافر دورانِ سفر جب کسی ٹیلہ یا اونچی جگہ پر چڑھے تو اللہ اکبر پڑھے، اور جب نیچی جگہ اتر رہا ہو تو سبحان اللہ کہے اور جب بھی کوئی ذکر کرے تو آہستہ آواز میں کرے

۹۷۵:- عن جابر رضی اللہ تعالیٰ عنہ قَالَ: كُنَّا إِذَا صَعِدْنَا كَبَّرْنَا، وَإِذَا نَزَلْنَا سَبَّحْنَا.

(رواہ البخاری)

ترجمہ:- حضرت جابر رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ دورانِ سفر (کوئی بھی سفر ہو، حج وعمرہ کا، جہاد کا، یا تجارت کا ہو) جب ہم کسی اونچی جگہ پر چڑھتے؛ تو اللہ اکبر کہتے تھے، اور جب کسی نیچی جگہ پر اترتے تھے؛ تو سبحان اللہ کہتے تھے۔

افادات:- یہ بھی سفر کے آداب میں سے ہے۔ حج یا عمرہ کے لیے جاتے ہیں تو آپ نے مکہ مکرمہ سے مدینہ منورہ جاتے ہوئے جگہ جگہ پر ''اللہ اکبر'' لکھا ہوا دیکھا ہوگا، وہ ایسی ہی جگہ ہوتی ہے جہاں چڑھائی آتی ہے، اور کہیں ''سبحان اللہ'' لکھا ہوا ہوتا

ہے، وہ ایسی جگہ ہوتی ہے جہاں سے نیچے اترنا ہوتا ہے۔

۹۷۶:-وعن ابن عمرَ رضی اللہ عنہما قَالَ: كَانَ النَّبِيُّ ﷺ وجيُوشُهُ إِذَا عَلَوا الثَّنَايَا كَبَّرُوا ،وَإِذَا هَبَطُوا سَبَّحُوا. (رواه أبو داود بإسناد صحيح)

ترجمہ:- حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور آپ کے لشکر والے جب دورانِ سفر کسی اونچائی اور ٹیلہ وغیرہ پر چڑھتے تھے؛ تو اللہ اکبر پڑھتے تھے۔ اور جب کہیں نیچائی کی طرف اترتے تھے تو سبحان اللہ پڑھتے تھے۔

افادات:- مطلب یہ ہے کہ سب کو کہنا چاہیے، کسی ایک کا کہنا سب کی طرف سے کافی نہیں ہے۔ ہر ایک کو دعاؤں اور تکبیرات کا اہتمام کرنا چاہیے۔

۹۷۷:-وعنه قَالَ: كَانَ النَّبِي ﷺ إِذَا قَفَلَ مِنَ الحَجِّ أَوِ العُمْرَةِ، كُلَّمَا أَوْفَى عَلَى ثَنِيَّةٍ أَوْ فَدْفَدٍ كَبَّرَ ثَلاثاً، ثُمَّ قَالَ: لاَ إِلهَ إِلاَّ اللهُ وَحْدَهُ لاَ شَرِيكَ لَهُ، لَهُ المُلْكُ وَلَهُ الحَمْدُ، وَهُوَ عَلَى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيرٌ. آيِبُونَ، تَائِبُونَ، عَابِدُونَ، سَاجِدُونَ، لِرَبِّنَا حَامِدُونَ، صَدَقَ اللهُ وَعْدَهُ، وَنَصَرَ عَبْدَهُ، وَهَزَمَ الأَحْزَابَ وَحْدَهُ. (متفقٌ عَلَيْهِ)

وفي رواية لمسلم: إِذَا قَفَلَ مِنَ الجيُوشِ أَو السَّرَايَا أَو الحَجِّ أَو العُمْرَةِ.

قَوْلُهُ: ((أَوْفَى)) أيْ: ارْتَفَعَ، وَقَوْلُه: ((فَدْفَدٍ)) هُوَ بفتح الفائَينِ بينهما دال مهملة ساكِنة، وَآخِره دال أخرى وَهُوَ: ((الغَلِيظُ المُرْتَفِعُ مِنَ الأَرضِ)).

ترجمہ:- حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم جب حج یا عمرہ سے لوٹتے تھے، اور مسلم شریف کی روایت میں یہ ہے کہ جب آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم لشکر کے ساتھ جہاد سے لوٹتے تھے؛ تو (دورانِ سفر) جب کسی اونچی جگہ یا ٹیلہ کے اوپر آپ چڑھ رہے ہوتے تھے،

تین مرتبہ ''اللہ اکبر'' پڑھتے تھے۔ اور پھر پڑھتے تھے: (ترجمہ) اللہ کے سوا کوئی عبادت کے لائق نہیں، وہی یکتا اور تنہا ہے، اس کا کوئی شریک نہیں، ساری حکومت اور ملک اسی کا ہے، اسی کے لیے تمام تعریفیں ہیں، اور وہ ہر چیز پر قادر ہے۔ ہم لوٹ رہے ہیں، ہم اللہ تعالیٰ کی طرف رجوع و توبہ کرتے ہیں، اللہ ہی کی عبادت کرتے ہیں، اللہ ہی کے سامنے سجدہ ریز ہوتے ہیں، اور اللہ ہی کی حمد وثناء بیان کرتے ہیں، اللہ نے اپنا وعدہ سچا کر دکھلایا، اپنے بندے کی مدد فرمائی، اور تمام لشکروں کو تنِ تنہا شکست دی۔

افادات:- غزوۂ احزاب کے موقعہ پر اللہ تعالیٰ نے جو مدد فرمائی تھی، اسی کے نتیجہ میں تمام لشکر شکست کھا کر واپس لوٹے تھے، حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنی اس دعا میں اللہ تعالیٰ کی اسی مدد اور نعمت کا تذکرہ فرمایا ہے۔

۹۷۸:- وعن أَبي هريرة رضی اللہ تعالیٰ عنہ: أَنَّ رجلاً قَالَ: يَا رسول الله! إِنِّي أُرِيدُ أَنْ أُسَافِرَ فَأَوْصِنِي، قَالَ: عَلَيْكَ بِتَقْوَى اللهِ، وَالتَّكْبِيرِ عَلَى كُلِّ شَرَفٍ. فَلَمَّا وَلَّى الرَّجُلُ، قَالَ: أَللَّهُمَّ اطْوِ لَهُ الْبُعْدَ، وَهَوِّنْ عَلَيْهِ السَّفَرَ.

(رواہ الترمذی، وقال: حدیث حسن)

ترجمہ:- حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ ایک آدمی نے نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے درخواست کی: اے اللہ کے رسول! میں سفر میں جارہا ہوں آپ مجھے نصیحت فرمائیے۔ نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: اللہ کا تقویٰ، اس کا خوف اور ڈر لازم پکڑو، اور ہر اونچی جگہ پر اللہ اکبر کہو۔ جب وہ چلا گیا تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے دعا کی: اے اللہ! اس کی دوری لپیٹ لے، اور اس کے سفر کو آسان کردے۔

۹۷۹:- وعن أَبي موسى الأشعريِّ رضی اللہ تعالیٰ عنہ قَالَ: كنّا مَعَ النبيِّ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم في سَفَرٍ، فَكُنَّا إِذَا أَشْرَفْنَا عَلَى وَادٍ، هَلَّلْنَا وَكَبَّرْنَا وَارتفعَتْ أَصْوَاتُنَا، فَقَالَ النبيُّ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم: يَا أَيُّهَا النَّاسُ! ارْبَعُوا عَلَى أَنْفُسِكُمْ، فَإِنَّكُمْ لاَ تَدْعُونَ أَصَمَّ وَلاَ غَائِباً،

إِنَّهُ مَعَكُمْ ،إِنَّهُ سَمِيعٌ قَرِيبٌ. (متفقٌ عَلَيْهِ)((ارْبَعُوا))بفتحِ الباءِ الموحدةِ أيْ: ارْفقُوا بِأَنْفُسِكُمْ.

ترجمہ:- حضرت ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ ہم لوگ نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ ایک سفر میں تھے (غزوۂ خیبر سے واپسی کا قصہ ہے) جب ہم کسی وادی میں اونچائی پر چڑھتے ؛تو ''لاالٰہ الاّ اللہ واللہ اکبر'' پڑھتے تھے (اس روایت میں ''لاالٰہ الاّ اللہ'' کا اضافہ ہوا) اور ہماری آوازیں بہت بلند ہوتی تھیں (ایک طریقہ تو یہ ہوتا ہے کہ آدمی اپنے آپ کو زحمت وتکلیف میں ڈالے بغیر معمول کے مطابق بلند آواز سے پڑھے؛ اس میں کوئی حرج کی بات نہیں ہے، لیکن ایسی بلند آواز جس میں خود پڑھنے والا بھی مشقت میں پڑجائے، جس کو ہمارے یہاں چلّانے سے تعبیر کرتے ہیں؛ تو اس کی اجازت نہیں ہے) تو نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا: اے لوگو! اپنے اوپر نرمی اور آسانی کرو (معلوم ہوا کہ وہ لوگ آواز بلند کرنے میں بہت زیادہ مبالغہ سے کام لے رہے تھے) تم ایسی ذات کو نہیں پکار رہے ہو جو بہری اور غائب ہو، بلکہ وہ تو تمہارے ساتھ ہے، سننے والی اور قریب ہے۔

افادات:- اس لیے کہ زور سے آواز لگانے کی ضرورت دو میں سے کسی ایک وجہ ہی سے پیش آتی ہے، یا تو جس کو پکار رہے ہیں وہ بہرہ ہے اس لیے زور سے اور عام معمول سے بلند آواز سے بولنے کی ضرورت پڑتی ہے، یا جس کو ہم پکار رہے ہیں وہ دور ہے، تو اگر ہم آہستہ یا عام معمول کے مطابق بولیں گے تو وہ سن نہیں پائے گا، اس لیے ہمیں ذرا بلند آواز سے بولنے کی ضرورت پڑتی ہے۔ تو حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا: تم اللہ تعالیٰ کو پکار رہے ہو جو نہ دور ہے اور نہ بہرا ہے، بلکہ قریب ہے اور سننے والا ہے؛ اس لیے چلّانے کی ضرورت نہیں ہے۔

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

باب استحباب الدعاء فی السفر

سفر میں دعا کا مستحب ہونا

مسافر کو چاہیے کہ سفر میں دعاؤں کا اہتمام کرے، اس لیے کہ قبولیت اور اجابتِ دعا کی جو حالت اور اوقات بتائے ہیں، جیسے: لیلۃ القدر، جمعہ کے دن میں کوئی ایک ساعت اور گھڑی ایسی ہوتی ہے جس میں دعا قبول ہوتی ہے، افطار کا وقت۔ اسی طرح بعض مقامات ہیں جہاں دعا قبول ہوتی ہے، جیسے: مطاف میں، ملتزم پر، صفا اور مروہ پر۔ اسی طریقہ سے بعض حالات میں بھی دعا قبول ہوتی ہے، انہیں میں سے ایک حالت سفر کی بھی ہے، اس لیے سفر میں بھی دعا کا اہتمام کرنا چاہیے اور اس موقعہ کو ضائع نہیں کرنا چاہیے۔ آدمی جب سفر میں ہوتا ہے تو روز مرّہ کے جو کام ہوتے ہیں وہ بھی نہیں ہوتے، آدمی بالکل فارغ ہوتا ہے؛ تو پڑھنے پڑھانے اور دعا میں مشغول رہنا چاہیے، بے کار چیزوں میں پڑنے سے اپنے آپ کو بچانا چاہیے۔ بعض لوگ سفر میں وقت گزارنے کے لیے گانے سنتے ہیں، اور دوسری لغویات میں مصروف رہتے ہیں، اور کہتے ہیں کہ ٹائم پاس کے لیے کچھ تو ہونا چاہیے۔ اس لیے یہاں اس چیز کی طرف متوجہ کیا گیا کہ دعا کا اہتمام کرے۔ ویسے بھی یہ حالت دعا کی قبولیت کی ہے تو اپنے لیے، اہل خاندان اور پوری امت کے لیے خوب دعائیں کرے۔

تین دعائیں قبول ہی ہوتی ہیں

۹۸۰:- وعن أبی هريرة رضی اللہ تعالیٰ عنہ قَالَ: قَالَ رسولُ الله صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم: ثلاثُ

دَعَوَاتٍ مُسْتَجَابَاتٌ لَا شَكَّ فِيهِنَّ: دَعْوَةُ الْمَظْلُومِ، وَدَعْوَةُ الْمُسَافِرِ، وَدَعْوَةُ الْوَالِدِ عَلَى وَلَدِهِ رواه أبو داود والترمذي، وقال: ((حديث حسن)). وليس في رواية أبي داود: ((عَلَى وَلَدِهِ))

ترجمہ:- حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے منقول ہے کہ نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا: تین دعاؤں کے قبول ہونے میں کوئی شک اور تردّد نہیں۔ [۱] مظلوم کی دعا [۲] مسافر کی دعا [۳] باپ کی بددعا اپنے بیٹے کے لیے۔

افادات:- ان تینوں حالتوں میں انکساری اور رجوع وانابت کی ایک خاص کیفیت پائی جاتی ہے:-

[۱] **مظلوم:-** جس پر ظلم وزیادتی کی گئی ہو تو ظاہر ہے کہ ظلم کے نتیجہ میں اس کی طبیعت میں انکساری ہوتی ہے، اور اللہ تعالیٰ کی طرف رجوع وانابت کی کیفیت پائی جاتی ہے۔

[۲] **مسافر:-** ظاہر ہے کہ گھر پر رہتے ہوئے جو آرام وراحت، سکون و اطمینان اور چین ملتا ہے، وہ سفر میں نہیں ملتا، آدمی کچھ نہ کچھ تکلیف محسوس کرتا ہی ہے۔ سفر جتنی بھی راحت کا ہو، طبیعت میں ایک طرح کی بے چینی اور بے کلی ہوتی ہے، اور یہی حالت اس کی دعا کو قبولیت سے زیادہ قریب کرنے والی ہے۔

[۳] **باپ:-** ظاہر ہے کہ باپ ہونے کی حیثیت سے وہ اپنی اولاد کے لیے بد دعا نہیں کر سکتا، لیکن لامحالہ بیٹے کی طرف سے کوئی بہت زیادہ خطرناک صورت پائی گئی ، اور کوئی ناروا معاملہ کیا گیا، جس کی وجہ سے وہ بددعا کرنے پر مجبور ہوا۔

لیکن مسافر کی دعا قبول ہونے کے لیے یہ ضروری ہے کہ اس کی روزی اور اس کا لباس حلال ہو۔ اس لیے کہ حدیثِ پاک میں ہے نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا: ایک آدمی پراگندہ بال اور غبار آلود چہرے والا آسمان کی طرف ہاتھ اٹھا کر دعا کرتے

ہوئے ''یاربّ، یاربّ'' کہتا ہے، لیکن اس کا کھانا حرام، اس کا پینا حرام، اس کا لباس حرام؛ اس کی دعا کہاں قبول ہوسکتی ہے؟(۱)۔ اس لیے مسافر کی دعا کے قبول ہونے کے واسطے یہ شرط رکھی گئی ہے کہ اس کی غذا حلال ہو، لیکن مظلوم اور باپ کے لیے یہ شرط نہیں ہے۔

---

(۱) عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ رضی اللہ عنہ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللهِ ﷺ: أَيُّهَا النَّاسُ إِنَّ اللهَ طَيِّبٌ لاَ يَقْبَلُ إِلاَّ طَيِّبًا وَإِنَّ اللهَ أَمَرَ الْمُؤْمِنِينَ بِمَا أَمَرَ بِهِ الْمُرْسَلِينَ فَقَالَ: يَا أَيُّهَا الرُّسُلُ كُلُوا مِنَ الطَّيِّبَاتِ وَاعْمَلُوا صَالِحًا إِنِّي بِمَا تَعْمَلُونَ عَلِيمٌ. وَقَالَ: يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا كُلُوا مِنْ طَيِّبَاتِ مَا رَزَقْنَاكُمْ. ثُمَّ ذَكَرَ الرَّجُلَ يُطِيلُ السَّفَرَ أَشْعَثَ أَغْبَرَ يَمُدُّ يَدَيْهِ إِلَى السَّمَاءِ يَا رَبِّ يَا رَبِّ وَمَطْعَمُهُ حَرَامٌ وَمَشْرَبُهُ حَرَامٌ وَمَلْبَسُهُ حَرَامٌ وَغُذِيَ بِالْحَرَامِ فَأَنَّى يُسْتَجَابُ لِذَلِكَ. (مسلم، باب قَبُولِ الصَّدَقَةِ مِنَ الْكَسْبِ الطَّيِّبِ وَتَرْبِيَتِهَا.)

باب ما یدعو به اذا خاف الناس او غیرھم

جب کسی سے خطرہ ہو تو کیا دعا پڑھے؟

دورانِ سفر ایسے حالت بھی پیش آتے ہیں جن میں کسی کی طرف سے خطرہ پیدا ہوتا ہے کہ وہ ہم پر حملہ نہ کردے، خاص کر کہ اُس زمانہ میں سفر مامون ومحفوظ نہیں ہوتا تھا، سامان لوٹ لیے جانے کا اندیشہ رہتا تھا، قافلوں پر حملے ہوتے رہتے تھے، جان و مال کا خطرہ رہتا تھا، تو اگر کسی کی طرف سے خطرہ محسوس کرے تو اس صورت میں دعا کے کیا الفاظ استعمال کرنے چاہئیں؛ اس باب میں اس کو بتلاتے ہیں۔

۹۸۱:- عن أَبي موسیٰ الأشعريِّ رضی اللہ تعالیٰ عنہ أَنَّ رسولَ اللهِ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم كَانَ إِذَا خَافَ قَوْماً، قَالَ: أَللَّهُمَّ إِنَّا نَجْعَلُكَ فِي نُحُورِهِمْ، وَنَعُوذُبِكَ مِنْ شُرُورِهِمْ.

(رواه أبو داود والنسائي بإسنادٍ صحيحٍ)

ترجمہ:- حضرت ابوموسیٰ اُشعری رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ جب نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کسی قوم (یا جماعت) کی طرف سے خطرہ محسوس کرتے تو یہ دعا پڑھتے تھے: (**ترجمہ**) یا اللہ! ہم تیری ہی ذات کو ان کے مقابلہ میں کردیتے ہیں اور ان لوگوں کے شر سے تیری پناہ چاہتے ہیں۔

افادات:- یہ دعا جنگ کے موقعہ کے ساتھ خاص نہیں ہے، کسی سے بھی کوئی خطرہ ہو، جیسے: سرکاری اہلکاروں کی طرف سے خطرہ ہو، یا کسی اور کی طرف سے نقصان پہنچنے کا خطرہ ہو؛ تو ایسے موقعہ پر یہ دعا پڑھی جاسکتی ہے۔ اور سامنے کوئی غیر مسلم ہی ہو یہ بھی ضروری نہیں، بلکہ کسی مسلمان کی طرف سے جان، مال، عزت وآبرو کا کوئی خطرہ ہو تو اس موقعہ پر بھی یہ دعا پڑھ کر حفاظت مانگی جاسکتی ہے۔

حضرت شیخ نور اللہ مرقدہٗ نے آپ بیتی کے اندر لکھا ہے کہ ۱۹۴۷ء میں جب تقسیمِ ملک کے وقت دہلی میں فسادات ہوئے، تو بابوا یاز صاحب (تبلیغی پرانے احباب واقف ہوں گے کہ نظام الدین مرکز بنگلہ والی مسجد کے دروازے سے بالکل لگ کر جو ہوٹل تھا، وہ انہیں کا تھا۔ آج کل تو وہ سب ٹوٹ کر نیا بن گیا ہے) بنگلہ والی مسجد میں مقیم حضرات کے لیے سودا لینے کے واسطے جاتے تھے، حالات بڑے کشیدہ تھے، اور آپس میں بہت مارکٹائی ہو رہی تھی، خاص کر مسلمانوں کو سکھوں کی طرف سے بہت ضرر پہنچ رہا تھا۔ ایک مرتبہ وہ تانگہ میں آ رہے تھے، تو اسی میں کچھ سکھ بھی بیٹھے ہوئے تھے، وہ ان کو دیکھ کر کہنے لگے: ہم تجھے قتل کر ڈالیں گے۔ یہ ان کو کہنے لگے: تم میرا کچھ نہیں بگاڑ سکتے۔ وہ ان کو یہی کہتے رہے اور یہ ان کو یہی جواب دیتے رہے، یہاں تک کہ نظام الدین آ گیا اور یہ اطمینان سے اتر کر مسجد پہنچ گئے۔ حضرت شیخ رحمۃ اللہ علیہ نے ان سے فرمایا: تم نے اتنے اطمینان سے ان کو یہ جواب کیسے دیا؟ تو انہوں نے کہا: میں نے یہ دعا سن رکھی تھی، میں اسی کا ورد کر رہا تھا، اور مجھے یقین تھا کہ اس دعا کی برکت سے وہ لوگ میرا کچھ نہیں بگاڑ سکیں گے۔

لہٰذا آدمی اگر یقین کے ساتھ ان چیزوں کو پڑھتا اور عمل کرتا ہے، تو فوری طور پر اس کا اثر ظاہر ہوتا ہے۔ اس لیے کسی بھی عمل کے اثر کے ظاہر ہونے میں جو کمی ہوتی ہے، اس میں ہمارے ہی کسی قصور و کوتاہی کو دخل ہوتا ہے۔

بَاب مَا یقول إذا نَزَلَ مَنْزِلاً

دورانِ سفر جب کہیں قیام کے لیے اترے؛

تو اس وقت کیا پڑھنا چاہیے؟

پڑاؤ ڈالنے کی دعائیں

۹۸۲:-عن خولة بنت حَكِيمٍ رضی اللہ عنہا قالت: سَمِعْتُ رسولَ اللهِ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم يَقُولُ: مَنْ نَزَلَ مَنْزِلاً ثُمَّ قَالَ: أَعُوذُ بِكَلِمَاتِ اللهِ التَّامَّاتِ مِنْ شَرِّ مَا خَلَقَ، لَمْ يَضُرَّهُ شَيْءٌ حَتَّى يَرْتَحِلَ مِنْ مَنْزِلِهِ ذَلِكَ. (رواہ مسلم)

ترجمہ:- حضرت خولہ بنت حکیم رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ میں نے نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو ارشاد فرماتے ہوئے سنا: جب مسافر سفر کے دوران کسی منزل پر قیام کرے اور یہ پڑھے: اللہ تعالیٰ کے کامل کلمات کے ذریعہ میں پناہ حاصل کرتا ہوں ہر اس چیز کے شر سے جس کو اس نے پیدا کیا؛ تو جب تک اس منزل سے روانہ نہیں ہوگا وہاں تک کوئی چیز اس کو تکلیف نہیں دے گی۔

افادات:- اس لیے کہ نہیں معلوم اس جگہ قیام کے دوران کس کی طرف سے کیا افتاد، کیا تکلیف اور کیا ایذاء پیش آجائے، اس لیے ہر مخلوق کے شر سے پناہ چاہی گئی۔

ہر مسافر کی یہ خواہش ہوتی ہے کہ کسی جگہ قیام کی نوبت آئے تو اس دوران اللہ تعالیٰ اس کو ہر افتاد، پریشانی اور ایذاء و تکلیف سے بچائے رکھے، کون مسافر ایسا ہوگا جس کا جی یہ نہ چاہتا ہو؟ تو اس کے لیے نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے بڑا آسان نسخہ بتادیا اور گارنٹی

دے رہے ہیں، اطمینان دلارہے ہیں کہ جب تک وہ وہاں سے روانہ نہیں ہوگا وہاں تک کوئی تکلیف اس کو پہنچنے والی نہیں۔

۹۸۳:-وعن ابن عمر رضی اللہ عنہا قَالَ: كَانَ رسول الله صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم إِذَا سَافَرَ فَأَقْبَلَ اللَّيْلُ، قَالَ: يَا أَرْضُ! رَبِّي وَرَبُّكِ اللهُ، أَعُوذُ بِاللهِ مِنْ شَرِّكِ وَشَرِّ مَا فِيكِ، وَشَرِّ مَا خُلِقَ فِيكِ، وَشَرِّ مَا يَدِبُّ عَلَيْكِ، وَأَعُوذُ بِكَ مِنْ شَرِّ أَسَدٍ وَأَسْوَدٍ، وَمِنَ الحَيَّةِ وَالعَقْرَبِ، وَمِنْ سَاكِنِ البَلَدِ، وَمِنْ وَالِدٍ وَمَا وَلَدَ. (رواه أبو داود)

وَ((الأَسْوَدُ)): الشَّخْصُ، قَالَ الخَطَّابِيُّ: وَ((سَاكِنُ البَلَدِ)): هُمُ الجِنُّ الَّذِينَ هُمْ سُكَّانُ الأَرْضِ. قَالَ: وَالبَلَدُ مِنَ الأَرْضِ: مَا كَانَ مَأْوَى الحَيَوانِ، وَإِنْ لَمْ يَكُنْ فِيهِ بِنَاءٌ وَمَنَازِلُ. قَالَ: وَيَحْتَمِلُ أَنَّ المُرَادَ: ((بِالوَالِدِ)) إبليسُ: ((وَمَا وَلَدَ)): الشَّيَاطِينُ.

ترجمہ:-حضرت عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہا فرماتے ہیں کہ نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم جب سفر کرتے اور رات آتی تو آپ (زمین کو مخاطب کر کے) فرماتے: اے زمین! میرا اور تیرا مالک اللہ ہے، مَیں اللہ کی پناہ حاصل کرتا ہوں تیرے شر سے، تیرے اندر جو چیزیں ہیں ان کے شر سے، تیرے اندر جتنی چیزیں پیدا کی گئی ہیں (انسان، جانور) ان کے شر سے۔ اور وہ تمام جانور جو تیرے اوپر رینگتے اور چلتے ہیں ان کے شر سے۔ اور مَیں پناہ حاصل کرتا ہوں شیر، اژدھے کے شر سے (جنگلوں اور ویران جگہوں کے اندر اس زمانہ میں یہ چیز عام تھی) اور سانپ وبچھو سے اور اس بستی میں رہنے والوں سے، اور والد واولاد سے۔

افادات:-"ساکن البلد" سے کیا مراد ہے؟ علامہ نووی رحمۃ اللہ علیہ علامہ خطابیؒ کے حوالہ سے نقل فرماتے ہیں کہ: جہاں کوئی جاندار بستا ہو، چاہے وہاں مکانات اور گھر

نہ ہوں، لیکن کوئی بھی جاندار وہاں آباد ہو؛ اس کو عربی میں ''بلد'' سے تعبیر کرتے ہیں۔ علامہ خطابیؒ فرماتے ہیں کہ کسی بھی آبادی میں جب آدمی ٹھہرتا ہے تو وہاں جانور اور جنات وغیرہ رہتے ہی ہیں، تو جو بھی وہاں آباد ہوں: چاہے وہ جن، شیاطین ہوں، یا اور جاندار، سانپ بچھو، اژدہے، شیر وغیرہ؛ ہر ایک کے شر سے پناہ مانگی جارہی ہے۔

''والد'' سے مراد شیطان ہے، اور ''ولد'' سے اس کی اولاد مراد ہے (یعنی شیطان اور اس کی اولاد سے پناہ چاہی جارہی ہے۔)

دورانِ سفر ان ساری چیزوں کی طرف سے تکلیف اور ایذاء پہنچ سکتی ہے، تو نبیٔ کریم ﷺ نے اپنی اس دعا میں ان تمام کو شامل فرمالیا۔ اس دعا کا اہتمام کرنے سے آدمی ہر طرح کے شر سے محفوظ رہتا ہے، اس لیے ان دعاؤں کو بھی یاد کرنے کا اہتمام کرلینا چاہیے۔

باب استحباب تعجیل المسافر الرجوع إلیٰ أھله إذا قضی حاجته

کام جب مکمل ہوجائے تو گھر لوٹنے میں جلدی کرنا چاہیے

آدمی سفر میں جائے اور سفر کی ضرورت پوری ہوجائے، جس کام کے لیے گیا تھا وہ پورا ہوجائے؛ تو اب جلدی سے گھر لوٹ آنا چاہیے، وہاں پڑا نہ رہے، اس لیے کہ سفر تو ایک عارضی حالت ہے، اصل حالت تو حضر اور قیام ہی کی ہے، اس لیے ضرورت کے پیشِ نظر ایک عارضی حالت اختیار کی گئی تھی، جب ضرورت پوری ہوگئی تو اب آدمی کو چاہیے کہ اپنے گھر لوٹ جائے۔

۹۸۴:-عن أَبِي هريرة رضی اللہ تعالیٰ عنہ أَنَّ رسول الله صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم قَالَ: السَّفَرُ قِطْعَةٌ مِنَ العَذَابِ، يَمْنَعُ أَحَدَكُمْ طَعَامَهُ وَشَرَابَهُ وَنَوْمَهُ. فَإِذَا قَضَى أَحَدُكُمْ نَهْمَتَهُ مِنْ سَفَرِهِ، فَلْيُعَجِّلْ إِلَى أَهْلِهِ)) (متفقٌ عَلَيْهِ) ((نَهْمَتهُ)) : مَقْصُودهُ.

ترجمہ:- حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے ارشاد فرمایا: سفر عذاب کا ایک ٹکڑا ہے (یعنی آدمی کو دورانِ سفر مشقتیں، تکالیف اور دشواریاں پیش آتی ہی ہیں) آدمی کے کھانے پینے اور اس کی نیند سے رکاوٹ بنتا ہے، اس لیے جس مقصد کے لیے سفر کیا تھا وہ پورا ہوجائے تو آدمی کو چاہیے کہ جلدی سے گھر لوٹ جائے۔

افادات:- سفر میں کھانا نصیب تو ہوتا ہے لیکن جس اطمینان وسکون سے اور جس طرح طبیعت ومزاج کے مطابق گھر پر رہ کر آدمی کھانے پینے اور نیند کی ضرورت

پوری کرسکتا ہے؛ دورانِ سفر ایسا موقعہ نصیب نہیں ہوتا، اور سفر کیسا ہی آرام دہ کیوں نہ ہو، کہیں نہ کہیں کبھی نہ کبھی پریشانی ہوتی ہی ہے، کھانے میں وہ لطف نہیں ملتا، جو گھر پر رہ کر ملتا ہے۔ گویا سفر آدمی کی ان بنیادی ضرورتوں کے پورا ہونے میں رکاوٹ کا سبب بنتا ہے، تو ظاہر ہے کہ یہ ایک طرح کی سزا اور عذاب ہی ہوا، اس لیے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم فرماتے ہیں کہ جب یہ عذاب ہی کا ایک حصہ ہے تو کسی آدمی کو یہ نہیں چاہیے کہ اپنے اختیار سے اس عذاب کو باقی رکھے، ایک ضرورت کے پیشِ نظر یہ حالت اختیار کی گئی تھی، جب ضرورت پوری ہو جائے تو اس حالت کو بھی ختم کر دینا چاہیے۔ نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی یہی ہدایت ہے۔

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

باب استحاب القدوم علی أھلہ نھاراً وکراھتہ فی اللیل لغیر حاجۃ

آدمی کا اپنے گھر دن کے وقت لوٹنا اور بلاضرورت رات کے وقت لوٹنے کا ناپسندیدہ ومکروہ ہونا

اس ادب کا اصل مقصد یہ ہے کہ آدمی جب دن میں آئے گا تو گھر والوں کو رات تک مہلت مل جائے گی۔ اس لیے کہ عام طور پر آدمی جب سفر سے لوٹتا ہے تو فطری تقاضہ کے پیشِ نظر اپنی جنسی ضرورت پوری کرنے کے لیے اس کا میلان گھر والوں کی طرف ہوتا ہے، اگر رات کے وقت پہنچے گا تو گھر والوں کو اس کے لیے تیاری کا موقع نہیں ملے گا، اس لیے دن میں پہنچنے کو پسندیدہ، اور رات میں پہنچنے کو ناپسند کیا ہے۔ یہ ادب اُس زمانہ کے اعتبار سے تھا، آج اِس زمانہ میں اسباب ووسائل مہیا ہیں جن کے پیشِ نظر اگر آپ پہلے سے اپنی آمد کی اطلاع کردیں تو رات کو پہنچنے میں بھی کوئی اشکال نہیں، کیونکہ رات کو واپس لوٹنے سے منع کرنے کی جو علت تھی وہ نہیں رہی۔ پہلے زمانہ میں فون یا ٹیلی گرام وغیرہ سے اطلاع کرنا ممکن نہیں تھا، قافلوں میں سفر ہوتے تھے، اور معلوم نہیں

کہ قافلہ کب پہنچتا ہے، اگر رات کے وقت پہنچ گیا تو گھر والوں کو معلوم ہی نہیں ہے کہ آج شوہر صاحب کی تشریف آوری ہے کہ ان کے استقبال کی کچھ تیاریاں کی جا سکیں، اور عام طور پر عورتوں کا مزاج یہ ہوتا ہے کہ شوہر کی غیر حاضری میں کھانے پینے اور زیب وزینت کا کوئی خاص اہتمام نہیں کرتیں، اس طرف سے غفلت برتی جاتی ہیں، اب اگر بیوی نے اپنا حلیہ ایسا بنا رکھا ہے کہ شوہر اس حالت میں اس کو دیکھنا پسند نہیں کرتا اور اچانک رات میں پہنچ گئے اور ایسی حالت میں بیوی کو دیکھ لیا، تو کبھی ایسا ہوتا ہے کہ اس کی طرف سے طبیعت میں ایک طرح کی نفرت سی پیدا ہو جاتی ہے، حالاں کہ یہ ایک وقتی حالت ہوتی ہے، لیکن بعض مرتبہ یہی نفرت دائمی بن جاتی ہے، اور آگے جا کر ازدواجی حقوق کی ادائیگی یا ازدواجی تعلقات کے باقی رہنے میں رکاوٹ بن جاتی ہے۔ اس لیے شریعت کی طرف سے جو ہدایتیں دی جاتی ہیں ان میں بڑی مصلحتیں ہیں۔ اور شریعت نے میاں بیوی کے تعلقات کے معاملہ میں بڑا اہتمام اس بات کا کیا ہے کہ کوئی بھی بات ایسی نہیں ہونی چاہیے جو آپس کے تعلقات کی صفائی وشفافی میں رخنہ اندازی اور ذرا سا بھی میل پیدا کرنے والی اور دلی محبت میں ذرا سی بھی کمی لانے والی ہو، بلکہ میاں بیوی ہونے کی حیثیت سے دونوں کے تعلقات ایسے بے تکلّفانہ ہونے چاہئیں کہ دونوں میں سے کسی کے دل میں دوسرے کے متعلق ادنیٰ سا بھی تردّد وشبہ اور بدگمانی نہیں ہونی چاہیے، دونوں ایک دوسرے کے سارے حالات سے پورے طور پر واقف ہوں، میاں بیوی کے درمیان اس انداز کا تعلق ہونا چاہیے کہ کوئی بھی آکر کچھ بھی کہہ دے تو وہ جواب دے کہ مجھے سب معلوم ہے۔

ایک روایت یاد آ گئی، ابوداود شریف میں ہے عورت جب غسل کر لے تو مرد اس کے بچے ہوئے پانی سے غسل نہ کرے، اور مرد کے غسل کے بچے ہوئے پانی سے عورت

غسل نہ کرے، ہاں! اگر دونوں ساتھ غسل کرلیں تو بہت مناسب ہے(۱)۔ اس روایت میں طہارت کا ایک مسئلہ ہے جس کو ائمہ نے موضوعِ بحث بنایا ہے، لیکن ہمارے اکابر میں سے حضرت علامہ شبیر احمد صاحب عثمانی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ اس روایت میں جو ہدایتیں دی گئی ہیں کہ مرد کے غسل کے بچے ہوئے پانی سے عورت اور عورت کے غسل کے بچے ہوئے پانی سے مرد غسل نہ کرے، اس کا اصل مقصد یہ ہے کہ دونوں جب جنابت کا غسل کررہے ہیں تو ایسی بھی اجنبیت کیا ہو رہی ہے کہ وہ اس کا انتظار کررہا ہے اور یہ اس کا انتظار کررہی ہے، دونوں ایک ساتھ بیٹھ کر ایک ہی برتن سے غسل کرلیں تاکہ دونوں کے تعلقات کی بے تکلفی باقی رہے۔ اس لیے کہ انبیاء علیہم السلام کی تعلیمات میں اس بات کو خاص طور پر ملحوظ رکھا گیا ہے کہ میاں بیوی کے تعلقات کی خوشگواری پورے طور پر باقی رہنی چاہیے، اور شیطان اس بات کی کوشش کرتا ہے کہ میاں بیوی کے تعلقات میں رخنہ اندازی ہو، تاکہ اس کے نتیجہ میں آپس میں جھگڑے ہوں اور حقوق کی ادائیگی میں کوتاہی ہو اور یہی چیز آگے جا کر دونوں کے لیے دوسرے گناہوں میں مبتلا ہونے، یا ازدواجی تعلقات کے ٹوٹنے کا ذریعہ بنے۔ اور شیطان کے نزدیک اس کے چیلوں میں سب سے زیادہ محبوب وہی ہے جو میاں بیوی میں پھوٹ ڈال کر آیا ہو۔

روایتوں میں آتا ہے کہ شیطان شام کے وقت سمندر کے اوپر اپنا تخت بچھا کر اپنے چیلوں سے رپورٹ وصول کرتا ہے کہ کیا کارگزاریاں ہیں؟ کوئی کہتا ہے کہ: ایک آدمی نماز پڑھنے جارہا تھا، مَیں نے وسوسہ ڈال کر نماز سے روک دیا۔ ہر ایک اپنے

---

(۱) عن حمید الحمیری قال لقیت رجلا صحب النبی ﷺ أربع سنین کما صحبه أبو هریرة قال نهی رسول الله ﷺ أن تغتسل المرأة بفضل الرجل أو یغتسل الرجل بفضل المرأة. زاد مسدد ولیغترفا جمیعا. (أبو داود مع شرح عون المعبود، ۱/۱۴۸، باب النهی عن ذٰلك۔ رقم الحدیث: ۸۱)

اپنے کارنامے بیان کرتا ہے۔شیطان سب کی سن لیتا ہے۔ایک شیطان کہتا ہے کہ میں نے میاں بیوی کے درمیان جھگڑا کرایا، یہاں تک کہ طلاق اور جدائیگی کی نوبت آگئی، یہ سن کر شیطان بہت خوش ہوتا ہے اور اس کو گلے سے لگاتا ہے کہ کام تو تو نے کیا ہے!۔

(مسلم۔باب تَحْرِيشِ الشَّيْطَانِ وَبَعْثِهِ سَرَايَاهُ لِفِتْنَةِ النَّاسِ وَأَنَّ مَعَ كُلِّ إِنْسَانٍ قَرِينًا.حدیث:۲۸۴۷)

رات میں اچانک گھر نہ آئے

۹۸۵:-عن جابر رضی اللہ تعالیٰ عنہ أَنَّ رسولَ الله صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم قَالَ:إِذَا أطال أَحَدُكُمُ الغَيْبَةَ فَلاَ يَطْرُقَنَّ أَهْلَهُ لَيْلاً .وفی روايةٍ:أَنَّ رسول الله صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نَهَى أَنْ يَطْرُقَ الرَّجُلُ أَهْلَهُ لَيْلاً .(متفقٌ عَلَيْهِ)

ترجمہ:- حضرت جابر رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا:تم میں سے کوئی آدمی جب لمبے زمانہ تک گھر سے غیر حاضر رہا ہو(یعنی طویل زمانہ تک سفر میں رہا ہو) تو رات میں اچانک گھر نہ آئے۔ایک روایت میں ہے کہ رات کے وقت اپنے گھر والوں کے پاس اچانک واپس لوٹنے سے نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے منع فرمایا۔

افادات:- ایک صورت تو یہ ہے کہ صبح کہیں گئے اور رات واپس لوٹے؛ تب تو کوئی اشکال ہی نہیں ہے۔ممانعت تو اس صورت میں ہے کہ آپ ایک طویل زمانہ کے لیے سفر پر گئے، گھر والوں کو پتہ بھی نہیں ہے کہ کب لوٹنے والے ہیں،اور آپ اچانک رات میں پہنچ گئے۔ہاں!اگر آپ نے پہلے سے اطلاع کردی ہے(جیسے آج کل وسائل ہیں) کہ میں رات میں دو بجے پہنچنے والا ہوں؛تو پھر رات میں کسی بھی وقت پہنچنے میں کوئی حرج کی بات نہیں ہے۔

بغیر اطلاع کے اچانک گھر پہنچنے کی خرابیاں

نیز رات اس طرح اچانک پہنچنے میں دوسری ایک گڑبڑ بھی ہے۔وہ یہ کہ گھر

والوں کے دل میں بدگمانی پیدا ہوسکتی ہے کہ کیا میرے شوہر کو میرے متعلق کچھ شک ہے کہ اس طرح رات میں اچانک آ گئے؟ یہ چیز بھی میاں بیوی کے تعلقات کی خوشگواری میں خلل ڈالنے والی ہے۔ بدگمانی کی بنیادیں اسی طرح پڑتی ہیں، اور یہی چیز بعض مرتبہ بعض عورتوں کو بداخلاقی پر آمادہ کرتی ہیں۔ یعنی ویسے تو وہ پاکیزہ و پاکدامن ہوتی ہیں، لیکن اگر شوہر کی طرف سے بلاوجہ ایسا کوئی معاملہ کیا جاتا ہے جس کی وجہ سے وہ یہ سمجھنے لگتی ہے کہ شوہر مجھ پر بدگمانی کررہا ہے، تو بعض عورتیں ضد میں آ کر سوچتی ہیں کہ اچھا! یہ میرے متعلق بدگمانی کرتا ہے، اب تو میں بھی ایسا کر کے ہی بتاؤں گی۔ اس سے معلوم ہوا کہ رات میں اچانک آنے کی وجہ سے جب یہ چیز پیدا ہوسکتی ہے، تو جو لوگ اپنی بیوی کے اوپر کھلّم کھلاّ بدگمانی کا اظہار کرتے ہیں؛ اس کی شریعت کہاں اجازت دے سکتی ہے۔ یہ بڑا برا سلوک ہے جس کی شریعت کسی حال میں بھی اجازت نہیں دیتی۔ ایک تو یہ ہے کہ برائی کرتے ہوئے اپنی آنکھوں سے دیکھا ہو، اس پر خاموش رہنا بھی بہت برا ہے، اس کو دَیُّوثی سے تعبیر کیا گیا ہے، اس پر بڑی سخت وعید آئی ہے۔ اور بلا وجہ شک وشبہ کرنا بھی برا ہے، اس سے بھی منع کیا گیا ہے۔ ان دونوں باتوں سے شریعت نے منع کیا ہے۔

۹۸۶:- وعن أنسٍ رضی اللہ تعالیٰ عنہ قَالَ: كَانَ رسولُ اللهِ صلی اللہ علیہ وسلم لَا يَطْرُقُ أَهْلَهُ لَيْلاً، وَكَانَ يَأْتِيهِمْ غُدْوَةً أَوْ عَشِيَّةً. متفقٌ عَلَيْهِ. ((الطُّرُوقُ)): المَجِيءُ فِي اللَّيْلِ.

ترجمہ:- حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وسلم (جب سفر سے واپس لوٹتے تو) اپنے گھر والوں کے پاس رات کے وقت میں نہیں آتے، (بلکہ) صبح یا شام میں آتے تھے۔

افادات:- میں نے اس کی وجہ بتلادی ہے۔ اگر پیشگی اطلاع ہو تو گنجائش ہے۔ بس! پیشگی اطلاع کا اہتمام ہونا چاہیے۔

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

باب ما یقول اذا رجع ، وإذا رأى بلدته

جب سفر سے واپس لوٹے اور اپنے شہر کی عمارتوں پر نظر پڑے: تو کیا دعا پڑھے؟

فِيهِ حَدِيثُ ابنِ عمرَ السَّابِقُ فی باب تکبیرِ المسافِرِ إِذَا صَعِدَ الثَّنَايَا.

واپسی کے سفر کے متعلق ایک روایت پچھلے باب میں بھی گزر چکی جس میں یہ تھا کہ مسافر جب اونچائی پر چڑھے تو تکبیر پڑھنی چاہیے۔ اور "آيِبُونَ، تَائِبُونَ، عَابِدُونَ لِرَبِّنَا حَامِدُونَ" والی دعا بھی گزر چکی ہے، اسی دعا کو دوسری روایتوں میں لا رہے ہیں

۹۸۷:- وعن أنس رضی اللہ تعالیٰ عنہ قَالَ: أَقْبَلْنَا مَعَ النَّبِيِّ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم حَتَّى إِذَا كُنَّا بِظَهْرِ الْمَدِينَةِ، قَالَ: ((آيِبُونَ، تَائِبُونَ، عَابِدُونَ، لِرَبِّنَا حَامِدُونَ)) فَلَمْ يَزَلْ يَقُولُ ذَلِكَ حَتَّى قَدِمْنَا الْمَدِينَةَ. (رواہ مسلم)

ترجمہ:- حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ ہم لوگ نبئ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ سفر سے لوٹے، یہاں تک کہ جب مدینہ منورہ ہماری نگاہوں کے سامنے آ گیا، تو حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے یہ دعا پڑھی: ہم لوٹ رہے ہیں، اللہ تعالیٰ کی طرف رجوع و توبہ کرتے ہیں، اللہ ہی کی عبادت کرتے ہیں اور اپنے پروردگار ہی کی حمد و ثناء اور تعریف کر رہے ہیں۔ حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ان کلمات کو

برابر پڑھتے رہے یہاں تک کہ ہم مدینہ منورہ کے اندر داخل ہو گئے۔

افادات:- اس سے معلوم ہوا کہ اپنی آبادی کے مکانات جب نظر آنا شروع ہوں تو اس وقت یہ دعا پڑھنا شروع کرے اور برابر پڑھتا رہے، یہاں تک کہ شہر میں داخل ہو جائے۔

باب استحباب ابتداء القادم بالمسجد الذی فی جوارہ وصلاتہ فیہ رکعتین

سفر سے واپس لوٹے تو پہلے قریب کی مسجد میں جائے، دو رکعات پڑھے

ایک اور ادب بتاتے ہیں کہ آدمی جب سفر سے لوٹے تو جو مسجد اس کے مکان کے پاس ہو سب سے پہلے اس میں جائے، وہاں دو رکعت ادا کرے پھر اپنے گھر جائے۔ یہاں حضرت کعب بن مالک رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی روایت پیش کی ہے جو پہلے بھی آئی تھی۔ غزوۂ تبوک میں وہ شریک نہیں ہو سکے تھے جس کا واقعہ انہوں نے تفصیل سے بیان کیا ہے جس میں انہوں نے نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ایک معمول بیان کیا ہے۔ (پوری روایت حدیث کے اصلاحی مضامین، جلد اول، ص: ۱۵۰ تا ۱۸۰ گزر چکی ہے۔ مرتب۔)

۹۸۸:- عن کعب بن مالك رضی اللہ تعالیٰ عنہ أَنَّ رسولَ اللهِ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم كَانَ إِذَا قَدِمَ مِنْ سَفَرٍ ، بَدَأَ بِالْمَسْجِدِ فَرَكَعَ فِيهِ رَكْعَتَيْنِ. (متفقٌ عَلَيْهِ)

ترجمہ:- حضرت کعب بن مالک رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم جب کسی سفر سے واپس تشریف لاتے تھے تو پہلے مسجد میں تشریف لے جاتے، وہاں دو رکعت ادا فرماتے (اور جب صحابہ کو اطلاع ہوتی تو وہ ملاقات کے لیے وہیں آجاتے تھے، پھر آپ گھر جاتے، یہ بھی آداب میں سے ہے۔)

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

بَابُ تَحْرِيمِ سَفَرِ الْمَرْأَةِ وَحْدَهَا

عورت کا اکیلے سفر کرنا حرام ہے

سفر کے سلسلہ میں پہلے تفصیل بتا چکا ہوں کہ سفرِ شرعی کی مقدار کا سفر اگر عورت بغیر محرم کے کرے؛ تو شریعت اس کی اجازت نہیں دیتی۔ اور اگر اس سے کم کا سفر ہو، اور اس میں خطرہ ہو؛ تو اس صورت میں اس کے لیے بلاضرورت نکلنا جائز نہیں، اور اگر کسی ضرورت سے نکلے تو اس بات کا اہتمام ہونا چاہیے کہ شوہر یا محارم میں سے کوئی ساتھ ہو۔ اور اگر کوئی خطرہ نہ ہو تو بوقتِ ضرورت اجازت ہے۔

۹۸۹:-عن أَبي هريرة رضی اللہ تعالیٰ عنہ قَالَ قَالَ رسولُ الله صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم: لاَيَحِلُّ لامْرَأَةٍ تُؤْمِنُ بِاللهِ وَالْيَومِ الآخِرِ تُسَافِرُ مَسِيرَةَ يَومٍ وَلَيْلَةٍ إلاَّ مَعَ ذِي مَحْرَمٍ عَلَيْهَا.

(متفقٌ عَلَيْهِ)

ترجمہ:- حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا: جو عورت اللہ اور آخرت کے دن پر ایمان رکھتی ہو اس کے لیے جائز نہیں کہ ایک دن رات کی مسافت کا سفر کرے؛ مگر ایسی حالت میں کہ اس کے ساتھ کوئی ذی رحم محرم ہو۔

افادات:- ''ذی رحم محرم'' کا مطلب یہ ہے کہ کوئی ایسا رشتہ دار جس کے ساتھ نکاح کرنا ہمیشہ کے لیے حرام ہو، جیسے: باپ، دادا، پردادا؛ اوپر تک۔ بیٹا، پوتا، نواسہ یا اس سے جو پیدا ہوا ہو، نیچے تک۔ یا بھائی، بھتیجہ، بھانجہ، یا ان کا بیٹا وغیرہ؛ یہ سب محارم ہیں۔ اس روایت میں ایک دن اور رات کا تذکرہ آیا ہے، اور اس سلسلہ میں

روایتیں مختلف آئی ہیں، جن کو سامنے رکھ کر علماء نے تین دن اور رات کے متعلق تو عدمِ جواز کا حکم دیا ہے، لیکن اس سے کم میں بھی اگر خطرہ ہو تو بچنا چاہیے۔

۹۹۰:-عن ابن عباس رضی اللہ عنہما: أَنَّهُ سَمِعَ النبيَّ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم يقول: لاَ يَخْلُوَنَّ رَجُلٌ بِامْرَأَةٍ إِلاَّ وَمَعَهَا ذُو مَحْرَمٍ، وَلاَ تُسَافِرُ الْمَرْأَةُ إِلاَّ مَعَ ذِي مَحْرَمٍ. فَقَالَ لَهُ رَجُلٌ: يَارسولَ الله، إِنَّ امْرَأَتِي خَرَجَتْ حَاجَّةً، وَإِنِّي اكْتُتِبْتُ فِي غَزْوَةِ كَذَا وَكَذَا؟ قَالَ: انْطَلِقْ، فَحُجَّ مَعَ امْرَأَتِكَ. (متفقٌ عَلَيْهِ)

ترجمہ:- حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما نے نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو ارشاد فرماتے ہوئے سنا: کوئی (اجنبی) مرد کسی عورت کے ساتھ تنہائی اختیار نہ کرے مگر یہ کہ اس عورت کے ساتھ اس کا کوئی ذی رحم محرم موجود ہو (کیوں کہ شیطان کی طرف سے وسوسہ اندازی اور گناہ میں مبتلا کر دینے کا بڑا قوی خطرہ لگا ہوا رہتا ہے) اور عورت سفر نہ کرے مگر اپنے ذی رحم محرم کے ساتھ۔ ایک آدمی نے پوچھا: اے اللہ کے رسول! میری عورت سفرِ حج کے لیے جا رہی ہے، اور میرا نام فلاں غزوہ میں جانے کے لیے لکھا گیا ہے (اب کیا کیا جائے؟) حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا: تو بھی جا اور اپنی عورت کے ساتھ حج کر۔

افادات:- مطلب یہ ہے کہ اب تجھے غزوہ میں نہیں جانا چاہیے، اس لیے کہ تیری عورت بغیر محرم کے یا بغیر شوہر کے اکیلی حج کے لیے جائے، اس کی اجازت نہیں ہے، تو اس کے ساتھ سفرِ حج میں جا۔